آل و اصحاب

تالیف

حاجی سید اظہار حسنین

مطبع اصلاح کھجوا صوبہ بہار

هٰذا بیان

لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ ط وان اللہ لسمیع علیم ۱۹

یہ بیان ہے تاکہ ہلاک ہو جو ہلاک ہو حجت کے ساتھ اور جیتا رہے جو جیتا رہے حجت کے ساتھ اور خدا یقینی سننے والا خبردار ہے

رسالہ

آل و اصحاب

مسمی بہ

مشعل ہدایت

مؤلفہ

عالیجناب گرامی القاب عمدۃ الانام المصطفین حاجی سید اظہار حسین صاحب

بی۔ اے مجسٹریٹ پنشنر و رئیس کھجوا دام مکارمہم

باہتمام سید محمد جعفر

مطبع اصلاح کھجوا صوبہ بہار میں چھپکر شائع ہوا

التماس

ہزار ہزار شکر ہے اوس معبود حقیقی کا جس نے کَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَفَضَّلْنٰهُمْ فرماکر انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اوسکو ساری مخلوقات پر فضیلت دی۔ اور لاکھ لاکھ حمد و ثنا ہے اوسکی کہ جب کچھ انسان نفس امارہ اور قیاس بیجا میں پڑکر ارذال المخلوقات کی پرستش کرنے لگے اور دوسرے انسانوں نے اونکی اندھی تقلید کی تو انبیاء و مرسلین کو بھیجکر اپنی کمال رحمت سے پھر انسان کی ہدایت اور رہنمائی فرمائی۔ صلوٰۃ اور سلام ہے اوس نبی مرسل پر جسکو پروردگار عالم نے اشرف الانبیاء اور سید المرسلین فرمایا اور جس نے ہم کو کفر و شرک کی ظلمت سے نکالکر نور ہدایت میں داخل کیا۔ اور جس نے اپنے آل اطہار سلام اللہ علیہم کو اور قرآن پاک کو ثقلین فرماکر قیامت تک کے لئے ہادی اور رہنما مقرر فرمایا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آل اطہار ہماری نظروں سے غائب ہوگئے اور قرآن کو بھی ہم نے نظرانداز کردیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کا نور دھندلا پڑگیا اور شاہراہ معدوم ہوگئی اور اہل اسلام فرقہ درفرقہ ہوکر عوض مثل بھائی بھائی کے ایک دوسرے کے معین و مددگار ہونیکے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے ہیں۔ اور اسلام ایسا خراب و تباہ ہوگیا ہے کہ جو لوگ اسکے تابع اور مطیع تھے وہ حکمراں ہوگئے اور خود اہل اسلام کفر و الحاد کے تابع و ماتحت ہوگئے۔ لہذا اس مختصر رسالہ میں اہل اسلام کو قرآن پاک کیطرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو ہماری ہدایت کیلئے باقی ہے۔ اگر وہ کُبَرَائَنَا و سَادَتَنَا (بڑے اور بزرگ) کی اندھی تقلید اور جنبہ داری کو ترک کرکے اسکے آیات کے حکم و فرمان کو مانیں گے تو اسکی اس بشارت کے مستحق ہونگے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ
اے رسول اون لوگوں کو خوشخبری دیدو جو کل باتوں کو سنتے ہیں اور جو اچھی ہے اوسکی پیروی

کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکی خدا نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ عقلمند ہیں (سورۃ الزمر ع ۲) اس حکم خداوندی کو یہ کہکر نہیں ٹالنا چاہیے کہ ہم کو اتنی عقل کہاں کہ ان سب باتوں کو سمجھیں اس لئے کہ رسولخدا صلعم فرماتے ہیں لا یعجبکم اسلام رجل حتی تعلموا ما عقدۃ عقله یعنی تم لوگ کسی کی نماز۔ روزہ۔ حج پر فخر نہ کرو یعنی تعریف نہ کرو جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ وہ شخص امور دین میں کہاں تک تعقل کرتا ہے۔ غرض اندھی تقلید سے خدا ناخوش ہوتا ہے اور بغیر تعقل اور تدبر کئے ہوئے عبادات نامقبول ہیں۔ لہذا جو آیتیں اس رسالہ میں پیش کیگئی ہیں اون پر بیننی و بین اللہ بغیر کسی کی جنبہ داری کے تعقل اور تدبر کر کے اپنے ایمان اور اعمال کو درست کرنا لازم ہے۔ اس رسالہ میں بہت آسان زبان اور سلجھی تقریر سے دکھایا گیا ہے کہ قرآن پاک کس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے اور کس سے منع فرماتا ہے۔ لہذا اس رسالہ کو ہر فرد اہلسنت والجماعۃ اور ہر شیعہ کے ہاتھ میں ہونا چاہیے تاکہ جو قرآن کی ہدایت کے ساتھ چلتے ہیں اور چلیں گے وہ پوری دلیل اور یقین کے ساتھ جس میں کوئی شک نہ ہو۔ اور وہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کے مصداق ہونگے۔ اور جو اپنے ہوا و ہوس اور بڑوں اور بزرگوں کی تقلید میں اسکی ہدایت کی مخالفت کرینگے وہ مصداق آیہ کریمہ کے ہونگے وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ط أُولٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ یعنی وہ لوگ جو قرآن کے مفصل آیات پر ایمان نہیں لاتے اونکے کانوں میں ٹھیپی ہے اور قرآن اونکو اندھا بنا دیتا ہے اور وہ اسکی پکار کو نہیں سُن سکتے (سورہ حٰم السجدہ رکوع ۵)

ہاں اگر کوئی شخص آیات کے ترجمہ کو غلط خیال کرے تو سابقین کے معتبر ترجمہ کیطرف رجوع کرے۔ اسلئے کہ میں نے اُسی ترجمہ کو اختیار کیا ہے جو لغت اور نحوی قاعدہ سے صحیح اور تحریف معنوی سے محفوظ ہے اور جہاں کسی کے پیش کردہ معنی و مطلب سے اختلاف کیا ہے وہاں مفصل وجہ و دلیل دیدی ہے تاکہ حق جو کو حق کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔

سید اظہار حسنین
۱۰ ذی الحجہ ۱۳۵۰ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ بَشَّرَ فِیْ کِتَابِہِ الْمُبِیْنَ بِالرَّحْمَۃِ وَالْھُدٰی عِبَادِہٖ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ وَ یَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ وَاَنْذَرَ بِالنِّقْمَۃِ وَالْھُوْیٰ السُّفَہَاءَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ سَادَتَھُمْ وَکُبَرَائَھُمْ وَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَاَمَرَنَا فِیْ کَلَامِہٖ الْمَتِیْنَ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ قف وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ۔

امابعد احقر الکونین سید اظہار حسنین کی عرض ہے کہ اسلام میں پیروی آل اور اصحاب کی وجہ سے اس قدر فرقہ بندی ہو گئی ہے کہ اسلام تو اسلام اہل اسلام کی تباہی و بربادی کی کوئی حد نہیں ہے اور روز بروز اہل اسلام مائل بہ انحطاط ہیں اور ایک دوسرے کے ناصر اور معین ہونے کے عوض فرقہ بندی کے حسد و بغض کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن

بنے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ اہل سنت والجماعۃ کہ اوٹھتے ہیں کہ شیعے جو پیروی آل رسولؐ کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تو کافر سے بدتر ہیں۔ اور شیعہ ہیں کہ وہ اہلسنت والجماعۃ کو جو پیروی اصحاب کا دعویٰ کرتے ہیں اونکی اعانت اپنی ہی بیخ کنی سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ ناچیز یہ تلاش کرنا چاہتا ہے کہ آیا قرآن پاک جو قیامت تک کیلئے عالم کا ہادی اور رہنما ہے اوس سے ہماری رہنمائی ہوسکتی ہے کہ نہیں اوپر جن آیتوں کیطرف اشارہ ہے ان ہی ارشادات کے مطابق میں چاہتا ہوں کہ تہذیب و معقولیت کے ساتھ اپنے مطلب کا اظہار کروں۔ اور جو طریقہ نامحمود مناظرہ کا قائم کیا گیا ہے اوس سے بالکل پرہیز و احتراز کروں۔ ہر بافہم وصاحب عقل انسان اس بات کو مانتا ہے کہ فرقہ بندی نے اسلام کو خراب کردیا ہے۔ اور اہل اسلام میں ایسی کمزوری آگئی ہے کہ اس کو دور کرنا غیر ممکن ہے۔ مرض سے ہر شخص واقف ہے لیکن علاج نہیں معلوم۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ چاہئے کہ ہر فرقہ ایک طریقہ پر آجاوے تو اس ابتری کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ آخر کیونکر ہر فرقے کے لوگ ایک طریقہ پر آسکتے ہیں۔ جب تک کہ کسی کا حق ہونا اور باقی کا ناحق ہونا ثابت نہ ہو۔ جو حضرات مناظرہ کو فرقہ بندی کی بلا کو زور دینا فرماتے ہیں۔ اون کو لازم ہے کہ ارشاد فرماویں کہ فرقہ بندی کے دفع کرنے کا کیا علاج ہے جب تک دوسرا علاج معلوم نہ ہو اوس وقت تک اس امر کے دریافت کے لئے کہ کون حق اور کون ناحق ہے۔ گفتگو اور مناظرہ کی ضرورت ضروری ہے۔ لفظ مناظرہ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس سے مراد ایک فریق کو برا بھلا کہنا ہے۔ بلکہ مناظرہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان دلائل اور براہین پر نظر کرکے نتیجہ صحیح پر پہونچے لہذا اگر کوئی شخص حق و باطل کی جستجو میں قلم اوٹھاوے تو اوسکو تفرقہ انداز کہنا بالکل غلط اور لغو ہے۔ بہر کیف میرے خیال میں جنکو تحقیق حق منظور نہ ہو اور جس راستہ اور طریقہ

پردہ ہیں اوسی پر آنکھ بند کر کے رہنا چاہتے ہیں اونکو مناظرہ کی کتاب بھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔ اسلیئے کہ علاوہ تضیع اوقات کے اون کے دل میں بے فائدہ بغض وعناد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جنکو خداوند عالم کی خوشنودی منظور ہے اور وہ رسولخداؐ کی شفاعت کے خواستگار ہیں اونکو لازم ہے کہ تلاش حق کریں ورنہ خطبہ میں جو حکم خداوندی کا ذکر ہے اوسکے مستحق ہو نگے۔ اب حق کی تلاش کے لیئے اہل اسلام کے پاس کیا معیار ہے۔ اگر رسولخداؐ کے اقوال اور تعلیم ہو بہو محفوظ ہوتی تو پھر کسی کو جاے دم زدن نہ ہوتا اور نہ فرقہ بندی ہوتی۔ لیکن اوس میں اس قدر موضوعات شامل کر دیئے گئے ہیں کہ باوجود اصح الکتب بعد کتاب الباری کے دعویٰ ہونیکے صحیح بخاری وصحیح مسلم ایسی کتابوں کو بھی موضوعات و تحریفات سے خالی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اور ویسے ہی شیعہ بھی ہیں کہ اگر اون کے خیال کے خلاف کوئی حدیث اونکی کتاب سے نکلتی ہے تو اوسکو موضوع وافترا کہنے سے نہیں رُکتے۔

غرض فریقین اپنی اپنی حدیثوں کے مجموعہ کو بالکل صحیح نہیں مانتے۔ لہذا حق کے متلاشی کی مشکل صرف احادیث سے حل نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایک قرآن کتاب اللہ ہے جس سے انسان حق وباطل کی تلاش کچھ اطمینان کے ساتھ کر سکتا ہے۔ کیونکہ اوسکی طرزِ ادا اور سیاق عبارت خداوند عالم نے اس طرح رکھی ہے کہ کوئی اوس کا مثل نہیں بنا سکتا اور نہ قرآن میں کسی نے اضافہ کیا ہے اور نہ اضافہ ممکن ہے۔ لیکن جب کوئی آیت اہل غرض کے خلاف پڑتی ہے تو مکّی۔ مدنی۔ تقدیم وتاخیر ترک اسمار مدوحین یا مقبوحین کا حیلہ پیدا کر کے ایسی آیتوں سے بھی چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ اپنا منگڑھت رہنما بنانے سے انسان خدا تک نہیں پہونچ سکتا۔ رہنما کو کون کہے۔ کفار تو اس درجہ بہک گئے کہ خود اپنے اپنے خدا اور رزاق ومستجاب الدعوات کو گڑھ لیا اور اپنی ہی گڑھی ہوئی چیزوں کے سامنے

اپنے سر نیاز کو جھکا دیا جسکی مذمت سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ مثال کے لئے سورۂ یونس کے رکوع ۳ سے یہ آیہ کریمہ نقل کرتا ہوں۔ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ یعنی جس دن ہم سب کو اکٹھا کرینگے پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے (بنائے ہوئے خدا کے) شریک ذرا اپنی جگہ ٹھہرو۔ پھر ہم ایک کو دوسرے سے علحدہ کر دینگے تو اون کے شریک اون سے کہیں گے کہ تم تو ہماری پرستش کرتے نہ تھے۔

غرض جن جن چیزوں کو مشرکین خداوند عالم کا شریک بنا کر پرستش کرتے ہیں قیامت میں وہ قدرت خدا سے بول اٹھینگے اور اپنے پرستش کرنے والوں سے تبراء اور بیزاری کرینگے۔ وہی حال منگھڑت امام و رہنما کا ہوگا جیسا خداوند عالم سورہ البقرہ رکوع ۲۰ میں فرماتا ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا یعنی جب پیشوا لوگ اپنے پیرووں سے تبراء کرینگے اور بچشم خود عذاب دیکھینگے اور اون کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور پیرو کہنے لگیں گے کہ اگر ہمیں پھر دنیا میں ایک مرتبہ پلٹنا ملے تو ہم بھی ان سے اسی طرح تبرا کرینگے جس طرح یہ لوگ ہم سے تبرا کر رہے ہیں۔ پس اپنے اعتقاد و خیال کے مطابق کسی انسان کے لئے اپنے دل سے یا موضوعات کی بنا پر اوصاف فرض کر کے اونکو امام۔ اولیاء اللہ قطب ابدال و رہنما قائم کرنا بت پرستی اور صنم پرستی سے کم نہیں ہے۔ اسکو انسان کو ویسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا کہ بت پرستی۔ اور جس طرح قرآن پاک کی ہدایت سے

انسان بت پرستی ترک کرکے خدا پرست بنگیا ہے - اوسیطرح لازم ہے کہ بناوٹ کے امام و رہنما سے تبرا کرکے انسان اون اماموں کے پیچھے آجاوے جسکی قرآن پاک تصدیق کرتا ہے پس رہنما کی تلاش قرآن ہی سے کرنا چاہیئے - اور اوسی کو رہنما - ولی اور ہادی ماننا چاہیئے جسکو خداوند عالم نے اپنے کلام محکم میں بتادیا ہے - اور اوسی کی اطاعت اور پیروی سے خدا مل سکتا ہے - لیکن قرآن پاک پر جو اعتراضات ہوا کرتے ہیں اونکا کیا جواب ہے - ان اعتراضات کے بانی بھی وہی اصحاب ہیں جنکی مذمت چھپانیکے لئے قرآن اولٹا پلٹا گیا اور جنکی غلط سلط تعریف و توصیف کرکے اونکو رہنما اور ہادی مانا جاتا ہے - واقعی انسان اگر چشم بصیرت سے بغیر تعصب کے قرآن ہی پر نظر ڈالے اور اسکے ساتھ جو اہل اسلام نے برتاو کرکے اوسکی حالت بنادی ہے اوسپر غور کرے اور ربکے ارشادات کو ملاحظہ فرماوے تو حق مل سکتا ہے - کیونکہ جو قرآن پاک کی حالت ہے اور جو کچھ اسپر اعتراض ہے وہ سب اصحاب کے کرتوت کا نتیجہ ہے جسکی پیشینگوئی قرآن پاک نے پہلے ہی سے کردی ہے - اول الزام مکی - مدنی اور تقدیم و تاخیر کا ہے - یہ الزام قرآن پاک پر نہیں ہے کیونکہ یہ مجموعہ نہ رسولخدا صلعم کا بنایا ہوا ہے اور نہ اونکا جو رسولخدا صلعم کے زمانہ میں عالم قرآن و حافظ مانے جاتے تھے بلکہ اون جامعین پر ہے کہ جنھوں نے خلافۃ رسول پر قبضہ کرکے سیاہ و سفید کرنے کی قوت حاصل کرلی اونھیں نے آیتوں کو ایسا خلط ملط کیا کہ اول کا آخر اور آخر کا اول - اور کہیں کی آیۃ کہیں چلی گئی - مثلاً باتفاق اہل اسلام سورہ اقرا کی شروع کی آیتیں اول اول رسولخدا صلعم پر نازل ہوئیں جو اس وقت تیسویں پارہ میں ہے خاص ان آیتوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے سے چنداں نقصان نہیں تھا لیکن انکو آخر میں ڈالکر تقدیم و تاخیر کا جو اصول قائم کیا گیا ہے اوس بنا پر بہت سی آیتوں کو اونکی جگہ اور موقع سے ہٹاکر قرآن کو اولٹ پلٹ دیا ہے جو اس وقت مورد الزام بنایا ہے - چنانچہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ پکار کر کہہ رہی ہے کہ میں آخر آیۃ ہوں

یں قرآن پاک کی تمت بالخیر ہوں۔ یعنی جس روز یہ نازل ہوئی اوس روز دین کامل ہو گیا۔ خدا کی نعمت سب تمام ہو گئی اور خداوند عالم نے اس کامل اور مکمل دین اسلام کو ہمارے لئے پسند فرمایا اور اب کوئی حکم ایسا باقی نہیں رہا جو بعد کو نازل ہو۔ غرض اسکے کہ یہ آیۃ قرآن یا کسی سورہ کے آخر میں ہوتی اسکو چھٹے پارہ کے ربع کے پاس سورۃ المائدہ کے اول رکوع میں رکھدیا اور اس کے بعد تین ثلث چھٹے پارہ کا اور ۲۴ پارہ مسلم لکھ مارا تاکہ معلوم ہو کہ دین کامل اور اپنی نعمت کو تمام کرنے کے بعد بھی خداوند عالم کو سیری نہ ہوئی اور قرآن کی میٹھی میٹھی عبارت لکھتا چلا گیا۔ ممکن تھا کہ اسکی تاویل مسلمان یوں کرتے کہ اسلام کے احکام اس جگہ پر ختم ہو گئے اور باقی قصص و حکایات و مقولے اوسکے تاکید کے لئے ہیں۔ لیکن کسی تاویل کی گنجائش باقی نہ رکھنے کی غرض سے اوسی سورہ المائدہ کے دسویں رکوع میں یہ آیہ کریمہ لکھدیا۔

یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کیطرف سے تمپر نازل کیا گیا ہے پہونچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اوس کا کوئی پیغام نہیں پہونچایا۔ اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا۔

یعنی بعد اتمام و اکمال دین کے ایسے احکام باقی رہ گئے تھے کہ جسکے نہیں بیان کرنے سے کل دین بیکار ہوا جاتا تھا اور رسول کی رسالت ضایع و برباد۔ ان آیتوں کی ترتیب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھٹے پارہ کے ربع تک قرآن پاک اور خداوند عالم کے احکام ختم ہو چکے اوس کے بعد خداوند عالم کو اور احکام یاد پڑے اور وہ بھی ایسے ضروری اور اہم کہ اونکے بغیر رسولؐ کی رسالت ہی ناقص ہوا چاہتی تھی لہذا آیہ یا ایھا الرسول بلغ کو نازل کیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ آخر اس الزام کا باعث کون ہے وہی جامعین قرآن۔ یہ ترتیب کی اولٹ پلٹ اتفاقاً اور غفلتاً نہیں ہے بلکہ اس سے

خداوند عالم کے کلام میں خلط مبحث پیدا کرنا مقصود تھا جسکی خبر خداوند عالم نے پہلے ہی دیدی تھی۔

چنانچہ سورہ الفتح رکوع ۲ میں فرماتا ہے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ یعنی یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ خداوند عالم کے کلام کو بدل دینگے۔ چنانچہ بہت سی مثالوں میں سے یہی ایک مثال دیکھ میں نے ثابت کردیا کہ قرآن پاک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا ہے اور کیونکر ایک آیت اپنی جگہ سے ہٹاکر دوسری جگہ ڈالدی گئی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ معنی اور نزول کے خیال سے جو آیتیں ایک جگہ ہونا چاہئے تھیں وہ کہیں کی کہیں پڑگئیں۔ جو اول میں ہونا چاہتا تھا وہ آخر میں گئیں اور بعد کی آیتیں قبل میں آگئیں۔ مدنی آیتیں جو کل مکی آیتوں کے بعد ہونا چاہئے تھا وہ خلط ملط ہوکر ایسی مل گئی ہیں کہ اون کا سلجھنا ممکن نہیں۔

اس کے بعد دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن میں کسی کا نام نہیں ہے نہ ممدوحین کا نام ہے اور نہ مقبوحین کا۔ پس کیونکر انسان تلاش امام میں کامیاب ہوسکتا ہے یہ کمی بھی خداوند عالم کیطرف سے نہیں ہے اوس نے اپنے ممدوحین کا نام اور مردودین کا نام امام ہدایت کا نام اور امام نار کا نام بتادیا تھا لیکن ان اسمار کا تذکرہ جامعین قرآن کے مقاصد کے خلاف پڑتا تھا اس لئے اونکو نکال ڈالا۔ ورنہ بیچارے ابولہب کا کون ایسا قصور تھا کہ اوس کے نام کے ساتھ برائی بیان کرنے کو ایک سورہ نازل کیا جاتا۔ اور ابوجہل ایسے کافر۔ ابوسفیان ایسے فاسق۔ ہندہ مادر معویہ ایسی جگرخوارہ عورت کا ذکر برے نام بھی نہ ہوتا۔ بات یہ ہے کہ ابولہب ہاشمی تھا اور رسولخداؐ کا چچا۔ اس لئے قریشیوں کو کیا پڑی تھی کہ انکی عزت و آبرو کا خیال کرتے لیکن چونکہ جامعین قرآن قریش تھے اور خلافت قریش کے ہاتھ میں تھی اس لئے قریش کا ایک نام بھی نہ رہنے پایا۔ یہ خیالی اور وہمی الزام جامعین قرآن پر نہیں ہے

بلکہ خود اونھی اور اونکی اولاد کا مقبولہ جرم ہے مثلاً اتقان مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۵
میں یہ مذکور ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَا يَقُولَنَّ اَحَدُكُمْ قَدْ اَخَذْتُ
الْقُرْآنَ كُلَّهُ وَمَا يُدْرِيْهِ مَا كُلُّهُ قَدْ ذَهَبَ مِنْهُ قُرْآنٌ كَثِيْرٌ وَ
لٰكِنْ لِيَقُلْ قَدْ اَخَذْتُ مِنْهُ مَا ظَهَرَ یعنی حضرت عمر کے صاحبزادے فرماتے
تھے کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن حاصل کیا ہے حالانکہ اوسکو نہیں معلوم
کہ پورا قرآن کس قدر تھا۔ کیونکہ بہت سا قرآن کا حصہ جاتا رہا۔ لیکن چاہیے کہ
یہ کہے کہ جو کچھ ظاہر ہے اسی کو میں نے حاصل کیا۔

سُنا آپ نے قرآن کا بہت سا حصہ جاتا رہا اور حضرت عمر کے صاحبزادے کو یہ
خیال تو ضرور رہا کہ انسان کے منہ سے سہواً بھی غلط بات نہ نکلے لیکن افسوس
کہ قرآن کا ایسا پاس بھی نہیں ہوا کہ جو چلا گیا تھا اوس کو پورا کرنیکی کوشش کیجاتی
یا اس بات پر پردہ ہی ڈالا جاتا کہ قرآن کا ناقص ہونا ثابت نہ ہوتا۔

وہ بیچارے کیا کرتے جب ام المومنین ہی کی تعلیم ایسی تھی کہ وہ اوسی صفحہ اتقان
میں فرماتی ہیں۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ تُقْرَءُ
فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَتَيْ اٰيَةٍ فَلَمَّا كَتَبَ عُثْمَانُ
الْمَصَاحِفَ لَمْ نَقْدِرْ مِنْهَا اِلَّا مَا هُوَ الْاٰنَ یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں
کہ سورہ احزاب جو رسول خدا کے زمانہ میں ہم لوگ پڑھتے تھے وہ دو سو آیتیں
تھیں اور جب حضرت عثمان نے مصاحف لکھا تو جو اس وقت موجود ہے اوس سے
زیادہ نہیں ملا۔ اب اس وقت صرف ۷۳ آیتیں ہیں تو گویا ۱۲۷ آیتیں غائب
ہو گئیں۔ ان روایات سے قرآن کے ایک حصہ کا غائب ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن تمام
کا غائب ہونا نہیں ظاہر ہوتا لہذا تفسیر معالم التنزیل کو ملاحظہ فرمایئے آیۂ یحذر
المنفقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم یعنی منافقین اس بات سے

ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی سورہ نازل ہو جاوے اور منافقین کے دل میں جو باتیں ہیں اس کو ظاہر کردیوے۔ (سورہ توبہ رکوع ۸)

اوس کے بعد خداوند عالم دھمکی دیتا ہے اور فرماتا ہے اِنَّ اللهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ یعنی جس سے تم ڈرتے ہو خدا اوسے ضرور ظاہر کردیگا۔ چنانچہ اس دھمکی کو پورا کیا۔ اور ان دونوں آیات کے تحت میں عبداللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے قال عبداللہ ابن عباس انزل اللہ تعالیٰ ذکر سبعین رجلا من المنافقین باسمائھم و اسماء آبائھم ثم نسخ ذکر الاسماء رحمة للمومنین لئلا یعیرون بعضھم بعضا لان اولادھم کانوا مومنین ۔ یعنی عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ستر منافقین کے نام مع ولدیت نازل ہوئے تھے پھر مسلمانوں پر محض مہربانی کی وجہ سے وہ نام منسوخ ہو گئے کہ ایک دوسرے پر طعن نہ کرسکے کیونکہ اون سب کی اولاد مسلمان ہو گئی تھی۔ جامعین قرآن نے جو نام قرآن سے نکالدیا اوس کا نام منسوخ ہونا رکھا گیا لیکن افسوس اس کا ہے کہ بقول راوی کے خداوند عالم نے منافقین کی اولاد کا خیال کیا اور اون کے ناموں کو منسوخ کردیا لیکن رسولخدا کا اور ابولہب کی اولاد کا جو مسلمان ہو گئی تھی کچھ خیال نہ کیا اور نہ کسی بنی ہاشم کا خیال کیا۔ اور ابولہب کا نام آج تک باقی چھوڑ دیا گیا۔ اگر منسوخ آیتیں ابھی تک قرآن میں باقی ہیں تو پھر منسوخ شدہ ناموں کو کیوں قرآن سے غائب کردیا۔ ہاں اگر منسوخ شدہ آیات نکال دی گئی ہوتیں تو اس تاویل کو کچھ قوت ہوتی۔ منسوخ شدہ آیتوں کو قرآن میں باقی رکھنا اور منافقین کے نام کو نکال ڈالنا جامعین کی خودغرضی کو ظاہر کرتا ہے۔

غرض منافقین کے نام قرآن میں تھے جنکو خلافتہ کے پاس میں اہل غرض نے غائب کردیا۔

اب ممدوحین کے نام کا غائب کرنا اس کا بھی ثبوت اہلسنت کی کتابوں سے حاضر ہے البیان عن التفسیر القرآن موفقہ احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی میں ابی وائل سے روایت ہے:۔

وہ کہتے ہیں کہ آیہ مندرجہ حاشیہ کو ابن مسعود کے قرآن میں اس طرح پڑھا تھا کہ جس میں آل محمدؐ کا لفظ تھا اور اب سارے قرآن میں آل محمدؐ کا لفظ نہیں ہے۔	قال قرأتُ فی مصحف عبد اللہ ابن مسعود ان اللہ اصطفی آدم ونوحاً و آل ابراھیم وآل عمران وآل محمد علی العٰلمین (سورہ آل عمران رکوع ۴)

تفسیر درمنثور سیوطی میں سورہ مائدہ میں عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:۔

ہم زمانۂ رسول خدا میں آیہ کی اس طرح تلاوت کرتے تھے کہ اے رسولؐ اس حکم کو کہ علی مومنین کے مولیٰ ہیں پہونچا دو۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا کہ رسالت کا کوئی کام نہ کیا۔	کنا نقرء علی عھد رسول اللہ یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔

اس آیہ کریمہ سے حضرت علیؑ کا نام نکال دیا گیا تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ کس امر کا ایسا تاکیدی حکم خداوند عالم نے نازل فرمایا تھا اور جس کا جیسا جی چاہے ویسا معنی پیدا کر دے اسکے بعد جو نام باقی رہ گئے اوسکو اولٹا پلٹا زیر وزبر دیکر مجہول کر دیا مثلاً سورہ الحجر کے رکوع ۳ میں قَالَ ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ جو واقعاً یوں تھا صِرَاطُ عَلِیٍّ یعنی حضرت علیؑ کی راہ دیکھو مناقب خوارزمی میں حسن بصری کی روایت۔ ورنہ قرآن میں جس طرح زیر وزبر دیا ہوا ہے اوس کا نہ کوئی مطلب معلوم ہوتا ہے اور نہ شرح پیر مفسرین اس کے سلجھانے میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ یہ دو لفظ تین طرح سے لکھے

جا سکتے ہیں صِرَاطٌ عَلَیَّ (جیسا قرآن میں ہے) صِرَاطُ عَلِیٍّ اور صِرَاطُ عَلِیٍّ۔ صِرَاطٌ عَلَیَّ جیسا قرآن میں ہے اوسکے معنی یہ ہیں کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ میرا اوسے جو ایک راستہ ہے وہ مستقیم یعنی سیدھا ہے۔ ہر انسان کو صراط مستقیم کی تلاش ہے اب اللہ کے اوپر کے راستہ کی تلاش کہاں سے کیجاوے اس لئے کہ اللہ کے اوپر ہے اور نہ نیچے ہے۔ اگر اس کے معنی یوں بنائے جاویں کہ مجھ تک آنیکی راہ سیدھی ہے تو ظاہرا معنی بنجاتا ہے لیکن اوس سے کچھ حاصل نہیں۔ صراط مستقیم وہی ہے جو انسان کو اللہ تک پہونچاتا ہے تو یہ کہنا کہ صراط مستقیم اللہ تک پہونچاتا ہے۔ صرف لفظوں کا دہرانا ہے اور جس شئے کی تلاش ہے وہ نہیں بتایا جاتا اور یہ جملہ مہمل ہوا جاتا ہے صِرَاطٌ عَلِیٌّ اگر پڑھا جائے تو اوس کے معنی یہ ہونگے کہ اونچا راستہ سیدھا ہے۔ علیؑ کے معنی اونچا یہ تو اور بھی لغو ہوا۔ اب باتیسرا اعراب صِرَاطُ عَلِیٍّ یعنی حضرت علی کی صراط راہ مستقیم ہے جو خدا تک پہونچادیگی یہ ایسا معنی درست ہوتا ہے کہ کسی اہل اسلام کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ غرض زیر و زبر دیکر قرآن کے معنی کو بگاڑا ہے اور سب سے زیادہ ظلم آل رسولؐ پر کیا ہے کہ اون کے نام و نشان کو قرآن کے الفاظ ظاہری سے مٹا دیا جسکی دوسری مثال سورہ والصّٰفّٰت کے رکوع ۸ میں ہے سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْن یعنی اِل یاسین پر خدا کا سلام ہے۔ اب ذرا کوئی صاحب بتا دیں کہ اِل یاسین کس بزرگ یا ولی کا نام ہے اس اعراب سے مفسرین خوب حیران ہوئے ہیں اور آخر کو اعتراف کیا ہے کہ اِل یاسین غلط ہے صحیح اعراب آلِ یٰسین ہے۔ چونکہ یٰسٓ رسول خداؐ کا نام ہے اس سے مراد آل محمدؐ ہیں۔

غرض جامعین قرآن کو اور اونکی اولاد اور تابعین کو آل رسولؐ سے ایسا بغض تھا کہ جہاں صریح نام تھا اور اعراب سے نہیں بگاڑ سکتے تھے وہاں سے نام کو غائب کر دیا اور جہاں اعراب سے کام چل گیا وہاں اعراب کو گول مال کر دیا۔ اور اونکے متعلق

جو آیتیں قرآن میں تھیں اونکو اونکی جگہ سے ہٹا کر بے موقع رکھدیا تاکہ صحیح مقصود مجہول ہو جاوے۔ اس بغض کے ثبوت میں ایک حدیث صحیح بخاری سے پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ حضرت عائشہ کو کسی طور سے حضرت علیؑ کا نام لینا بھی گوارا نہ تھا چنانچہ صحیح بخاری پارہ اول کتاب الوضوء باب الغسل والوضوء ص۱۵۱ میں ہے:-

ان عائشۃ قالت لما ثقل النبیؐ واشتد بہ وجعہ استاذن ازواجہ فی ان یمرض فی بیتی فاذن لہ فخرج النبیؐ بین رجلین تخط رجلاہ فی الارض بین عباس ورجل اخر۔ قال عبید اللہ فاخبرت عبد اللہ بن عباس فقال اتدری من الرجل الآخر قلت لا قال ھو علی ابن ابیطالبؑ۔ یعنی عائشہ فرماتی ہیں کہ جب نبیؐ بیمار ہوئے اور آپکا مرض سخت ہو گیا تو اپنی بیویوں سے اجازت مانگی کہ حضرت میرے گھر میں رہیں اور میرے ہی گھر آپکی تیمارداری کیجاوے۔ سبھوں نے اجازت دیدی تو نبی صلعم دو آدمیوں پر سہارا کر کے نکلے اس طرح کہ آپ دونوں پیر زمین پر گھسیٹتے جاتے تھے۔ وہ دو شخص حضرت عباس تھے اور ایک اور شخص تھا۔ عبید اللہ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ ابن عباس کو خبر دی تو انھوں نے کہا کہ تم جانتے ہو وہ دوسرا شخص کون تھا۔ میں نے کہا نہیں۔ اونھوں نے بتایا کہ وہ حضرت علیؑ تھے۔ اس مضمون کی حدیث پارہ ۳ کتاب الاذان باب انما جعل الامام ص۳۸۱ باب اسمع الناس تکبیر الامام ص۳۸۰ و پارہ ۱۸ باب مرض النبیؐ و وفاتہ ص۱۰۴۲ وغیرہ میں ہے جہاں دو آدمیوں کا ذکر ضروری تھا لیکن حضرت عائشہ نے ایک شخص کا نام تو لیا مگر حضرت علیؑ کا نام لینے سے دریغ فرمایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اس امر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے نفس کو گوارا ہی نہ تھا کہ حضرت علیؑ کا ذکر کسی امر خیر میں ہو اور ابن اسحق نے مغازی میں زہری سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ اس پر قادر ہی نہ تھیں کہ حضرت علیؑ کا کوئی

ذکر خیر کر سکیں۔ اسی مضمون کی حدیث مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۳۲۸ وغیرہ میں بھی ہے۔

پس جب حضرت ابوبکر کی صاحبزادی کی یہ حالت ہو تو اون کے قرآن کے مجموعہ میں حضرت علیؑ اور اونکی اولاد کا نام کیونکر مل سکتا ہے۔

الحاصل جب اہل غرض نے قرآن میں آیتوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا منافقین کے نام جو صاحب اختیار ہو گئے تھے یا اونکے جرگے اور قبیلہ کے تھے ارنکو نکال ڈالا اور حضرت علیؑ کا نام جہاں تھا یا آل رسولؐ کا جہاں ذکر تھا اوسکو نکال ڈالا۔ یا اعراب بدل کر گول مول کر دیا تو اون کے تابعین کا دعویٰ کہ کسی آیت سے نہ حضرت علیؑ اور نہ اونکی اولاد کا پتہ چلتا ہے نمک بر جراحت پاشیدن کا مضمون ہے۔ اس پر اہل غرض دو اعتراض کر سکتے ہیں کہ اگر یہ سب صحیح ہے اور جامعین قرآن نے منافقین وغیرہ کا نام نکال ڈالا تو پھر ازواج نبیؐ کی مذمت کیونکر قرآن میں باقی رہ گئی خصوصاً حضرت عائشہ اور حفصہ کی مذمت کو سورہ تحریم میں سے کیوں کسی نے نہ نکال ڈالا۔ اور پھر جب انسان میں یہ سب قدرت تھی اور اونھوں نے قرآن کے ساتھ وہ ترکیبیں کیں جو اوپر واضح کی گئی ہیں تو خدا کا وعدہ کہ انا لہ لحافظون کیا ہوا۔

اعتراض اول کا جواب کہ ازواج نبیؐ کا ذکر خیر قرآن پاک میں کیونکر رہ گیا ہے کہ اول مجموعہ جو قرآن کا خلافت حضرت ابوبکر میں بنایا گیا تھا غالباً اوس میں سے جیسے اور منافقین قریش اور ممدوحین بنی ہاشم کا نام نکالا گیا اوسی طرح ازواج کے متعلق کی آیتیں بھی نکال دی گئیں۔ اور یہ قرآن اور دوسرے قرآن جو دوسرے اصحاب نے جمع کیا تھا وہ خلافت سیوم تک اپنے اپنے حال پر چلے آئے۔ لیکن جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو انکو اور بھی

قرآن کی اصلاح سوجھی - اور سب جو اصلاح کیا ہو وہ کیا ہی حضرت
عائشہ کے بغض میں ازواج نبی کی مذمت جو اول مجموعہ سے غالباً غائب تھی
اوس کو پھر اپنی جگہ پر قائم کر دیا جسکی وجہ سے حضرت عائشہ ان سے اتنا
خفا ہو گئیں کہ حضرت عثمان کو نعثل (یہودی) کا خطاب دیا اور برابر قتل کا
حکم لگایا کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں اقتلوا النعثلا قتل اللہ نعثلا
یعنی اے لوگو عثمان ایسے یہودی کو قتل کرو - خدا اوسکو قتل کرے -
قرآن کے متعلق جو مفسرین کے اقوال ہیں اون سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن
مجید سات قرأتوں پر نازل ہوا تھا اور زمانہ رسولخدا سے خلافت سیوم
کے اول دور تک انھیں سات قرأتوں پر تلاوت ہوتا رہا - لیکن حضرت
عثمان نے یہ ترکیب کی کہ کل قرآن کو جمع کرکے آگ لگا دی - اور صرف
ایک قرأت اپنی رد و بدل کے بعد باقی رکھا -

چنانچہ جب امت محمدی نے ان کو قتل کرنا چاہا تو یہ شکایت کی کہ ثم ان
الناس استخلفوا عثمان فحمی الاحماء واثر القربی واستعمل الفتی ورفع الدرّة
ووضع السوط وفرق الکتاب - یعنی پھر لوگوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا جس نے
چراگاہوں کو اپنے لئے خاص کر لیا اور اپنے قرابت مندوں کو حاکم بنا دیا اور
فئے کو اپنے تصرف میں لائے - اور دُرّہ موقوف کر کے کوڑہ ایجاد کیا - اور
کتاب خدا کو پارہ پارہ کیا - (دیکھو تاریخ کامل ابن اثیر جزری جلد ۴ ص ۶۵)
پھر مہاجرین اولین نے جو مصر وغیرہ خط لکھکر لوگوں کو حضرت عثمان کے
قتل کے لئے طلب کیا تھا اوسمیں یہ فقرے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم
من المہاجرین الاولین وبقیة الشوریٰ الی من بمصر من الصحابة
والتابعین اما بعد ان تعالوا الینا وتدارکوا خلافة رسول اللہ ۱۰

أهلها فان كتاب الله قد بدل وسنة رسول الله قد غيرت یعنی یہ تحریر ہے مہاجرین اولین اور بقیہ اصحاب شوریٰ کی اون صحابہ اور تابعین کیطرف جو مصر میں ہیں جلد آؤ ہمارے پاس اور تدارک کرو خلافۃ رسول اللہ کا کیونکہ کتاب خدا بدل دیگئی اور سنت رسولؐ کو منقلب کردیا (دیکھو الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ کے صہ 59 کو)

افسوس صد افسوس کہ شوریٰ کے وقت جناب امیر علیہ السلام نے قرآن اور سنت نبوی کی پیروی کا وعدہ کیا اور شیخین کی اوس سیرت کی پیروی سے انکار کیا جو قرآن اور حدیث کے خلاف تھی تو اونکو خلافۃ سے محروم کردیا۔ اور حضرت عثمان نے قرآن۔ حدیث اور سیرت شیخین پر چلنے کا وعدہ کرکے سب کو بھلادیا اور ایسا بھلایا کہ امت محمدی اُن سے متنفر ہو کر ہیجان میں آگئی اور انتقام لینے کے ارادے سے حسب فتویٰ حضرت عائشہ قتل کرڈالا چنانچہ جب قاتلین سے اور حضرت عثمان سے مقابلہ ہوا تو اونھوں نے یہ الزام لگایا قالوا انتقم علیك انك جعلت الحروف حرفا واحدا یعنی صحابہ نے کہا اے عثمان ہم تم سے اس بات کا بدلہ لیتے ہیں کہ تم نے کئی حروف قرآن کو حرف واحد پر کردیا (دیکھو ازالۃ الخفا مقصد دویم صلہ ۲۲۳)

المختصر اول خلافۃ میں جب قرآن کو جمع کیا تو ترتیب کو اُلٹ پلٹ دیا۔ اور منافقین اور ممدوحین کے نام کچھ نکال دیئے۔ گرچہ خلافۃ کے قرآن کی یہ حالت ہوئی تاہم دوسرے اصحاب کے پاس بھی قرآن کا مجموعہ اپنا جمع کیا ہوا موجود تھا جو حضرت عثمان کے جلوس کے وقت تک باقی تھے۔ اور لوگ خیال کرتے تھے کہ ذولت جیسا چاہے قرآن جمع کرے مجھکو اپنے جمع کردہ قرآن سے کام ہے اور موقع ملنے سے سب درست ہوجائیگا

لہذا لوگوں نے شیخین کے عمل پر زیادہ اعتراض نہیں کیا لیکن جب حضرت عثمان نے اون سب کے قرآن کو جمع کر کے ایک ضابطہ کا مجموعہ قائم کیا۔ اور باقی کو آگ لگادی اور اصحاب مومنین کی یہ امید کہ موقع ملنے سے قرآن درست کرلیا جاویگا خاک میں ملادیا تو اس کے عوض میں لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا۔

اگر جامعین قرآن ایماندار اور خداترس ہوتے تو لازم تھا کہ قرآن کا کام جو اعلم صحابی مثل حضرت علیؑ کے موجود تھے اون کے سپرد کرتے اور اون کے مشورہ سے لکھا جاتا۔ اصحاب رسولؐ میں حضرت علی علیہ السلام سے کوئی بھی عالم تر قرآن کا نہ تھا۔ حضرت کے علم سے فائدہ نہ اوٹھانا اور اس خدمت میں اون سے پرہیز کرنا ہی جامعین کی جانب بدگمانی پیدا کرتا ہے۔ دوئم حضرت علیؑ کے سوا اور بھی صحابی حافظ قرآن موجود تھے اور بعض ایسے تھے کہ جنھوں نے رسولخدا کے زمانہ ہی میں قرآن جمع کرلیا تھا۔ اون سے بھی مشورہ نہ لینا اور جمع قرآن میں اونکو شریک نہ کرنا جامعین کی دیانت پر بہت بڑا دھبہ لگاتا ہے خصوصاً جب یہ معلوم ہوجاوے کہ کتابت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیگئی تھی جو باوجود عرب ہونے کے اور صحابیت کا شرف رکھنے کے لاونعم کی بھی تمیز نہ رکھتے تھے۔ مثال کے لئے ذیل کی آیتیں ملاحظہ ہوں۔

سورہ البقرہ رکوع ۲۳ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ یعنی جس کو طاقت ہو اور وہ روزہ نہ رکھے او سکو ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہیئے۔ کیا واقعی خدا اور رسولؐ کا ایسا حکم ہے؟ اگر ایسا حکم ہوتا تو سوائے مفلس اور نادار کے سب روزہ سے بری ہوجاتے بات یہ ہے کہ یہ حکم اون ضعفا اور مرضاء کے لئے ہے جو روزہ کی طاقت

نہیں رکھتے لیکن کاتبین بے تمیز نے لَا یُطِیْقُوْنَہٗ کو بغیر لا کے یُطِیْقُوْنَہٗ لکھدیا اور مسلمانوں کو گڑبڑی میں ڈالدیا۔

دوسری مثال سورہ الانفال رکوع ۳ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یعنی اے ایماندارو مت خیانت کرو اللہ ورسول کے ساتھ اور خیانت کرو اپنی امانتوں کے ساتھ جان بوجھکر۔ یہاں بھی کاتبیں جو دوسرے تخونوا کے قبل لا تھا اوسکو بھول گئے کہ قرآن ہی گڑبڑ ہو گیا۔

اور مثال کاتبین کی غلطیوں کی بخوف ہتک حرمت قرآن پاک نہیں ذکر کرتا لیکن جامعین قرآن کے ہوا خواہوں پر واجب ہے کہ انھیں دو آیتوں کو سلجھا کر دنیا کے سامنے پیش کردیں اور اونکی نیک نیتی کی داد دیں۔

اوسکے بعد حضرت عثمان کا کل کا بیان قرآن کی جلا کر ایک کو قائم کرنا اسپر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کیا تھا کہ خلافۃ کے ہاتھ میں ایک موم کا سانچہ تھا۔ جب جیسا جی چاہا ویسے سانچے میں ڈھال دیا۔ حالانکہ اونکے سامنے نظیر موجود تھی کہ نصاریٰ نے انجیل کو چار قرأت پر لکھا اور وہ چاروں قرأت ایک دوسرے کے بغل میں ابھی تک موجود ہیں۔ اسی طور سے اگر قرآن کی سات قرأت تھی تو ساتوں کو قائم رکھنے میں کیا مضائقہ تھا کہ چھ کو سپرد آگ کردیا۔ خسارہ یہی تھا کہ ایک قرأت کو اپنے خیال میں اپنے مطلب کا بنالیا۔ مگر ساتوں کے ساتھ ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ لیکن خداوند عالم نے اونکی سب چالوں کو نیچا دکھا دیا اور قرآن اب بھی مومن اور منافق کی شناخت کے لیئے کافی ہے۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی نے الفاظ قرآن پر اعراب لگا کر ہر مسلمان کو مجبور کیا کہ بجائے عَلِیٌّ کے عَلَیَّ اور آل یٰسین کے

اِنَّ الَّذِیْنَ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ کے اَرْجُلَکُمْ وغیرہ پڑھیں اور گڑبڑی میں پڑے رہیں۔ اگر قرآن کے ساتھ ایماندارانہ سلوک کیا جاتا تو اول مجموعہ میں نہ تبدل تغیر کا الزام ہوتا اور نہ دوبارہ پھر کوئی مجموعہ تیار کیا جاتا اور نہ کسی قرآن کے جلانیکی ضرورت ہوتی۔ لیکن عوض اس کے کہ حکومت قرآن کی تابع ہوتی خود قرآن کو اپنا تابع کرلیا تھا اور جیسے جیسے حکومت کا رنگ بدلتا تھا ویسے ویسے قرآن بدلا جاتا تھا۔ اسکے بعد دوسرا اعتراض ہے کہ اگر یہ سب خبریں قرآن کے ساتھ اہلسنت والجماعۃ کے خلفاء اور اصحاب کے سلوک کی صحیح ہیں تو پھر خدا کا وعدہ کیا ہوا جس نے فرمایا ہے کہ انا له لحافظون یعنی بیشک میں قرآن کی حفاظت کروں گا۔

الجواب :۔ خداوند عالم کے ایک وعدہ پر اس قدر زور دینا اور بار بار ذکر کرنا اور دوسرے ارشادات کو نظر انداز کرنے سے انسان حق نہیں پا سکتا۔ حق جو کے لئے ضرور ہے کہ اولاً آیہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ یعنی یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ خداوند عالم کے کلام کو بدل دیں گے مدنظر رکھیں اس کے بعد سورہ انشقاق کی آیات کو ملاحظہ فرمائیں۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ یعنی شام کی سُرخی کی قسم اور رات کی اور ان چیزوں کی جنھیں یہ ڈھانک لیتی ہے۔ اور چاند کی جب پورا ہو جاتا ہے۔ کہ تم لوگ ضرور اگلوں کے قدم بقدم یعنی جیسی چال امم سابقین چلے ہیں ویسی چال تم بھی چلوگے۔ اس معنی کے صحیح ہونیکی سند میں اہلسنت والجماعۃ کے مفسرین کی زبانی ثابت کئے دیتا ہوں تاکہ بعد کو کوئی شبہ نہ ڈالے

(تفسیر کبیر مطبوعہ استنبول جلد ۸ صفحہ ۵۱۵) ان یکون المعنی لترکبن سنة

الاولین ممن کان قبلکم یعنی اس آیہ کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ امم
سابقہ کے راستہ پر چلوگے۔ سے ۲ تفسیر غرائب القرآن مطبوعہ مصر جلد ۳۰
صـ ۵۶ لترکبن سنۃ الاولین من المکذبین المھلکین یعنی اگلی جھٹلانے
والی اور ہلاک ہونیوالی امتوں کے راستہ پر چلوگے سے ۳ تفسیر معالم التنزیل
علامہ بغوی مطبوعہ صـ ۹۷۶ لترکبن سنن من قبلکم واحوالکم بحوالہ
راویان لکھا ہے عن النبی صلعم لتتبعن سنن من کان قبلکم
شبرا شبرا وذراعا ذراعا حتی لو دخلوا جحر ضب اتبعتموھم
قلنا یارسول اللہ الیھود والنصاری قال فمن یعنی آنحضرتؐ نے
اپنے اصحاب سے فرمایا بے شک تم اپنے اگلوں کے طریقہ پر چلوگے
بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ
میں گئے ہیں تو تم بھی جاؤگے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اگلوں
سے مراد یہود ونصاری ہیں۔ آپ نے فرمایا اور کون۔
مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب تغیر الناس ۳ میں بھی یہ حدیث موجود ہے
پس جیسا کہ امم سابقین یعنی یہود ونصاری نے کلام خدا میں تبدیلیاں
کی ہیں اور اونکو تحریف کرڈالا ہے جسکی خبر قرآن پاک میں بہت جگہوں
میں ہے۔ اوسی طور سے خلافۃ ثلاثہ کے زمانہ کی کارروائیوں نے خداوند
عالم کے دونوں پیشینگوئیوں کو سچ کر دکھایا گویا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کا
قول حضرت عائشہ کی حدیث اور عبید اللہ کی روایت کل ان دونوں
پیشینگوئیوں کی تفسیریں ہیں۔ ان پیشینگوئیوں کو مدنظر رکھکر سوچئے!
ضرور سوال کرسکتے تھے کہ جب قرآن کی بھی ویسی ہی گت ہوگئی جو توریت
وانجیل کی ہوئی۔ تو پھر اسلام کا کیا ٹھکانا رہیگا۔ دیکھ لیتے

خداوند عالم نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور باوجود امت کے اس چال کے ہم اس کے محافظ ہیں۔ اگر خداوند عالم رسولخداؐ کو اُمت کی چالبازیوں سے مطلع نہ کئے ہوتا تو خداوند عالم کو حفاظت کا وعدہ کرکے رسولخداؐ کی تشفی کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے اول اہتمام خداوند عالم نے یہ کیا کہ کوئی اسکے ایسی زبان وعبارت نہیں بنا سکتا۔ پکار پکار کر قرآن نے کہا کہ اگر ممکن ہو تو تم اس کے ایسی ایک سورہ ہی بنا لاؤ لیکن نہ اُس زمانہ کے لوگ بنا سکے اور نہ اب تک کسی سے ممکن ہوا۔ لہذا اسمیں کسی طرح کا اضافہ ممکن نہیں ہے اور نہ اضافہ ہوا۔ یہ ایک ثبت خداوند عالم کی حفاظت کا ہے کہ قرآن پاک میں اضافہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہوا ہے۔ باقی رہا ردّوبدل اور اسقاط وحذف تو خیال کرنا چاہئے کہ قرآن پاک کے نزول کا مقصد کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ رسولخداؐ کے زمانہ میں انسان کی ہدایت کرے۔ اور اونکو نجاۃ کا راستہ دکھا دے اور اُس کے بعد کل انسان کے لئے تا قیام قیامت مشعل ہدایت رہے۔ جب تک یہ وصف قرآن پاک میں باقی ہے اوسوقت تک ردّوبدل سے قرآن ناقص نہیں ہو سکتا اور خدا کا وعدہ سچا رہیگا۔

مثلاً ابولہب کا ذکر ہے۔ یہ سورہ اوس وقت کے لوگوں کی ہدایت کیلئے ضرور تھا کہ لوگ سمجھیں کہ نفاق اور کفر خداوندعالم اور اوس کے رسولؐ سے چھپ نہیں سکتا اور خداوند عالم اونکی پردہ دری اور تفضیح پر قادر ہے۔ اور وہ رشتہ۔ ناتہ۔ قرابتمندی کا خیال نہیں کرتا۔ اب اس سورہ کا ظاہراً کوئی فائدہ انسان کے لئے نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ اب نزول وحی ہے اور نہ رسولؐ ہیں۔ منافقین اور کفار کی تفضیح قیامت پر موقوف ہے۔

پس اگر صاف صاف منافقین اول کے ذکر کو اہل غرض نے حذف کر دیا تو کیا ہوا۔ ہم کو شخص سے کیا کام ہے اون سے خدا سمجھے گا لیکن منافقین کے اوصاف اس قدر واضح اور صریح قرآن میں درج ہیں کہ اس وقت بھی منافقین کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہے۔ اور اگر انسان چاہے تو منافقین سے بآسانی تمام پرہیز کر سکتا ہے۔ اوسی طور سے نیکوکار مومن اور متقی کے اوصاف سے قرآن بھرا پڑا ہوا ہے جس کا جی چاہے اوس سے خدا کا راستہ پکڑ لیوے۔

چنانچہ جن یورپین علماء نے قرآن پر نظر عمیق ڈالی ہے اون کا بیان ملاحظہ فرمائیے کہ قرآن کس قدر کامل ومکمل ہے۔

(۱) "پپولر انسائیکلوپیڈیا کے جلد ۰ صفحہ ۳۲۶ میں ہے کہ قرآن کی زبان عربی کی فصیح ترین زبان سمجھی جاتی ہے۔ طرز بیان اور شاعری کی ایسی خوبیاں اسمیں موجود ہیں جسکی نظیر کوئی پیدا نہیں کر سکتا۔ اسکی اخلاقی تعلیم بالکل خالص ہے اور جو شخص پوری طور پر اس پر عامل ہو نیک زندگی بسر کر سکتا ہے"۔ پس قرآن پاک اپنے مقصود کو پورا کر رہا ہے اور باوجود دست برد منافقین کے عالم کا ہادی اور رہنما ہے اور اہل یورپ یہ اعتراف کرکے کہ اسکی زبان کی کوئی نظیر پیدا نہیں کر سکتا معترف ہیں کہ اسمیں اضافہ ممکن نہیں ہے۔ اور باوجود اسقاط آیات واسماء کامل ہے اور محفوظ ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اکلوتی رائے ایک شخص کی ہے۔ اور ملاحظہ ہو

(۲) ڈاکٹر کنین اٹرک نے کلیسائی انگلستان کے صدر نشین ہونے کی حیثیت سے ۱۸۷۷ء میں جو تقریر کی تھی وہ لندن کے اخبار ٹائمز میں چھپی تھی۔ کہا کہ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا علمدار ہے اور یہ

تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہیں جانتا وہ سیکھے۔ وہ فرماتا ہے کہ استقلال و استقامت اپنا شعار رہنا و عزت نفس انسان کا بہت ضروری فرض ہے۔ اور اسکی ہدایت ہے کہ کیڑا اصاف پہنو۔ اسلام کے فوائد و منافع بے شبہ و یقینی ہیں شائستگی اور تمدن کی سب سے بڑی بنیاد اسکی خصوصیات بلکہ ارکان اعظم سے ہے۔

(۳) فرانس کے ڈاکٹر سوزاں کہتے ہیں "جدید علوم کے اکتشافات میں جنکو ہم نے اپنے علم کے زور سے حل کیا ہے یا ابھی وہ زیر تحقیق ہیں کوئی ایسی بات نہیں جو تعلیمات قرآن کے خلاف ہو۔ ہم عیسائیوں نے عیسائیت کو علم و سائنس کے ہم آہنگ و ہم نشین بنانے میں اب تک جتنی کوششیں کی ہیں اسلام و قرآن میں وہ سب پہلے ہی سے موجود ہیں اور پورے طور سے موجود ہیں۔

(۴) شمالی نائیجیریا کی شاہی مجلس میں ڈاکٹر موڈل نے ایک معرکۃ الآرا تقریر کے دوران میں کہا کہ اسلام طاقت پر مبنی ہے اور وہ اپنے جلد میں پارلیمنٹ قانون حقوق و عظمت سب چیزوں کو جمع رکھتا ہے۔ ایک عظیم الشان ہی کتاب نہیں ہے بلکہ نہایت شاندار اجتماعی قانون ہے سخت غلطی ہوگی اگر اہل نظر اسکی طاقت کا اعتراف نہ کریں۔ اس نے اپنی پیروی کرنے والوں کے جھنڈے فلک تک پہونچا دیئے۔ اور افریقہ کے پر پروں (جنگلات) میں تمدن کی روح پھونک دی ہے اور اپنی پاکیزہ تعلیمات اور اعلیٰ احکام کا انکو ایسا خوگر بنایا ہے کہ انکی ہمسایہ قومیں جو مسلمان نہیں ہیں کسی طرح ان کے ہمرنگ نظر نہیں آتیں۔

(۵) مسٹر کارلائل ایسا متعصب عیسائی کہتا ہے۔ جب تم ایک دفعہ قرآن کو بغور پڑھ چکو تو اسکی خصوصیتیں منکشف ہونے لگتی ہیں۔ اس کتاب میں

ایک خوبی ایسی ہے جو ادبی خوبیوں سے بالکل علحدہ ہے قرآن کی پہلی خصوصیت کہا جا سکتا ہے کہ اسکی اصلیت میں مضمر ہے اور وہ حقیقی معنوں میں ایک کتاب ہے۔ میرے خیال میں قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے۔

(۶) ڈیون پورٹ نے لکھا ہے کہ قرآن عالم اسلام کا ایک مشترکہ قانون ہے جو معاشرتی۔ ملکی۔ تجارتی۔ فوجی۔ عدالتی اور تعزیری معاملات پر حاوی ہے لیکن ان سب کے ساتھ وہ ایک مذہبی ضابطہ بھی ہے۔ اس نے ہر چیز کو باضابطہ بنایا ہے۔ مذہبی رسوم سے لیکر حیات روزمرہ کے افعال روحانی نجات جسمانی صحت۔ اجتماعی اور انفرادی حقوق شرافت قباحت دنیوی سزا۔ اخروی عقوبت تک تمام امور کو سلک ضابطہ میں منسلک کر دیا ہے۔ اور بھی بہت سے یورپین کی رائیں ہیں جن کو بخوف طوالت ترک کیا۔

ان شہادتوں کے بعد ہوا خواہان خلافہ خوش ہو کر سوال کر سکتے ہیں کہ اگر حضرت عبداللہ ابن عمر حضرت عائشہ بنت ابوبکر و دیگر اصحاب کے اقوال دربارہ تبدیل و تغیر و تنقیص قرآن صحیح ہیں تو پھر قرآن ایسی تعریف کا مستحق کیونکر باقی رہ گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن یعنی اصلی قرآن صحیح و سالم ویسا ہی باقی رہ گیا۔ جیسے رسولخدا شب ہجرت باقی رہ گئے وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰاکِرِیْنَ یعنی قریش یہ تدبیر کر رہے تھے کہ رسولخدا کو قتل کریں اور خدا بھی (اس کے خلاف) تدبیر کر رہا تھا اور خدا تو سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے (سورہ الانفال رکوع ۴)

یا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے بچگئے جن کے بارے میں خداوند عالم سورۃ الانبیا رکوع ۵ میں فرماتا ہے وَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَخْسَرِیْنَ یعنی اون لوگوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ چال بازی کی تو ہم نے ان سب کو

ناکام کردیا۔ اسی طور سے یاروں نے قرآن کے ساتھ چال بازی کی لیکن خداوند عالم نے اونکو ناکام و نامراد کردیا۔
واقعی رسولخداؐ اور اہلبیتؑ اور قرآن سے قریش نے جو جو برتاو کیئے وہ کس قدر مشابہ ہیں۔ رسولخداؐ کے گھر کو گھیر لیا اور ننگی تلواروں کو ہاتھ میں لیکر تیار کہ جیسے صبح ہو رسولخداؐ کو قتل کرڈالیں۔ لیکن رسولخداؐ ہجرت کر کے مکہ سے نکل گئے اور بالکل صحیح و سالم محفوظ رہے اب اُن سے پوچھنے والے پوچھ سکتے ہیں کہ واقعی اگر اس طرح ہر قبیلہ کے لوگوں نے رسولخداؐ کو گھیر لیا تھا تو اون کے درمیان سے کیونکر نکل گئے اور نکلکر ہجرت کر گئے اور ایک چرکہ بھی بدن پر نہیں لگا۔ اوسی طرح قرآن میں تبدیل اور تغیر اور آیتوں کے اسقاط کے بیان کرنے والے پوچھ سکتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا تو کیونکر قرآن پاک کی اسقدر تعریف باقی رہگئی۔ رسولخداؐ کی ذات اور قرآن پاک دونوں خدا کی حفاظت میں تھے۔ گھر کو گھیر کر اوس پر قبضہ کر لیویں اوس کو خراب کرڈالیں۔ لیکن رسولخداؐ کو ذرا آنچ بھی نہیں لگنے پائی۔ اوسی طرح قرآن کو رد و بدل کردیں۔ سات قرأت سے قرأت واحد کرڈالیں۔ اسکی جلدوں کو آگ لگادیں۔ لیکن چونکہ خداوند عالم نے اسکی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے قرآن یعنی اصل قرآن ضایع نہیں ہو سکتا۔ مثال کے لئے ایک آیت قرآن کی اور ایک ذات محمد مصطفےؐ کے ساتھ کی پیش کرتا ہوں کہ جیسی یہ دونوں فرد رسولخداؐ اور اسلام کے لئے ضروری تھیں ویسے ہی کفار و منافقین کے لئے اونکو ضائع و برباد کرنا ضروری تھا مگر وہ محفوظ رہیں۔ جس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن کے کسی ضروری شے کو اہل غرض نہ بگاڑ سکے اور نہ غائب کر سکے۔ محمد مصطفےؐ کے ساتھ کی ایک ذات علی ابن ابیطالبؑ

کی ہے جس کا تلواروں کے نیچے سے صبح ہجرت محفوظ رہنا خدا کی قدرت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ وہ ذات ہے کہ اسی پر اسلام کا دار و مدار تھا جب تک یہ ذات دنیا میں نہ آئی اُس وقت تک رسولخداؐ کو تبلیغ اسلام کا حکم نہیں ہوا۔ جب حضرت بڑے ہو کر اس قابل ہو گئے کہ قریش کے سامنے اور سرداران بنی ہاشم کے مقابلہ میں رسولخداؐ کی تصدیق کر سکیں تو تبلیغ رسالت کا حکم ہوا اور چونکہ اس ذات سے اسلام کی بہت سی خدمتیں متعلق تھیں۔ شب ہجرت کفار کی خونی تلواروں کے نیچے سے خداوند عالم نے اسکو بچا لیا اور جب تک ضرورت تھی اسکو محفوظ رکھا۔

اسی طور سے قرآن پاک ہیں (جسمیں سے بقول اصحاب رسولؐ ستر منافقین کے نام مع ولدیت کے نکال دیئے گئے اور سورۃ الاحزاب کے دو سو آیتوں میں سے ایک سو ستائیس آیتیں غائب کر دی گئیں ادسیں) پورا سورہ تحریم اور پھر خصوصاً آیہ کریمہ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا (یعنی تم دو ازواج نبی یعنی حضرت عایشہ و حفصہ کے دل کج ہو گئے ہیں) کیسے باقی رہ گیا اور کیوں نہیں نکال دیا گیا۔ اسکو بھی میں مخصوص خداوند عالم کی حفاظت کا نمونہ سمجھتا ہوں جس سے میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ جو ضروری آیتیں تھیں وہ باوجود صریح اور صاف ہونے کے بھی قرآن میں باقی رہ گئیں اور اونکو کوئی مثل اور آیتوں کے نہ نکال سکا۔

اس امر کے واضح کرنے کے لئے کہ سورہ تحریم کے اور بالخصوص اسکے آیہ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا کے قرآن میں باقی رہ جانیکو حضرت علیؑ کے صبح ہجرت کی حفاظت کے برابر میں کیوں سمجھتا ہوں ضرور ہے کہ یہ عرض کر دوں کہ خداوند عالم نے سورہ تحریم میں حضرت عائشہ بنت ابو بکر اور حضرت حفصہ بنت عمر

جو رسولخدا صلعم کی ازواج تھیں اونکی رسولخدا صلعم کے خلاف سازش ۔ افشاء راز رسولخدا صلعم کی صحبت کا اونکے لیئے بے اثر ہونا وغیرہ ذکر فرمایا ہے اور آیہ فقد صغت قلوبکما کے ذریعہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم دونوں بیبیوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں ۔ واقعی جائے تعجب ہے کہ خلافۃ اول میں اس قدر اہتمام کیا گیا کہ قرآن کا جمع کرنا ایسے لوگوں کے ذمہ کیا گیا جو خلافۃ کے پاسدار تھے ۔ جنھوں نے منافقین کے نام نکال ڈالے ۔ اہلبیت کے اوصاف پر پردہ ڈالا ۔ سورہ احزاب تقریب قریب دو ثلث نکال ڈالا ۔ پھر کیونکر انھوں نے اس سورہ اور بالخصوص اوسکی آیہ مذکورہ کو باقی چھوڑا ۔ اس سورہ اور آیۃ کی اہمیت یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں کے اُلٹ پلٹ کرنے میں آیہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا کو ازواج کے متعلق کی آیتوں کے درمیان ڈالدیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ آیہ کریمہ واقعی ازواج نبی صلعم کی تعریف میں ہے اور اب بھی باوجود سورہ تحریم اور آیہ فقد صغت قلوبکما کے قرآن میں موجود ہونیکے بعض دلیری کرکے کہہ جاتے ہیں کہ آیہ تطہیر ازواج نبی صلعم کے بارہ میں ہے اولاد رسول صلعم کے متعلق نہیں ہے اور جب سورہ تحریم اور خصوصاً آیہ صغت قلوبکما اونکے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو تحریف معنوی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں مثلاً پوری آیہ یوں ہے ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما جسکا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم دونوں رسول صلعم کی بیبیاں توبہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔

اس ترجمہ کو غلط بتا کر اہل غرض نے اپنے ہم مشرب کو گمراہ کرنے کے لیئے یوں ترجمہ پیش کیا ہے "اگر تم دونوں اللہ کی طرف متوجہ ہو جسکی طرف البتہ تم دونوں کے قلب بہ رضا و رغبت جھک پڑے ہیں" ۔ یہ ترجمہ کرکے اونکی تعریف کیجاتی ہے جسکی مذمت کا خداوند عالم نے ارادہ کیا ہے ۔ ایسا ترجمہ کرنے والے کو یہ نہیں سوجھتا کہ سورہ تحریم میں مذمت ہے اور خداوند عالم کے خلاف کسی

کی تعریف کرنے سے کیا نتیجہ ملیگا۔ہاں اگر اونکی نجات اونکے ممدوحین کے ہاتھ میں ہے تو بیشک وہ اپنی کوشش کا پھل پاوینگے۔لیکن اگر وہ خداوند عالم سے نجات کے خواہاں ہیں تو یاد رہے کہ خداوند عالم کی مخالفت کرکے سوائے خسر الدنیا والاخرۃ کے کچھ بھی میسر نہیں ہوگا۔اس آیہ کریمہ کا جو غلط سلط ترجمہ کیا گیا ہے اوسکو لغت عرب کے محاورہ سے صاف کرنے میں مضمون عام فہم نہ ہوگا۔لہذا صرف اہل سنت والجماعۃ کے مستند ترجمے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ حق و باطل کی تمیز آسان ہو۔

(۱) ترجمہ مرزا حیرت صہ ۶۱۵ اے نبی کی دونوں بی بیو اگر تم اللہ سے توبہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ بیشک تمہارے دل کج ہوگئے ہیں۔

(۲) خانصاحب مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری کا ترجمہ صہ ۸۹۴ اگر تم دونوں خدا کے آگے توبہ کرو بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل سیدھے نہیں ہے۔

(۳) شمس العلماء، حافظ مولوی نذیر احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر کا ترجمہ صہ ۸۹۵ پیغمبر کی دونوں بی بیو اس حرکت سے خدا کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے کیونکہ تم دونوں نے کج رائی اختیار کی ہے۔

(۴) علماء و پیشوایان دین کی نظر میں سب سے بہتر اور مستند ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے بھتیجے اور شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی کے چچازاد بھائی عالم متبحر فاضل برتر امام المحدثین مقتداء المفسرین حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اوس کے صہ ۷۱۱ میں ہے۔اگر توبہ کرتی ہو تم دونوں طرف اللہ کے پس تحقیق کہ کج ہوگئے ہیں دل تمہارے۔

(۵) عالم متبحر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا ترجمہ مع آیت کے قبل اور بعد کے مضمون کے پس وقتیکہ خبر داد کرد آنرا بافشائے راز آن زن گفت کہ خبر داد

باین افشائے راز بیغبر فرمود خبر داد مرا خدائے دانا خبر دار۔ آے دو زن پیغمبر یعنی حفصہ و عائشہ اگر رجوع کنید بسوئے خدا خوش باشد ہر آئینہ کج شدہ است دلہائے شما و اگر باہم متفق شدید بر رنجانیدن پیغمبر پس ہر آئینہ خدا کارساز است الخ

غرض جو ترجمہ میں نے کیا ہے وہی مترجمان اہل سنت والجماعۃ کی ہر فرد کہتی ہے جس سے صاف رسولخدا کی دو بی بیوں کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ لہذا بر بنائے سورہ تحریم و آیہ مذکور کسی اہل غرض کو یہ کہنے کا موقع باقی نہیں رہتا کہ آیہ تطہیر ازواج نبیؐ کی شان میں ہے۔ لیکن سورہ تحریم سے چشم پوشی کرکے عوام کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ آیہ تطہیر ازواج نبیؐ کی شان میں ہے اور جب سورہ پیش کیا جاتا ہے تو یہ حیلہ کرتے ہیں کہ آیہ تطہیر سے عصمت مراد نہیں ہے۔ یا سورہ تحریم کی تحریف معنوی کرتے ہیں۔ لیکن اہل بصیرت اور اہل انصاف پر سورہ تحریم کی بدولت پوشیدہ نہیں رہتا کہ آیہ تطہیر ازواج نبیؐ کے متعلق نہیں ہے اور اسکے مصداق سوائے اولاد رسولؐ کے دوسرے نہیں ہوسکتے۔ پس جیسے کفار رسولخداؐ کو قتل نہ کرسکے اور صبح ہجرت سے جناب امیر علیہ السلام کو خداوند عالم نے محفوظ رکھا تاکہ کفار کو قتل کریں اوسی طور سے باوجود تبدیل۔ تغیر۔ اسقاط اسماء۔ حذف آیات خداوند عالم نے قرآن کو محفوظ رکھا اور خصوصاً سورہ تحریم مع آیہ صغت قلوبکما محفوظ رکھکر منافقین کے راز کو فاش کردیا اور پنجتن پاکؑ کی طہارت و عصمت کو ثابت و برقرار رکھا فللہ الحمد

الحاصل اس سورہ اور آیہ کی بقا سے میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ خود دشمنوں کے ہاتھ سے اونکی مذمت اور اولاد رسولؐ کی مدح کو خداوند عالم نے محفوظ رکھا تو پھر ہدایت کا کوئی دوسرا ضروری امر اس سے ضائع نہیں ہوسکتا اور ضرور خداوند عالم نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ المختصر اصحاب کے عمل اور اونکی اولاد

اور تابعین کے بیانات سے ثابت ہوا کہ خدا کا ارشاد حق تھا کہ یہ لوگ قرآن میں ردوبدل کرینگے اور مثل امم سابقہ تحریف کرینگے۔ اور اہل یورپ کے بیانات سے ثابت ہے کہ خداوند عالم نے اپنا وعدہ حفاظت پورا کیا اور جو کچھ بھی کارروائی صحابہ کی ہوئی اوسکو نقصان نہ پہونچا سکی۔ آیہ انا لہ لحافظون میں کہیں یہ شرط نہیں ہے کہ دو دفتیوں کے درمیان قرآن مجید محفوظ رہیگا۔ اگر ایسی شرط ہوتی تو خود رسولخداصؐ کے زمانہ میں قرآن دو دفتیوں کے اندر ہو جاتا اور حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان کو اسکے جمع کرنے کی تکلیف نہ گوارا کرنی پڑتی اور نہ وہ بیچارے تحریف کے ملزم بنتے جب رسولخداؐ کے زمانہ میں تختیوں۔ درخت کے پتوں۔ ہڈیوں اور حفاظ کے قلوب میں خداوند عالم نے قرآن کو محفوظ رکھا تو اب مصحف عثمانی اور تفاسیر میں پورا کا پورا قرآن محفوظ ہے۔

اسکی موجودہ حالت رسولخداؐ کے زمانہ سے بدتر نہیں ہے۔ قرآن کی ترکیب کا اولٹ پلٹ اور اسقاط اسمار ممدوحین و مقبوحین و حذوف دیگر مطالب کا علاج مفسرین نے کماحقہ کردیا ہے اونھوں نے بتادیا ہے کہ کون آیت کس موقع و محل کی ہے۔ کون آیت کس کے متعلق ہے اور شان نزول کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

الغرض جیسے کفار پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا جرم قائم ہوگیا اور رسولخداصؐ کو ستانے اور شب ہجرت قتل کا ارادہ کرنے کا الزام عائد ہوگیا اوسی طرح منافقین بھی قرآن کے متعلق تبدیل تغییر الفاظ اور اسقاط اسمار اور آیت کے ملزم ہوگئے۔ اور جیسے حضرت ابراہیمؑ و محمد مصطفےٰ صلعم کفار کے کید سے محفوظ رہ گئے اوسی طرح قرآن پاک منافقین کے کید سے محفوظ رہ گیا۔ فللہ الحمد۔

اب جب تفسیر قرآن کے مقصود کو صاف اور واضح کرتی ہے اور جن امور پر منافقین نے پردہ ڈالنا چاہا تھا وہ چھپ نہیں سکتے۔ تو اہل غرض اسکی تحقیر کے لئے اسکو روایت کا خطاب دیتے ہیں۔ یعنی جو بات تفسیر سے ثابت ہوتی ہے اوسکو کہتے ہیں کہ یہ قرآن سے نہیں ثابت ہوتی بلکہ صرف ایک روایت ہے۔ حالانکہ تفسیر اور روایت میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ روایت میں نہ زبان کی پابندی ہے اور نہ مضمون کی جس طرح کا مضمون انسان چاہے گڑھ لے اور رسولخدا کی طرف منسوب کردے جیساکہ بہتوں نے کیا ہے۔ لیکن قرآن کی عبارت کی ایسی کوئی عبارت نہیں لکھ سکتا اور نہ اوسمیں کچھ ملا سکتا ہے۔ پس قرآن کی عبارت کا معنی اور مفہوم البتہ سمجھانیکی ضرورت ہے۔ اور جو بھی اوسکے معنی اور مطلب کو بیان کرنا چاہے مجبور ہے کہ اوس کے مطالب سے بہت دور نہ جھکے۔ ہاں تفسیر میں بھی مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ ایسے موقع پر انسان کا فرض ہے کہ مختلف تفسیروں کو آیت اور سیاق کے ساتھ مقابلہ کرے اور بلا تعصب اور منصفانہ فیصلہ کرے کہ کون تفسیر قرین بمطالب قرآن ہے تو انشاء اللہ اوسکو حق ملیگا پس تفسیر صحیح جو بات ثابت ہوا قرآن سے اوسکو علیحدہ کہکر اور اوسکو صرف روایات کا ہم پلہ بتا کر اوس سے چشم پوشی کرنے اور اوسکے منصوص من اللہ ہونے سے انکار کرنے سے ایک بات بھی اسلام کی قرآن سے ثابت نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی حکم منصوص من اللہ کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً خدا کی تعریف لیس کمثلہ شیءٌ سورہ الشوریٰ میں ہے اور اوسکے ساتھ یہ تعریف بھی قرآن ہی میں ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ یعنی خدا کا ہاتھ اوسکے ہاتھ کے اوپر ہے۔ (سورہ الفتح) یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ یعنی جس روز پنڈلی کھول دی جائیگی (سورہ نون) صبغۃ اللہ خدا کا رنگ

(سورہ البقرہ) وغیرہ وغیرہ توجب تک ان آیتوں کے معنی تفسیر سے نہ بتائے جائیں اوس وقت تک خدا کی وحدانیت قرآن سے نہیں ثابت ہوتی وحدانیت کے اقرار کے بعد اول فرض نماز ہے وہ بھی بغیر تفسیر کے نہیں ثابت ہو سکتی کہ نماز کیا ہے اور کس طرح پڑھنا چاہئے۔ صوم اور کل احکام کی یہی حالت ہے۔

غرض میرے دعوے کا کہ میں اپنے مطالب کو قرآن سے ثابت کرتا ہوں اور احادیث و روایات سے کام نہیں لیتا۔ یہ مطلب ہے کہ قرآن اور اوسکی تفسیر سے اپنے دعوی کو ثابت کرتا ہوں۔ پس جیسے اللہ کی وحدانیت نماز و روزہ کا فرض ہونا وغیرہ قرآن اور اوسکی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے ویسے ہی میں اپنے دعوی اور مطالب کو قرآن اور تفسیر سے ثابت کرنا چاہتا ہوں اور اسمیں اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اور اوسی پر بھروسہ ہے۔

ہاں ناظرین سے بصد ادب عرض ہے کہ اگر میرا معنی اور مطلب اون کے خیال میں غلط نظر آوے تو صرف اوسکو غلط کہکر اکتفا نہ کریں۔ اوس کا صحیح ترجمہ مستند ترجموں سے جیسا میں نے پیش کیا ہے پیش کردیں اور جہاں میری نقل کردہ تفسیر سے اختلاف ہو وہاں کل تفسیر کو نقل کردیں اور جو تفسیر میرے خلاف اختیار کی جاوے اوسکی وجہ ترجیح بھی ظاہر کردیجاوے۔ صرف مبہم انکار اور اختلاف کرکے عوام کو دھوکہ سے محفوظ رکھا جاوے۔ ان دنوں جو اہلسنت والجماعۃ نے ترجمہ کیا ہے اور قرآن کا حاشیہ لکھا ہے وہ سب غلط یا تائید اپنے اعتقاد کے اور بیچارے عوام کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے ہے۔ لہذا حاشیہ اور ترجمہ جدید میرے مقابلہ میں نہ پیش کیا جاوے۔ بلکہ تفاسیر مستند و سابق جس پر کہ ایک حق کا متلاشی بھروسہ کر سکے اور دھوکہ

میں نہ پڑے وہ مقابلہ میں لایا جاوے۔
اس رسالہ کا موضوع آل اور اصحاب ہے۔ اصحاب کی تین فردیں یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اعلیٰ ہیں انھیں کو خلفاء راشدین کے خطاب سے ممتاز کیا گیا ہے اور انھیں کے پیرو اہلسنت والجماعۃ ہیں۔ جیسے اصحاب کی یہ تین اعلیٰ فردیں ہیں اوسی طرح آل کی تین اعلیٰ فردیں ہیں یعنی حضرت علیؑ و حسن و حسین علیہم السلام اور انھیں کے پیرو کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ انکے علاوہ آل رسولؐ ہونیکے شرف کے صحابیت کا شرف اس قدر گہرا ہے کہ یہ تینوں بزرگ پیدائش کے وقت اول اول چہرہ رسولِ خدا کا دیکھتے ہیں۔ رسولؐ کی گود میں پرورش پاتے ہیں۔ رسولؐ کی زبان چوس چوس کر بڑے ہوتے ہیں حیات رسولؐ میں کبھی حضرت سے جدا نہیں ہوتے۔ لیکن آل رسول ہونا منافقین کے خیال میں ایسا جرم قرار پایا گیا ہے کہ اگرچہ صحبت رسولؐ کے لحاظ سے ادنیٰ ادنیٰ لوگوں کو مستحق اعزاز و اکرام سمجھتے ہیں لیکن آل رسولؐ نہ آل ہونے کوئی عزت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں اور نہ صحبت رسولؐ کے لحاظ سے قابل احترام سمجھے جاتے ہیں بہرکیف میں اپنی زبان سے کسی فرد کی تعریف یا مذمت نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ جسکو قرآن پاک ہمارا ہادی بتاوے اوسکو اپنا ہادی قرار دیں اور انکے ایسی نماز پڑھیں اونکی ترکیب کا روزہ رکھیں اونکے حکم کے مطابق میراث تقسیم کریں۔
اور جنکی پیروی سے قرآن ہم کو منع کرے اون سے تبراء کریں ورنہ فتوحات کی جگمگاہٹ میں پڑکر اور قرآن کی آیات کی تاویل کر کے اپنا منگھڑت امام و ہادی بنالینے سے وہی نتیجہ ہوگا جو اوپر عرض ہوا کہ قیامت میں ایک دوسرے سے تبرا کرینگے اور کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور رسولؐ سے خداوند عالم فرمائیگا وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ یعنی میں تمہارے ساتھ تمہارے شفاعت کنندہ کو نہیں دیکھتا ہوں جنکو تم خیال کرتے تھے کہ تمہارے بارے میں وہ میرے

شریک ہیں اب تو تمہارے باہمی تعلقات منقطع ہو گئے اور جو کچھ تم خیال کرتے تھے وہ سب تم سے غائب ہو گئے (پارہ ۷ سورۂ انعام رکوع ۱۱) غرض اس عتاب سے بچنے کے لئے قرآن ہی سے امام و شفیع کی تلاش کرنی چاہیے اور اوسی سے دین حق بل سکتا ہے۔ سچے دین کی تعریف اور علامت خداوند عالم یوں بیان فرماتا ہے سورۂ الشوریٰ کے رکوع ۲ میں شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ یعنی اوس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کا حکم حضرت نوحؑ کو دیا تھا اور (اے رسولؐ) اسی کی ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی ہے اور اوسی کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا (وہ) یہ (ہے) کہ دین کو قائم رکھنا اور اوس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ یعنی فرقہ بندی نہ کرنا۔ پھر سورۃ النساء کے رکوع ۵ میں فرماتا ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ یعنی خدا تو یہ چاہتا ہے کہ قبل کے لوگ کے راستہ کو تم سے صاف صاف بیان کردے اور اوس پر تم کو چلاوے۔ اور تمہاری توبہ قبول کرے۔ خدا تو واقف اور حکمت والا ہے۔ اور خدا تو چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے۔ اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ (راہ حق سے) بہت دور ہٹ جاؤ۔

اب اگلے لوگوں کا راستہ اور وہ راستہ جس کی وصیت حضرت نوحؑ سے لیکر کل انبیاء کو کیگئی ہے کیا ہے اور اوسکی کیا شناخت ہے۔ اوس راستہ کی ایک بہت بڑی شناخت یہ ہے کہ اوسمیں رد و بدل نہیں ہے وہ ایک اصول یا وہ ہے جس کا راستہ ہے جسمیں تبدل اور تغیر نہیں ہوتا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۸ میں ہے۔ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا یعنی جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں انکا برابر یہی دستور رہا ہے اور جو دستور ہمارے ہیں اوسمیں تم تغیر تبدل نہ پاؤ گے۔ یہ

انبیاء کے متعلق آیت ہے اور سورۃ الاحزاب کے رکوع ۸ میں عام حکم ہے۔
سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا
یعنی جو لوگ پہلے گزر گئے ہیں اونکے بارے میں خدا کا یہی دستور رہا اور
تم خدا کے دستور میں ہرگز تغیر و تبدل نہ پاؤگے۔

غرض خداوند عالم کے قانون کی دو بہت بڑی شناخت قائم ہوئی۔ ایک یہ
کہ اوسمیں تبدل اور تغیر نہیں ہے۔ جو طریقہ حضرت نوح کا اور اونکی امت
نیکوکار کا تھا وہی کل انبیاء اور اونکی امت نیکوکار کے اعمال اور افعال
کا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ سچے راستہ کا پتہ اون انبیاء اور اونکی امت نیکوکار
کے اعمال و افعال سے ملیگا۔ لہذا دیکھنا چاہیئے کہ ان انبیاء نے اپنے
اصحاب اور آل کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے۔ اور ان دونوں فرد کے
مراتب کیا تھے۔ اور یہ کہ خداوند عالم نے رسولخدا ؐ کو اور آپکی امت کو ویسے
ہی عمل اور سلوک کا حکم دیا ہے یا اوسمیں کچھ ترمیم بھی کی ہے۔

جب اہل غرض یہ دیکھتے ہیں کہ ان دو اصول موضوعہ کے مقابلہ میں
اونکا مذہب جو ہر خلافت میں رنگ بدلا کیا ہے پاش پاش ہوجاتا ہے
اور فرقہ بندی ایسی کی ہے کہ خانہ کعبہ میں مقام ابراہیمؑ کے مصلے کو چھوڑ کر
تقسیم کر ڈالا اور چار مصلے الگ چار فرقوں کے لئے خانہ کعبہ اور بیت المقدس
میں قائم کردیا ہے۔ تو ان آیات ہی پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر
یہ صحیح ہے کہ خداوند عالم کے قانون میں تبدل اور تغیر نہیں ہے تو قرآن میں
اتنے ناسخ اور منسوخ کیوں ہیں اور خود سلسلۂ انبیاء کیونکر موقوف ہوگیا
غرض یہ کہ قرآن میں تحریف ہو تو ہو۔ اس میں اختلاف قبول و منظور۔
خانہ کعبہ اور بیت المقدس تقسیم ہوکر چار ٹکڑے ہوجائے تو ہوجائے لیکن

خلفاء کی خلافت پر کسی طرح دھبہ نہ لگے۔ بہر کیف سلسلہ انبیاء کے منقطع ہونیکی وجہ یہ ہے کہ کائنات کا کل سلسلہ منقطع ہونے والا ہے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ جو کچھ بھی دنیا میں ہے اوسکو فنا ہے۔ لہذا سلسلہ انبیاء فنا ہوا۔ اور قرآن میں ناسخ و منسوخ انسان کی تلون طبعی کی بنا پر ہوا کیا ہے۔ جب یہودیوں نے سرکشی اختیار کی تو بعض جانوروں کے گوشت اون پر حرام کر دیئے گئے تھے جس کا ذکر سورۃ الانعام رکوع ۱۸ میں ہے کہ خداوند عالم نے یہودیوں پر تمام ناخن دار جانور اور گائے اور بکری کی چربی حرام کردی تھی ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ یعنی یہ سب اونکی سرکشی کی سزا دی تھی۔ اوسی طرح امت محمدی پر رسولخدا صلعم سے سرگوشی کے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا۔ لیکن جب اصحاب نے رسول ہی کو اس کے ڈر سے چھوڑ دیا اور تبلیغ میں حرج ہونے لگا تو خداوند عالم نے صدقہ کے حکم کو منسوخ کر دیا اس سے اصحاب کی آزمائش منظور تھی جب امتحان کا نتیجہ ظاہر ہو گیا تو امتحان کی آیت منسوخ ہو گئی جس کا مفصل ذکر آتا ہے انشاء اللہ۔

اب میں انبیاء کی سیرت کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا ہے سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے اور کسی نبی کا ذکر حضرت نوحؑ سے پہلے قرآن پاک میں نہیں ہے۔ لہذا مجھکو حضرت نوح علیہ السلام کے اصحاب و آل سے اپنے مضمون کی ابتدا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت نوحؑ کے اصحاب کا ذکر بہت کم ہے۔ سورہ ہود رکوع ۴ میں ہے حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ یعنی جب ہمارا

حکم عذاب آپہونچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے جاندار
میں سے جوڑا جوڑا لے لو اور اپنے گھر کے لوگوں کو سوا ئے اون کے جنکے
بارے میں قبل ہی ہلاکت کا حکم ہو چکا ہے اور اونکو جو ایمان لائے ہیں۔
حالانکہ بہت کم لوگ ایمان لائے تھے۔

تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کشتی میں علاوہ ہر جانور کے جوڑوں کے حضرت نوحؑ مع اپنی مومنہ بی بی کے اور مومن اور نیکوکار اولاد یعنی تین بیٹے حام۔ سام۔ یافث مع اپنی بی بیوں کے اور بہتر ۷۲ مومنین کے سوار تھے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی اور رسول کی بی بی اور اولاد میں وہی اہلہ کہے جاتے ہیں جو مومن اور نیکوکار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بی بی اولاد اور اونکی بی بیوں سے جو مومن اور نیکوکار تھیں وہی سب کشتی میں سوار تھیں اور اونھیں کے واسطے خداوند عالم نے اَھْلَکَ کا لفظ استعمال کیا ہے اور دوسرے مومنوں کو اَھْلَکَ میں شامل نہیں کرتا بلکہ اُنکے واسطے مَنْ اٰمَنَ لایا ہے۔ یعنی دوسرے مومن۔ اور جو حضرت نوح کی اولاد نافرمانی تھی اوسکے بارہ میں فرمایا لیس من اهلك یعنی یہ لڑکا آپ کے اہل سے نہیں ہے۔ غرض نبی اور رسولؐ کے اہل ہونے کے لیے حسب نسب و قرابت کے ساتھ اہلبیت لازم ہے۔ اولاد اور بی بی اگر نافرمان ہوں تو وہ اہل نہیں کہے جاتے بلکہ وہ غرق ہوتے ہیں اور جو غیر خاندان کے لوگ ایماندار اور مومن ہوتے ہیں اونکو مومن اور امتی کہتے ہیں۔ اہلہ نہیں کہتے یعنی امتی نبی کے اہل نہیں کہے جاتے۔

اصحاب نوح کے بارہ میں صرف اس قدر ہے فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ

وَجَعَلْنَاهَا آیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی پھر ہم نے نوح اور اصحاب سفینہ یعنی کشتی والوں کو بچالیا اور اس واقعہ کو ساری خدائی کیلئے اپنی نشانی قرار دی (سورۂ عنکبوت ع۲) لیکن آپکے نیکوکار اولاد کے بارے میں یہ ارشاد ہے وَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ ۝ وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ یعنی ہمنے نوح کو اور اونکی اولاد کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور اونھیں کی اولاد کو برقرار رکھا اور بعد کے آنے والوں میں اون کا اچھا چرچا باقی رکھا۔

مگر اصحاب نوح جو مومن تھے اور طوفان سے محفوظ رہ گئے تھے اونکے واسطے آیندہ کا کوئی وعدہ نہیں کیا گیا۔ پس خداوندعالم نے اونکے بارے میں صرف یہ فرمایا کہ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْکِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ یعنی ہمنے حضرت نوحؑ کو اور اونکے ساتھ جو کشتی میں تھے بچالیا اور اونکو اگلوں کا جانشین بنایا لیکن جب خدا نے قوم نوح کو عزت اور سرداری دی تو بہک گئے اور پھر خداوندعالم کو حضرت نوحؑ کی ذریت سے پیغمبر بناکر اونکی ہدایت کیلئے بھیجنا پڑا۔ حضرت ہود حضرت نوحؑ کی نویں پشت کی اولاد تھے جن کا شجرہ یہ ہے۔ ہود ابن عبداللہ بن رباح بن الجلود بن عاد بن عوص بن ارم ابن سام بن نوح (تاریخ کامل طبع مصر جلد اصفحہ ۳۰) حضرت ہود کا اور حضرت نوحؑ کی قوم عاد کا ذکر سورہ الاعراف کے رکوع ۹ میں ہے۔

اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ×× وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَکُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ج فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ یعنی حضرت ہود نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پیغامات پہونچائے دیتا ہوں

اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ ..... اور یاد کرو جب اوس نے تمکو قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا اور تمہاری خلقت میں بھی زیادتی کردی تو خدا کی نعمتوں کو یاد کرو کہ تم دلی مراد پاؤ۔

لیکن یہ سب سمجھانا کچھ کام نہ آیا اور انکی حالت کو خداوند عالم سورہ حٰمٓ السجدہ کے رکوع ۲ میں یوں ارشاد فرماتا ہے فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً یعنی عاد نے تو یہ کیا کہ ناحق ملک میں لگے سختی کرنے اور کہنے لگے کہ قوت میں ہم سے بڑھکر کون ہے۔ اس سختی کا نتیجہ جو ہوا اوسکو خداوند عالم سورہ ہود کے رکوع ۵ یوں ارشاد فرماتا ہے وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ؁ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ؁ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؁ یعنی جب ہمارا حکم آپہونچا تو ہمنے ہود کو اور جو لوگ اونکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی مہربانی سے نجات دیا اور سب کو سخت عذاب سے بچالیا۔ یہ حالات قوم عاد کے ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں سے انکار کیا اور اوس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش دشمن کے حکم پر چلتے رہے۔ اور اس دنیا میں انکے پیچھے لعنت لگادی گئی ہے اور قیامت کے دن بھی۔ غرض قوم عاد جو سرکش اور جبار کی پیروی کرتے تھے وہ تباہ ہوئے اور اونکے پیچھے خداوند عالم نے اس دنیا میں بھی لعنت لگادی ہے اور قیامت میں بھی اون پر لعنت ہوگی۔ اور یہی سنت قدیم امت محمدی میں بھی جاری ہے۔

ان کے بعد قوم ثمود کیطرف حضرت صالح بھیجے گئے جو حضرت

نوح کی گیارہویں پشت میں تھے۔ صالح بن عبید بن آسف بن ماشیخ ابن عبید۔ بن جادر بن ثمود بن جاثر بن ارم بن سام بن نوح (تاریخ کامل جلد ا صفحہ ۱۳۱) سورۃ الاعراف رکوع ۱۰ میں یوں ہے وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ یعنی اور یاد کرو جب اوس نے تم کو عاد کے بعد خلیفہ بنایا اور تمہیں زمین میں اس طرح بسایا کہ تم ہموار اور نرم زمین میں محل اُٹھاتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور روے زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

آخر انکے بھی فساد کے نتیجے کو خداوند عالم سورہ حٰمٓ السجدہ کے رکوع ۲ میں یوں ارشاد فرماتا وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ یعنی ثمود کی ہمنے ہدایت کی لیکن اوتھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی پسند کیا آخر اونکے کاموں کی وجہ سے ذلت کے مہلک عذاب نے اون کو پکڑ لیا اور جو لوگ ایماندار اور پرہیزگار تھے اون کو ہم نے بچا دیا۔

انکے بعد قوم لوط کا ذکر ہے حضرت لوط ہاران ابن تارخ کے بیٹے تھے اس رشتہ سے وہ حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہوئے۔ دوسری روایت ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط حضرت لاحج کے نواسے اور خالہ زاد بھائی تھے۔ انکی قوم نے جب بدکاری شروع کی تو خداوند عالم نے حضرت لوط کو بھیجا کہ اون کی نصیحت کریں۔ اور جب وہ لوگ راہ راست

پرنہ آئے تو خداوند عالم نے اونکو تباہ کردیا جیسا سورہ العنکبوت رکوع ۴ میں ہے اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ۔ یعنی ہم آپکو اور آپکے اہل کو بچالیں گے مگر آپکی بی بی وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہوگی۔

جو فرشتے لوط کی بستی اولٹنے کے لئے بھیجے گئے تھے اون کا ذکر سورہ الحجر رکوع ۴ میں یوں ہے۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ۔ یعنی اونھوں نے کہا کہ ہم تو ایک گنہگار قوم کیطرف نازل کئے گئے ہیں مگر لوط کی اولاد کو اون سب کو ضرور بچالیں گے مگر اونکی بی بی جسے ہم نے تاک لیا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جائینگی اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے اہل سے مراد اونکی وہ اولاد اور ازواج ہیں جو نیکوکار ہوتے ہیں اور غیر نیکوکار یعنی بدکار اونکی اہلبیت سے خارج ہوتے ہیں اور آل سے مراد اونکی اولاد اخیار رہیں۔ اور غیر خاندان کے جو لوگ ایماندار ہوتے ہیں اونکو مومن اور ایماندار کہا جاتا ہے۔ آل یا اہل نہیں کہا جاتا۔ قرآن میں تعقل اور تدبر کرنے سے اور تفاسیر کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کو اپنے کنبہ اور قبیلہ ہی پر بھروسہ ہوتا تھا۔ اور اون کے قوم کے لوگ اگر ڈرتے تھے تو انبیاء کے کنبے سے یا اونکی ہدایت کیجاتی تھی تو انبیاء کی ذریت ہی کے ذریعہ سے چنانچہ جب حضرت شعیب اپنی قوم کی ہدایت کے لئے تشریف لائے تو قوم نے اونکی ہدایت کا کچھ خیال نہ کیا لیکن حضرت شعیب کے کنبہ سے ڈر کر اونکو ستا نہ سکے۔ چنانچہ سورہ

ہود رکوع ۸ میں ہے ویا قوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم ھود او قوم صلح ط وما قوم لوط منکم ببعید ہ ۔۔۔ قالوا یاشعیب ما نفقہ کثیرا مما تقول و انا لنراک فینا ضعیفا ولولا رھطک لرجمنک ز وما انت علینا بعزیز ہ

یعنی حضرت شعیب نے کہا کہ اے میری قوم کہیں میرے ساتھ تمہاری ضد تم پر وہی آفت نہ لاوے جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر لائی۔ اور حضرت لوط کی قوم کو تو تم سے بہت زیادہ دن نہیں گزرا۔ جواب دیا کہ اے شعیب جو تم کہتے ہو اس میں سے بہت باتیں ہم نہیں سمجھتے اور تمکو ہم لوگ اپنے درمیان کمزور پاتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو تم کو ہم لوگ سنگسار کر دیتے اور ہم کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔

دیکھا حضرت شعیب کے منکر بھی حضرت کے کنبہ ہی سے ڈرتے ہیں اور حضرت کو ان کے کنبہ کا رعب اور ہیبت سنگساری سے محفوظ رکھتا ہے۔

یہی حال ہمارے نبی کریم صلعم کا تھا کہ جب تک آپ کے ہمدرد چچا ابو طالب اور آپکی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ زندہ رہیں آپ مکہ میں جمے رہے اور قریش حضرت کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ لیکن جب ان دونوں نے انتقال کیا تو پھر حضرت کو مکہ میں پناہ نہ ملی اور ہجرت کر کے مدینہ جانا پڑا اور جو لوگ اسلام میں داخل ہو بھی چکے تھے وہ کچھ نہ بنا سکے۔ اور نہ حضرت رسولؐ کو ان پر کچھ بھروسہ ہوا۔

ایسا ہی خوف حضرت زکریا کو اپنی امت سے تھا کہ خداوند عالم سے دعا فرمایا وانی خفت الموالی من ورآءی وکانت امراتی عاقرا فھب لی من

لَدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا یعنی میں اپنے حوالی موالی سے اپنے بعد کے لئے ڈرتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے تو اپنے کرم سے مجھے ایک فرزند عطا کر جو میرا وارث ہو۔ اور یعقوب کی اولاد کا بھی وارث ہو اور اوسکو اے مالک اپنا پسندیدہ بنا (سورہ مریم رکوع ۱)

اولاً اس دعا میں حضرت زکریا اپنے اصحاب کو آل یا اہل نہیں کہتے بلکہ موالی کہتے ہیں۔ دوسرے اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے وارث بھی ہوتے تھے۔ اور وارث کی انبیاء کو آرزو ہوا کرتی تھی اور اپنے دین کی حفاظت کی امید اپنے ہی پرائے سے ہوتی تھی نہ کہ امتی سے۔ چنانچہ تجربتاً بھی یہ حضرت موسیٰ کے اصحاب کے عمل سے ثابت ہو گیا جسکا قصہ سورہ الاعراف کے رکوع ۸ اور سورہ طٰہٰ رکوع ۴۔۵ میں مذکور ہے کہ اگرچہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے طرح طرح کے معجزات دکھلائے۔ ہر طرح کی نعمت عنایت کی لیکن حضرت موسیٰ سے چند روز چھوٹنے پر آپ کے اصحاب نے گوسالہ پرستی شروع کردی اور ہر طرح کے وعدہ وعید کو بھلا دیا۔ اور جب حضرت ہارون نے اونکو روکنا چاہا تو اونکو قتل کرنے پر مستعد ہو گئے۔ جیسا کہ سورہ الاعراف میں ہے کہ حضرت ہارون نے کہا قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ یعنی اے میرے بھائی قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور کہنا نہ مانا بلکہ قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں۔ اور سورہ طٰہٰ رکوع ۵ میں ہے قَالَ یٰھٰرُوْنُ مَا مَنَعَکَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ۝ قَالَ یَابْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ج اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ - یعنی حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا کہ ہمارے اصحاب گمراہ ہو گئے تو میری پیروی میں اون سے قتال کیوں نہ کیا۔ تم نے میری عدول حکمی - کہا ارے بھائی میری داڑھی اور سر نہ پکڑیئے - میں تو یہ ڈرا کہ کہیں آپ یہ نہ کہئے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈالدی اور میری بات کا بھی خیال نہ کیا۔

ابنیاء کے ان چند نظائر سے صاف ثابت ہے کہ گرچہ ابنیاء کے اصحاب اور قوم ہی مومن ہوئے ہیں لیکن زیادہ تر وہ خطا کار ہوا کئے ہیں۔ اور اونکو کبھی نہ خداوند عالم نے اور نہ کسی نبی نے ہادی بنایا نہ دوسروں کو ہدایت کرنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اونکی سرداری کا بھی کہیں حکم نہیں ہے - وہ خود مومن رہیں اور ایمان پر باقی رہیں اور گمراہی میں نہ پڑیں یہی کافی ہے - اوس کے خلاف انبیاء کی اولاد - بھائی بند میں گرچہ بدکار پیدا ہوئے ہوں لیکن خدا نے ہدایت کی لئے انھیں کے کنبہ سے نبی - رسول - ہادی - اور سردار چنا ہے اور ان ہی کی معرفت خلق کی ہدایت کی ہے - چنانچہ سورہ الانعام کے رکوع ۱۰ میں حضرت ابرہیم حضرت اسحاق - یعقوب - نوح اون کی ذریت میں حضرت داؤد وسلیمان وایوب - یوسف وموسیٰ وہارون - حضرت زکریا - یحییٰ - عیسیٰ الیاس - حضرت اسمعیل - الیسع - یونس - لوط کا ذکر کر کے خداوند عالم ملخص اسطرح فرماتا ہے - وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ - یعنی اور سب کو سارے جہان پر فضیلت عطا

کی اور صرف ان ہی کو نہیں بلکہ انکے باپ داداؤں اونکی اولاد اور اونکے بھائی بندوں میں سے منتخب کیا اور انھیں سیدھی راہ کی ہدایت کی یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائی یہ سب ایک اصول کے تحت میں ہے اور وہ یہ ہے کہ اولاد کو جیسے اپنے باپ دادا کے مذہب اور خیالات کا پاس ہوتا ہے اونکے اصحاب اور یار کو نہیں ہوتا۔ اس اصول پر بعض اعتراض کرتے ہیں کہ پھر کیسے حضرت ابراہیم اپنی قوم سے الگ ہو گئے۔ کیسے رسولخدا صلعم نے اپنی قوم کے خلاف اپنا مذہب قائم کیا اور پھر کیسے حضرت نوح ع کا بیٹا گمراہ ہوا حضرت رسولؐ کا چچا ابولہب کافر مرا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ جسمیں مستثنیٰ نہ ہو۔ لہذا آل فرعون میں ایک مومن ہونیسے کل مومن نہیں سمجھے جا سکتے اور نہ اونکو سرداری مل سکتی ہے اوسی طرح حضرت نوحؑ کے ایک بیٹے کے گمراہ ہونے سے کل ذریت انبیاء پر کوئی داغ نہیں لگ سکتا اور نہ سرداری اون کے خاندان سے باہر جا سکتی ہے۔

سارے تواریخ عالم۔ قرآن وحدیث کو دیکھ جایئے کہ کسی امتی کے فرد کو کبھی ہادی بننے کی اجازت خداوند عالم نے نہیں دی اور نہ اونکے ذمہ ہدایت اور سرداری کیا ہے۔ مومن آل فرعون کا ذکر قرآن میں ہے۔ حضرت نوح کے اصحاب سفینہ کا ذکر ہے اور بھی مومنین کا ذکر ہے۔ لیکن خداوند عالم نے کسی کے ذمہ ہدایت خلق اللہ کی نہیں فرمائی ہے۔ پس ہدایت خلق اللہ کیلیئے خداوند عالم نے نبیوں کو خلق کیا اور اونکی ذریت کو اس کام کے لیئے منتخب کیا۔ اور وہی اسکے مستحق ہیں اور جب ہوا ہی تو اونھی کی قرابت سے سردار ہوے ہیں۔

اسکے بعد مسلمانوں نے ایک اور شگوفہ نکالا ہے کہ آل۔ اہل اور ذریت سے مراد اولاد انبیاء نہیں ہیں بلکہ انکے پیرو ہیں۔ غرض آل اور اصحاب کے جھگڑے کو اتنا فروغ دیا ہے کہ آل رسولؐ کو صحابیت کے درجہ میں بھی شمار نہیں کرتے۔ اوسپر سے اونکو آل کی خصوصیات سے خارج کرنا چاہتے ہیں آخر اس سے حاصل۔ اگر اورا بنیاء میں ایسا ہوا ہو اور خداوند عالم کو بھی یہ منظور ہو تو بیشک صراط مستقیم یہی ہے لیکن جب خداوند عالم آل اور ذریت کا ایک درجہ مقرر کرتا ہے اور امت اور اصحاب کا دوسرا درجہ تو اس کے خلاف کرنے سے خدا نہیں مل سکتا۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ اولاد بھی سرکشی کرنے سے اپنے خاندان سے خارج ہو جاتی ہے۔ جیسا اوپر عرض ہوا اور امتی نافرمان تو خارج ہی ہیں۔ گفتگو جو بھی ہے وہ درمیان آل واولاد مطیع اور اصحاب مومنین کے۔ کیا صرف صحبت کا فخر حسب نسب سے بڑھ سکتا ہے؟ جو رسولؐ کے حسب ونسب سے ہو اوس کے مقابلہ میں دوسرے کی صحبت کا کیا وجود اور مقابلہ ہے؟ آل واولاد کا خون۔ گوشت۔ پوست سب رسولؐ کے خون۔ گوشت۔ پوست سے ہے۔ وہ رسولؐ کی گود میں پرورش پاتے ہیں۔ بچپن سے رسولؐ کی تعلیم ان کے ریشہ ریشہ میں اثر کرتی ہے۔ بڑے ہوکر بھی جس قدر ان سے صحبت رہتی ہے اتنی امتی سے نہیں رہتی۔ پس آل اور اولاد کی فضیلت وصحابیت سے انکار کرنا اور امت کی صحابیت کو آسمان پر چڑھانا دین وایمان کا خون کرنا ہے چنانچہ قرآن پاک بھی مہاجرین اور انصار کی برابری اور مساوات بیان کرنے کے بعد ہر ایک کے لئے اونکے ذوی الارحام کی خصوصیت

اور افضلیت ظاہر کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الانفال رکوع ۱۰ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور
ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ملکر جہاد کیا وہ لوگ بھی تمہیں میں سے ہیں
اور صاحبان قرابت خدا کی کتاب میں باہم ایک دوسرے کے زیادہ
حقدار ہیں۔

اسی طرح کا حکم سورہ الاحزاب کے اول رکوع میں ہے ۱؎ غرض ایمان
کے اعتبار سے مومنین بھائی بھائی ہوں لیکن نسبی بھائی اون سے
افضل ہیں۔ اُسی طرح سبھی مومن جنتی ہوں لیکن کسی طرح رسولخداؐ
کی اولاد اور ذوی الارحام کے ہمسر نہیں ہو سکتے۔ وہ حسب و نسب میں
بہترین ناس ہیں۔ حسب و نسب کے افضل اور با اثر ہونے سے وہی انکار
کریگا جسکے ہادی اور رہنما اور بزرگ مجہول النسب اور مصداق اس شعر
کے ہیں ؎

چو اندر تبارش بزرگی نبود　　　　ندارست نام بزرگاں شنود

چنانچہ یہ اصول ایسا پختہ اور مضبوط ہے کہ اس کے خلاف قرآن سے
ایک ہی کی بھی مثال ایسی نہیں مل سکتی کہ کسی نبی کی امت اونکی ذریت
آل یا اہل کے لفظ کے ساتھ یاد کی گئی ہو یا اونکی اولاد سعید کسی امتی
کے ماتحت کی گئی ہو۔ جہاں بھی نبی کے ساتھ لفظ آل۔ اہل اور ذریت

۱؎ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ الآیہ اور رشتہ دار کتاب اللہ کی رو سے تمام مومنین اور مہاجرین سے
بڑھکر ایک کے حق دار ایک ہیں ۱۲

استعمال کیا گیا ہے وہاں انکی اولاد اور اہل خاندان مراد ہیں اور اونکے سوا دوسرا مراد نہیں ہو سکتا۔ زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لئے میرا رسالہ کحل الاعمی ملاحظہ ہو۔

اب مجھکو دکھلانا ہے کہ خود قرآن میں خداوند عالم نے ہمارے رسول ص کے اصحاب اور آل کے ساتھ کیا برتاؤ کرنیکا حکم دیا ہے۔ یعنی کس کی تقلید اور اطاعة کا حکم دیا ہے۔ اور کس سے منع فرمایا ہے۔

علاوہ اسلام قبول کرنے کے اول تعریف جو اصحاب کی ہے وہ اونکی ہجرت ہے جس کا ذکر سورہ التوبہ رکوع ۱۳ میں ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ یعنی اول جن لوگوں نے ہجرت کرنے میں سبقت کی اور انصار اولین یعنی جنھوں نے اہل مکہ کی نصرت و مدد کی۔ اور جنھوں نے اونکے ساتھ نیکی کی خدا اون سے راضی اور وہ خدا سے خوش۔ اور خدا نے اونکے واسطے باغ جنکے نیچے نہریں جاری ہیں تیار کر رکھا ہے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ انتہیٰ آیہ کریمہ میں خداوند عالم ہر ہجرت کرنے والے کے لئے یہ تعریف اور وعدہ نہیں کرتا بلکہ مہاجرین کے ساتھ دو صفت لگا دیتا ہے۔ یعنی اولیت کی اور سبقت کی۔ یعنی جن مسلمانوں نے اول ہجرت میں سبقت کی وہ مہاجرین حبشہ ہیں۔ یعنی جب کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور کفار قریش اونکو ستانے لگے اور رسولخدا ص کے پاس اونکی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا تو آپنے اونکو حکم دیا کہ حبشہ جہاں کا بادشاہ عیسائی

مذہب عادل و رحیم تھا وہاں ہجرت کر جاویں۔ چنانچہ بسرداری حضرت جعفر ستر آدمیوں نے ہجرت کی جو بنوت سے ساتویں سال واقع ہوئی۔ واقعی ان کے ایمان کی تعریف ہے کہ گھر بار چھوڑتے ہیں اور وہ رسولؐ جسکے ارشاد سے اپنے آبائی دین کو ترک کرکے اسلام قبول کیا تھا اونکے قدموں سے علحدہ ہونا پڑتا ہے اور اب حضرت رسولؐ کے حکم سے ہجرت کرتے ہیں وہ بھی کہاں؟ ایک غیر ملک۔ غیر مذہب والوں کے پاس۔ ابھی پر انکی مصیبت کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ کفار قریش نے عمرو عاص اور عمارۃ بن ولید کو اونکے تعاقب میں بھیجا۔ ان دونوں نے حبشہ پہونچکر بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ اون مہاجرین کو مکہ واپس کردیا جاوے۔ حضرت جعفر نے پوچھا کہ کیا وہ لوگ اونکے غلام ہیں؟ یا قرضدار یا کوئی خون کرکے آئے ہیں؟ ان دونوں نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے بلکہ ان لوگوں نے نیا دین بنایا ہے اور قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ بادشاہ نے حضرت جعفر سے پوچھا کہ کون سا دین ہے۔ آپنے فرمایا کہ خداوند عالم نے ایک رسولؐ بھیجا ہے۔ جو شرک ظلم خونریزی۔ زنا۔ سود۔ خون۔ سور کو حرام بتاتا اور اُن سے منع کرتا ہے۔ اور عدل۔ احسان صلہ رحم۔ نماز۔ زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا یہی حکم حضرت عیسیٰ کا ہے اور حضرت جعفر سے کہا کہ اگر قرآن کی آیتیں یاد ہوں تو پڑھو۔ آپ نے سورہ مریم پڑھنا شروع کیا اور جب اس آیت کے پاس پہونچے وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا یعنی اسے مریم کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تو پکے پکے تازے خرمے جھڑ پڑیں گے۔

تو بادشاہ زار و قطار رونے لگا اور کہا کہ یہی حق ہے۔ اور اسی کی طرف

ساتویں پارہ کی اول آیۃ میں اشارہ ہے۔ ان مہاجرین کی عظمت قدر اور شان اس سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ لوگ واپس آکر رسولخداؐ سے اوس وقت مدینہ میں ملے ہیں جب خیبر فتح ہوا تھا اور رسولخداؐ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کس چیز پر زیادہ خوشی کروں۔ فتح خیبر پر یا حضرت جعفر وغیرہ کے ہجرت حبشہ سے واپس آنے پر۔

اس ہجرت سے مقابلہ رسولخداؐ کے ساتھ ہجرت کرنے والوں کا نہیں ہوسکتا کیونکہ رسولخداؐ کے ساتھ سرداران مدینہ نے آکر بیعت کی ہے مدد و نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ اور سب مسلمانوں کو دعوت دی ہے۔ اور انھیں کیطرف السابقون الاولون من الانصار سے اشارہ ہے اوسکے بعد رسولخداؐ نے ہجرت مدینہ کا حکم دیا اور رفتہ رفتہ مسلمان مدینہ جانے لگے۔ سب کے آخر رسولخداؐ اور حضرت ابوبکر گئے اور بعدہٗ حضرت علیؑ رسول خداؐ کی امانت وغیرہ ادا کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ تیرہویں سال نبوت اور پہلے سال ہجرت کا ہے یعنی چھ برس بعد ہجرت حبشہ۔

غرض اس آیۂ مبارکہ میں جو کچھ وعدہ ہے وہ سب مہاجرین اولین اور سابقین کے متعلق ہے یعنی ہجرت حبشہ کے متعلق ہے نہ کہ مہاجرین مدینہ منورہ کے متعلق جن کی دعوت تھی اور وہ اوس جگہ جا رہے تھے جہاں مکہ کے مقابلہ میں اونکو زیادہ آرام کی امید تھی اور جہاں پہونچکر اون سے اور انصار سے بھائی چارہ قائم ہوا اور مہاجرین انصار کے گھر اور جائداد میں مثل نسبی بھائی کے شریک اور وارث بنگئے اور ذرہ برابر تکلیف نہ اوٹھانی پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ اس ہجرت کرنے

والوں کی تعریف بشرطہا و شروطہا قرآن پاک میں مذکور ہے۔ چنانچہ
سورہ الانفال رکوع ۱۰ ملاحظہ ہو وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا
لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت
کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور
اونکی مدد کی یہی لوگ سچے ایماندار ہیں۔ انھیں کے واسطے مغفرت اور
عزت کی روزی ہے۔ ایسی بہت سی آیتیں ہیں جن میں مدینہ کے ہجرت
کرنے والوں کے ساتھ شرط جہاد فی سبیل اللہ لگادیا ہے۔ یعنی صرف
ہجرت سے یہ مستحق تعریف نہیں ہوتے جب تک جہاد فی سبیل اللہ نہ کریں
اور کافروں کو قتل نہ کریں یا خود قتل نہ ہوجاویں۔

الحاصل اس آیہ مبارکہ کو اُن لوگوں سے سروکار نہیں ہے جن کے
متعلق اس آیہ کریمہ کو اہل سنت والجماعۃ بیان کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ توضیح
دیکھکر اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے معنی بدلنے کی کوشش کیجاوے اور
مطابق مشہور کے یہ کہا جاوے کہ مہاجرین اور انصار میں سے وہ لوگ مراد
ہیں جن لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی ہے اور اول ایمان لائے ہیں۔
تو خدا کے فضل سے یہ صفت بھی ممدوحین اہلسنت والجماعۃ پر صادق نہیں
آتی۔ آخر ایک وقت ۸۔۱۰ اشخص تو ایمان لائے نہیں۔ اوائل میں
ایک دو کیے بعد دیگرے ایمان لاتے گئے تو سابقون اولون کا شمار
کتنے نمبر تک ہوگا؟ صرف اول کے لئے یا دو۔ چار یا دس کے لئے۔ جو
کچھ بھی ہو انصار میں سے کون سابق الایمان ہے اس کا تو پتہ ہی نہیں ہے
اور نہ اون سے کام ہے اس لئے کہ بمقابلہ قرابت رسولخدا وہ لوگ خلافت

سے باز آئے اور اس جھگڑے سے اپنے کو علحدہ کر لیا تو پھر کس کو غرض تھی کہ اونکی کوئی فضیلت بیان کرتا۔ جو کچھ گفتگو ہے وہ ان سے ہے جنھوں نے قرابت رسولؐ کا دعویٰ کرکے انصار کو تو ساکت کیا اور خود خلافت کی ہوس اور دنیا طلبی میں رسولخدا کی ذریت سے طوطا چشمی کی۔ اور جو خود ذریت رسولخداؐ کے مقابلہ میں خلیفہ۔ امام۔ اور ہادی بن بیٹھے اور جنکی پیروی سے اسلام میں تفرقہ پڑ گیا اور جن کی خوشامد میں تعریف کا انبار لگا دیا گیا ہے یعنی مہاجرین مدینہ۔ تو ان میں ایمان لانے والوں سے اول حضرت علیؑ ہیں۔ کسی صحابی نامدار کا نام سابقین میں سوائے حضرت ابوبکر کے نہیں ہے۔ لیکن ان کے بارہ میں منجملہ اور روایات کے طبری نے یہ روایت لکھی ہے عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ اَکَانَ اَبُوْ بَکْرٍؓ اَوَّلَکُمْ اِسْلَامًا فَقَالَ لَا فَلَقَدْ اَسْلَمَ قَبْلَہٗ اَکْثَرُ مِنْ خَمْسِیْنَ وَلٰکِنْ کَانَ اَفْضَلَنَا اِسْلَامًا یعنی محمد بن سعد ناقل ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ لوگوں میں حضرت ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے تو اُنھوں نے کہا نہیں۔ اون سے قبل پچاس آدمیوں سے زیادہ اسلام لا چکے تھے۔ لیکن اون کا اسلام ہم لوگوں سے افضل تھا۔ (تاریخ طبری طبع مصر جلد ۲ صہ ۲۱۵)۔ غرض اس معنی سے بھی صحابہ کبار کو اس آیہ کریمہ سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا۔

دوسرے یہ کہ جنکے بارہ میں یہ آیہ کریمہ ہے خود اونمیں خداوند عالم استثنا کرتا ہے اور کل مہاجرین اور انصار کی تعریف میں نہیں ہے۔

چنانچہ یہ بات معلوم ہے کہ اہل مدینہ سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا تھا اور رسولخداؐ کو اور مسلمانوں کو دعوت دی تھی وہ سب انصار تھے۔

اونکے بارہ میں فوراً ہی مہاجرین کی تعریف کرنے کے بعد خداوند عالم فرماتا ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ یعنی اے رسول اعراب جو تمہارے ارد گرد ہیں اور خود اہل مدینہ سے کچھ لوگ منافق ہیں جو اپنے نفاق پر اڑے ہیں۔ تم اونکو نہیں پہچانتے لیکن ہم اونکو پہچانتے ہیں۔ اس کے بعد وہ گروہ جو نہ اعراب سے ہیں نہ اہل مدینہ سے۔ اونکا ذکر لفظ آخرون سے خداوند عالم فرماتا ہے۔

۱ وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ یعنی اور کچھ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے مگر ان لوگوں نے اچھے اور برے کام ملا جلا کر خلط ملط کر دیا ہے۔ قریب ہے کہ خدا اونکی توبہ قبول کرے۔ خدا تو یقیناً بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۲ وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ یعنی کچھ اور لوگ ہیں جو حکم خدا کے امیدوار کئے گئے ہیں خواہ اونپر عذاب کرے خواہ اونکی توبہ قبول کرے۔

یعنی ان دو گروہوں میں سے ایک کے بارے میں فرماتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اچھے کام اور برے کام میں خلط ملط کر دیا ہے اور اپنے گناہوں سے اعتراف کرتے ہیں تو خدا اونکی توبہ کو قبول کر لیگا اور اوسکے شرائط دیئے ہیں۔ اوسکے بعد دوسرے گروہ کا ذکر ہے جو حکم خدا کے منتظر ہیں خواہ خدا اونپر عذاب کرے خواہ بخشدے۔

الحاصل مہاجرین کے وصف میں جو آیت پیش کیجاتی ہے اولاً وہ مہاجرین اولین یعنی مہاجرین حبشہ کے متعلق ہے۔ دوسرے خود اوس آیہ کریمہ میں

کل مہاجرین اور انصار سے وعدہ نہیں ہے بلکہ مہاجرین اور انصار میں سے کچھ لوگوں سے وعدہ ہے۔ انصار کے متعلق تو صاف صاف ہے کہ بعض اہل مدینہ منافق ہیں جنسے اللہ واقف ہے اور مہاجرین کے متعلق کہ کچھ ایسے ہیں جنھوں نے عمل خیر کو عمل بد کے ساتھ خلط ملط کیا ہے اور وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں اون سے بھی وعدہ معافی کا ہے اور بعض ایسے ہیں جو خدا کے حکم کے منتظر ہیں۔ اللہ چاہے اونکو معاف کرے چاہے نہ معاف کرے۔ اور مہاجرین مدینہ منورہ کے متعلق یہ شرط ہے کہ صرف ہجرت کرنا کوئی بات نہیں ہے جب تک وہ مہاجرین جہاد فی سبیل اللہ نہ کریں اور کافروں کو قتل نہ کریں اور خود قتل نہ ہوں۔ بالآخر اگر مہاجرین کل کے کل جنتی بھی ہوں اور السابقون الاولون کی شرط غائب کر دیجائے اور جہاد فی سبیل اللہ کی شرط کو محذوف کر دیا جاوے تو جیسے مومن آل فرعون اور حضرت نوح کے اصحاب سفینہ کو دوسروں کی ہدایت کرنیکا عہدہ نہیں دیا گیا اسی طرح ان مہاجرین کو کسی کے ہادی ہونیکا حق نہیں ہے۔ اور انکی امامت و خلافت مانکر انسان خوشنودی خداوند عالم حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ کسی کے صرف جنتی ہونے سے یہ ضرور نہیں کہ وہ ہدایت کی بھی قابلیت رکھتا ہو بلکہ اسکے خلاف معلوم ہی کہ بہت سے گناہ گار توبہ کرکے جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ جیسا خداوند عالم سورہ آل عمران رکوع ۱۴ میں فرماتا ہے کہ "وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

فیھا لہذا اگر کسی کے سابق الایمان یا مہاجر ہونیسے خداوند عالم نے گناہوں اور آیندہ بدکاریوں سے چشم پوشی کرکے اپنی رضا اور جنت کا وعدہ کرلیا ہے تو وہ کسی کے ہادی کیونکر ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ میں دکھاؤں گا کہ جن اصحاب کی حضرات اہلسنت والجماعۃ تعریف کرتے ہیں اونکے عمل کیسے رہے ہیں اور جب جب امتحان ہوا ہے تو اونھوں نے کیا کیا ہے۔ اور جیسے کوئی توبہ کرکے خدا کی رضا اور جنت حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن وہ ہادی اور رہنما نہیں بن سکتا اوسی طرح ہجرت کرکے خدا کی رضا اور جنت حاصل کرنے سے کوئی ہادی اور رہنما نہیں ہوسکتا جب تک قرآن اسکی تصدیق نہ کرے۔

اسکے بعد دوسرا واقعہ غار کا ہے جس سے حضرت ابوبکر کی خصوصیت کے ساتھ فضیلت قائم کیجاتی ہے لیکن اسمیں بھی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ جیسے اور لوگوں کو رسولخدا نے مدینہ کی ہجرت کا حکم دیا تھا ویسا ہی حضرت ابوبکر کو بھی حکم تھا۔ اگر اتفاقاً ساتھ ہوگیا تو کوئی خاص تعریف نہیں ہے جیسا کہ تفسیر درمنثور امام سیوطی جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ میں ہے اور جسکی تصدیق امام احمد بن حنبل اور امام حاکم امام ترمذی و نسائی وغیرہ نے بھی کی ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنَ اللَّيْلِ لَحِقَ بِغَارِ ثَوْرٍ قَالَ وَاتَّبَعَهُ اَبُوْبَكْرٍ فَلَمَّا سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ خَلْفِهِ خَافَ اَنْ يَّكُوْنَ الطَّلَبُ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ اَبُوْبَكْرٍ تَنَحْنَحَ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَرَفَهُ فَقَامَ لَهُ حَتّٰى تَبِعَهُ فَاَتَيَا الْغَارَ ذٰلِكَ یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ جب رسولخدا رات کے وقت مکان سے باہر ہوئے اور غار ثور کے قریب پہونچے تو آپ کے پیچھے ابوبکر پہونچے حضرت نے جب آہٹ سنی تو خوف ہوا کہ کوئی پکڑنے والا تو نہیں ہے تو ابوبکر نے کھکھارا تو

تو حضرتؐ نے انکو پہچانا اور کھڑے ہو گئے اور دونوں ساتھ غار میں گئے۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ میں اپنے وعدہ کے خلاف احادیث کا ذکر کر رہا ہوں کیونکہ یہ عبارت آیہ غار ہی کی تفسیر ہے۔ لیکن اسپر بھی کوئی معترض کہے کہ میں نے وعدہ خلافی کی تو آیات قرآنی کے سوا روایت کے ذکر کرنے سے میرا صرف یہ مطلب ہے کہ جو لوگ خود موضوعات سے ایک طومار قایم کرتے ہیں وہ پرہیز کریں اور غلط بیانی سے کام نہ لیں۔ کہ حضرت ابوبکر خود رسولخداؐ کی ہجرت میں شریک مشورہ تھے۔ جب قریش نے حضرت رسولؐ سے مقاطعہ کیا تو اصحاب میں سے کس نے حضرتؐ کا ساتھ دیا جس پر رسولخداؐ اس موقع پر بھروسہ کرتے۔ اس مقاطعہ میں صرف بنی ہاشم آپ کے اہل خاندان نے آپ کا ساتھ دیا۔ اور تین برس تک شعب ابیطالبؑ میں رسولخداؐ کے ساتھ محصور رہکر طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں لیکن کسی صحابی یا مدعی اسلام نے ساتھ نہ دیا۔

آخر رسولخداؐ آدمی پہچانتے تھے حضرتؐ خوب جانتے تھے کہ کون اس قابل ہے کہ اوسپر بھروسہ کیا جاوے اور کون قابل مشورہ ہے۔ بھلا حضرت رسولخداؐ حضرت ابوبکر پر کیا بھروسہ کرتے جب خود خداوند عالم حضرت ابوبکر کی معیت کو رسولخداؐ کے لئے تکلیف دہ فرما رہا ہے۔ چنانچہ غار کا ذکر اور اوسمیں حضرت ابوبکر کی پریشانی۔ یا گریہ اور رسولخداؐ کا اونکو سمجھانا اوس موقع پر بیان کیا گیا ہے جہاں رسولخداؐ کے ساتھ جانے سے اصحاب انکار کرتے ہیں اور خداوند عالم رسولخداؐ کا اون سے استغنا بیان کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اوس نے رسولخداؐ کی کیسے کیسے موقع پر مدد کی ہے۔ سورہ التوبہ

کے رکوع ۶ کو ملاحظہ فرمائیے جہاں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے" اے ایماندارو تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف گرے پڑتے ہو۔ کیا تم عاقبت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہو۔ دنیوی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو خدا تم پر عذاب دردناک نازل کریگا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو لے آویگا اور تم اوس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم رسولؐ کی مدد نہیں کرتے تو کیا ہوا خدا نے اوسکی اوس وقت مدد کی جب کفار نے اوسکو گھر سے نکال باہر کیا اور پھر جب غار میں دو ہی شخص تھے اور رسولِ خداؐ اپنے ہمراہی کو (عوض اوس سے اطمینان حاصل کرنے کے) سمجھا رہے تھے کہ ڈرمت اور رنج نہ کر کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے تو ایسے وقت میں بھی خدا نے اوس پر سکینہ نازل کیا اور ایسے لشکر سے مدد کی کہ تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں اور خدا نے کافروں کی بات کو نیچا کر دکھایا اور خدا کا بول ہمیشہ بالا ہے"۔

دیکھئے یہاں قرآن کی آیت سے کوئی بھی مدح حضرت ابوبکر کی نکلتی ہے؟ بلکہ ان کے وجود کو خداوند عالم رسولؐ کے لئے ایک مخمصہ کیطرح ذکر فرماتا ہے کہ جب مکہ والوں نے رسولؐ کی ہجرت پر مجبور کیا تو خداوند عالم نے اوس کی مدد فرمائی اور جب غار میں تھے اور کفار تلاش کرتے ہوئے وہاں تک پہونچ گئے تو جو ایک ساتھی بھی تھے وہ خود گریہ وزاری کرنے لگے رسولؐ انکی مدد کیا کرتے۔ تو وہاں بھی خدا ہی نے ایسے لشکر سے رسولؐ کی مدد فرمائی کہ لوگوں نے اوسے نہیں دیکھا لیکن رسولِ خداؐ محفوظ رہے اور اللہ کا بول بالا رہا۔

غرض ایک بھی تعریف کا لفظ حضرت ابوبکر کی شان میں نہیں ہے اور نہ
انکے کسی قابل تعریف کام کا ذکر ہے۔ جو کچھ ذکر ہے وہ اونکی گھبراہٹ
اللہ کے وعدہ پر بے اعتباری۔ رسولخداؐ کا اونکو دم دلاسا دینا
پھر فوج ملائکہ سے رسولؐ کی امداد و کامیابی اور کفار کی ناکامی کا اگر
حضرت ابوبکر پر رسولخداؐ کو ذرا بھی بھروسہ ہوتا تو مکہ سے ہجرت ہی کیوں
کرتے؟ آخر حضرت ابوطالبؑ فرد واحد کے بھروسہ اور تقویت پر
رسولخداؐ تیرہ برس تک مکہ میں تشریف فرما رہے اور تبلیغ اسلام فرمایا
کئے لیکن اونکے انتقال کے بعد مکہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ لہذا یہ امر واضح
اور صاف ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کے مقابلہ اور درجہ کا ایک شخص بھی اسلام
میں نہ تھا جس پر رسولخداؐ بھروسہ فرماتے۔

ہاں قرآن میں جس شخص کی تعریف اس واقعہ ہجرت میں ہے وہ ان
الفاظ سے ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ یعنی لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا
کی خوشنودی کیلئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں
پر بڑا ہی شفقت والا ہے۔ سورہ البقرہ رکوع ۲۵

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوا ہے
جو فرش رسولؐ پر اپنی جان بیچکر سوئے اور رسولخداؐ کو موقع دیا کہ وہ
ہجرت کرجاویں۔ اب یہ اہل انصاف پر موقوف ہے کہ اس واقعہ میں حضرت
علی کو داد دیں جو اس جگہ سوئے جہاں تلواریں ننگی لیے ہوئے کفار قتل پر
آمادہ تھے یا اونکی تعریف کریں جو ہجرت کرکے وہاں سے محفوظ جگہ میں
رسولخداؐ کے ساتھ گئے۔ ہاں ایک فرق بین یہ ہے کہ حضرت ابوبکر جب

رسولخدا کے پیچھے آرہے تھے تو رسولخدا کو شبہ ہوا کہ کوئی کافر ہے اور جب کفار نے حضرت علیؑ کو فرش رسولؐ پر دیکھا تو گمان کیا کہ رسول استراحت فرما رہے ہیں اور تمام رات اوس فرش پر اور حضرت پر پتھر پھینکا گئے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں شک وشبہ کی بنا پر حضرت ابوبکر کی منقصت کرنی چاہتا ہوں۔ بلکہ یہ اصول ایک ولی اللہ نے فرمادیا ہے وَلِلْقَلْبِ اِلٰی قَلْبِیْ دَلِیْلٌ حِیْنَ نَلْقٰهُ یعنی جب کوئی مجھے ملتا ہے تو اُس کے قلب کی حالت مجھ پر عیاں ہوجاتی ہے۔ لہذا جب حضرت ابوبکر کے قلب کا پرتو رسولخدا کے قلب پر پڑا تو آپکو محسوس ہوا کوئی کافر ہے لیکن جب کھکھار نے کی آواز سنکر پہچانا تو جان گئے کہ یہ مُنہ بولا مسلمان ہے اور اس بنا پر آپ نے انکو نہ چھوڑا۔ اور اپنے ساتھ غار میں لیگئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمن انکو گرفتار کرلے۔ اور ڈر کر یہ حضرت راز فاش کردیں۔ یہ خیال کہ حضرتؐ نے اونکو شروع ہی سے ساتھ لیا اور انپر بھروسہ کرکے گھر سے نکل پڑے بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر کی کبھی یہ عادت ہی نہ تھی کہ خطرہ میں رسولخدا کا ساتھ دیتے جیسا کہ آیندہ آتا ہے۔ اور مُنہ بولے مسلمان کا ثبوت بھی قرآن سے حاضر کرونگا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے قلب کا پرتو جب کفار کے قلب پر پڑتا تھا تو وہ ہیبت وجلالت رسالت پناہی محسوس کرکے گمان کرتے تھے کہ رسولخدا آرام فرما رہے ہیں۔ یہاں جناب علی مرتضیٰؑ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ کا ثبوت دے رہے تھے کہ اے کفار ومنافقین دیکھو قرآن پر اعتقاد رکھو اور اسکی تصدیق کرو کہ جیسا خداوند عالم آیندہ بروز مباہلہ مجھکو نفس رسول فرمائیگا ویسا ہی اس وقت بھی میرے قلب کا پرتو

کفار کے قلوب پر پڑ رہا ہے اور وہ اس خیال میں رسولؐ کے تعاقب سے باز رہے۔

غزوات رسولؐ | ہجرت کے واقعات کے بعد غزوات رسولخداؐ ہیں جن کا مختصر ذکر اس رسالہ میں کرنا چاہتا ہوں تاکہ غلط سرائی کرکے کوئی کلام میں شبہہ نہ ڈال سکے۔ اور حق جُو کے لئے حق واضح ہو جاوے۔

۱۔ اول غزوہ بدر ہے جس کی خبر قرآن میں اس طور سے ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ یعنی یقیناً جنگ بدر میں خدا نے تمہاری مدد کی باوجودیکہ تم بالکل بے حقیقت تھے (سورہ آل عمران رکوع ۱۳) اس جنگ کے متعلق مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبیؐ جلد ا ط ۲۵ میں لکھتے ہیں کہ غزوہ بدر کے ہیرو علی ابن ابیطالب ہیں اور دوسرے اصحاب کا نام تک نہیں کہ انھوں نے کیا کیا سوا اسکے کہ جتنے کفار کو اکیلے حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا اُتنے ہی کفار کو باقی سب مسلمانوں نے ملکر قتل کیا۔

۲۔ اس کے بعد غزوہ احد ہے جو ۳ھ میں واقع ہوا۔ جس میں رسولخداؐ زخمی ہوئے اور کل اصحاب سوائے طلحہ اور سعد ابن ابی وقاص کے چلتے ہو گئے۔ دیکھو سیرۃ النبیؐ ط ۲۷ بحوالہ صحیح بخاری۔ مسلمانوں کے بارہ میں قرآن یہ فرماتا ہے اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور پھر کر بھی کسی کو نہیں دیکھتے تھے حالانکہ رسولخداؐ تمہارے پیچھے کھڑے تم کو پکار رہے تھے۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۶۔ یہ قرآن کی آیت ہے کہ اصحاب رسولؐ بھاگ کر پہاڑ پر

چڑھ گئے اور رسولخدا اونکو پکار رہے تھے لیکن وہ پھر کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ لہذا اس واقعہ میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا۔ اس شکست کا باعث بھی سن لیجئے۔ جیسا شاہ عبدالحق صاحب مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "پس استراز غلبہ کردند و اخیار ہمہ گریختند۔ الی ان قال۔ و بہ شومی و نافرمانی رسولخدا کہ از آنجماعۃ صادر گشت و طمع و میل حطام دنیاوی کہ بایشاں راہ یافت شکست بلشکر اسلام افتاد"۔ اس ہزیمت کا جو صحابہ کی طمع اور نافرمانی سے واقع ہوئی۔ نتیجہ پھر شاہ صاحب یوں لکھتے ہیں۔ "چو مسلمانان رو بہزیمت آوردند حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم را تنہا گزاشتند حضرت در غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت"۔ شاہ صاحب کے اس قول سے صحیح بخاری صاحب کے دو شخصوں کے بھی ٹھہرنے کا انکار ہے۔ بھاگنے والوں میں جن کا خصوصیت کے ساتھ نام ہے وہ یہ ہیں امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر اور علامہ نیشاپوری کی تفسیر غرائب القرآن میں بذیل آیہ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ یعنی وہ لوگ جو دونوں فوجوں کے مقابلہ کے وقت بھاگ گئے۔ یہ عبارت موجود ہے اِنَّ مِنَ المنهزمين عُمَرَ وَمِنْهُمْ عُثْمَانُ یعنی بھاگنے والوں میں عمر اور عثمان بھی تھے تفسیر درمنثور امام سیوطی میں خود حضرت عمر کا اقرار یہ ہے۔ عَنْ عُمَرَ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ اُحُدٍ هَزَمْنَا وَفَرَرْتُ حَتّٰى صَعِدْتُ الْجَبَلَ یعنی حضرت عمر فرماتے ہیں کہ یوم احد جب ہم لوگوں نے گریز کی تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ حضرت ابوبکر کا فخر یہ ہے کہ فرماتے ہیں قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنْصَرَفَ النَّاسُ يَوْمَ اُحُدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم وَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ جَاءَ یعنی بروز احد لوگ رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ

گئے تو وقت مراجعت میں سب سے اول آیا۔ تاریخ الخمیس ص ۱۴۳ مطبوعہ مصر۔ یعنی جیسا اسلام لانے میں اوّل تھے ویسا ہی فرار کے بعد واپس آنے میں اوّل تھے۔ اس جنگ میں حضرت علیؑ کی خدمت کا اعتراف مولوی شبلی صاحب یوں کرتے ہیں کہ دَل کا دَل ہجوم کرکے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ ص ۲۷۷

اور محدث دہلوی اور محدث شیرازی تحریر کرتے ہیں "آنحضرت صلعم نظر کرد و دید کہ علی ابن ابیطالب بر پہلوے مبارکش استادہ است فرمودہ چون است کہ تو بہ برادران خود ملحق نگشتی علی گفت ۱۱ کفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ۔ آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستیکہ مرا با تو اقتدا ست یعنی مرا بشما کار است با یاران و برادران کہ در پے غنیمت افتادند و ہزیمت نمودند چہ کار دارم"۔ دیکھا جس فرار کو جناب علی کفر تصور کرتے ہیں اوس پر صحابہ عمل کرتے ہیں۔

صحابہ کبار جنکے سر السبقون الاولون من المہاجرین کا سہرا باندھا جاتا ہے اونکا فرار صرف علی مرتضیٰؑ کے خیال میں کفر نہیں ہے بلکہ قرآن پاک نے حکم کو سن لیجئے کہ خداوند عالم سورۃ الانفال رکوع ۲ میں فرماتا ہے یَااَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ ہ وَمَنْ یُّوَلِّہِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰہُ جَہَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ یعنی اے ایماندارو جب تم سے کفار سے میدان جنگ میں مقابلہ ہو تو اونکی طرف پیٹھ نہ پھیرو۔ اور جو شخص اوس روز کفار کی طرف پیٹھ پھیریگا الآیہ کہ لڑائی کے واسطے کترائے یا کسی جماعۃ کے پاس موقع حاصل کرنے کے لئے جائے وہ خدا کے غضب

میں آ گیا اور اوس کا ٹھکانا جہنم ہے اور بُرا ٹھکانا ہے۔

اس ہزیمت میں جو مصلحتِ خداوند عالم مکنون تھی اوسکو سورۂ آل عمران کے رکوع ۱۷ میں ارشاد فرمادیا ہے وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یعنی جنگ اُحد کے روز جب جماعتیں آپسمیں گتھ گئیں تو جو مصیبت تم پر پڑی وہ خدا کے اذن سے تھی تاکہ خدا ایمان والوں کو ظاہر کر دے۔ اور منافقوں کو ظاہر کر دے۔

اب حضرت ابوبکر۔ عمر و عثمان جن کا نام خصوصیت کے ساتھ بھاگنے والوں میں ہے بحکم قرآن پاک مومن ثابت ہوئے یا منافق؟ یا کیا قرآن کی آیت غلط ہے اور منافقوں کی شناخت نہ ہوئی؟ کیا اس کے بعد بھی کوئی ایماندار ان لوگوں کو ولی اللہ کا خطاب دیکر پیشوا اور ہادی کہہ سکتا ہے؟ غرض اس واقعہ سے مثل روز روشن ثابت ہو گیا کہ بھاگنے والے سب منافق تھے اور جن بزرگ کی ذوالفقار کی ضربت سے کافروں کا دل کا دل پسپا ہو جاتا تھا وہ مومن صادق اور مصداق اس آیہ کریمہ کا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ یعنی بیشک خدا اُن لوگوں سے الفت رکھتا ہے جو اوسکی راہ میں اس طرح جم کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

دیکھا کہ جن حضرات نے ہجرت کرکے خدا کی خوشنودی حاصل کی اونھوں نے جنگ سے فرار کرکے اوس کو غضب سے بدل دیا اور جنت کے عوض جہنم کا ٹھکانا بنایا اور خداوند عالم نے بتلا دیا کہ مہاجرین میں منافق کون ہے اور حضرت علی تو اونکے فعل کو کفر ہی شمار کرتے ہیں۔ صحابہ کی پاسداری میں اور انکے

جرم کو خفیف کرنے کی غرض سے کہا جاتا ہے کہ کفار پہاڑ پر چڑھکر مسلمانوں پر پتھر برساتے تھے اور جب رسول بھی زخمی ہو کر گر گئے تب وہ تاب نہ لا سکے اور فرار کیا حالانکہ یہ افسانہ بالکل قرآن کے خلاف ہے اگر کفار پہاڑ پر چڑھکر مسلمانوں پر پتھر برسا رہے تھے تو پھر قرآن کیونکر کہتا ہے کہ مسلمان پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور اگر رسولخداؐ زخمی ہو کر گر گئے تھے تو قرآن کیونکر کہتا ہے کہ رسولؐ اونکے پیچھے سے پکارتے تھے اور وہ مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ غرض قرآن کے خلاف کسی کی تعریف کرنے سے وہ ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ بہرکیف منافقوں کو چھوڑ کر خداوند عالم نے اونکے قصور کو معاف کر دیا۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۶ میں فرماتا ہے وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اور تحقیق خدا نے تم سے درگزر کیا۔ لیکن اس معافی کی شرط اوسی سورہ کے رکوع ۱۴ میں خداوند عالم نے ذکر فرما دی ہے وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ قف وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ یعنی وہ لوگ جو بدکاری کر بیٹھتے ہیں یا آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہوں کا بخشنے والا کون ہے اور پھر جو کیا تھا اوس پر جان بوجھکر اصرار نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کی جزا اون کے پروردگار کیطرف سے بخشش ہے اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں کہ وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے اور اچھے عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے۔

دیکھا ایک مرتبہ توبہ اور مغفرت کے بعد شرط ہے کہ پھر وہ کام نہ کیا جاوے۔

اور توبہ کی شکست کے بعد پھر جہنم ہی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ ایک مرتبہ مغفرت اور بخشایش کے بعد اصحاب کبار کا کیسا عمل ہوا ہے۔

۳- اسکے بعد غزوہ خندق یا جنگ احزاب ہے جو ۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ جسکے متعلق خداوند عالم سورہ الاحزاب کے رکوع ۲ میں فرماتا ہے اِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا یعنی جس وقت وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے آپڑے اور تمہارے نیچے کیطرف سے بھی بل گئے اور جس وقت تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں اور کلیجے منہ کو آگئے تھے اور تم لوگ خدا پر طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے۔ یہاں پر مومنین کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے۔

اب دیکھنا ہے کہ اس امتحان میں کون کامیاب ہوا۔ مہاجرین اور اصحاب کبار کی جرأت کا نقشہ محدث شیرازی یوں کھینچتے ہیں۔ "یاران رسول ہمہ ایستادہ بودند وہیچ نمی گفتند کانما علی رؤسہم الطیر چہ دلاوری وشجاعۃ عمرو بن عبدود را امید انستند"۔ رسولخدا اصحاب کیطرف دیکھتے ہیں کہ کون اوس کے مقابلہ کی ہمت کرتا ہے۔

عمرو بن عبدود ادھر بار بار پکار رہا ہے کہ کون ہے کہ میرے مقابلہ میں آئے۔ رسولخدا اصحاب کیطرف دیکھتے ہیں کہ کون اوسکے مقابلہ کی ہمت کرتا ہے۔ اور یار لوگ سر جھکائے کھڑے ہیں جن کا نقشہ خود خداوند عالم یوں کھینچتا ہے فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ یعنی جب خوف کا

موقعہ آپڑا تو تم دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں اور انکی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی چھا جائے (سورہ الاحزاب رکوع ۲) آخر صحابہ کبار کا عار و ننگ جناب علی مرتضیٰؑ سے نہ دیکھا گیا آپ اُٹھ کھڑے ہوئے کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اسکے مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔ حضرت روکتے ہیں کہ تم کم سن ہو اور یہ تجربہ کار نوّے برس کا آدمی ہے۔ تم مت جاؤ۔ حضرت کا نقشہ خداوند عالم یوں کھینچتا ہے وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج یعنی جب ایمانداروں نے (کفار کے) جمگھٹوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی تو ہے جس کا خدا اور اوسکے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا اور اللہ نے اور اوسکے رسولؐ نے سچ کہا تھا۔ اور اونکا ایمان اور اونکی اطاعۃ اور بھی زیادہ ہو گئی۔ اور مومنین میں ایسے بھی مرد ہیں کہ انہوں نے وعدہ پورا کیا۔ (سورہ الاحزاب رکوع ۳)

آخر جب عمرو بن عبدود نے ان الفاظ سے مسلمانوں کو شرمایا کہ تحقیق میری آواز تم لوگوں کو ھل من مبارز پکارتے پکارتے تھک گئی۔ جب بہادر نامردی کر کے پیچھے ہٹتے ہیں تو میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا اور میں ہمیشہ معرکے میں دوڑ جایا کرتا ہوں۔ جوانمرد کے لئے سخاوت اور شجاعت بہت اچھی صفت ہے۔

اس پر پھر حضرت علیؑ نے اذن طلب کیا اور جا کر اوس ملعون کا سر گردن سے اوڑا دیا جسکے قتل ہوتے ہی کفار کا لشکر فرار کر گیا اور فتح حضرت علیؑ کے حصہ میں آئی۔

یہ ممکن نہیں کہ جو خدا شب ہجرت حضرت علیؑ کے صرف فرشِ رسولؐ پر سو رہنے سے آیہ قرآنی نازل کرے وہ ایسے ایسے موقعہ پر حضرت علیؑ کیطرف سے خاموشی اختیار کرلے۔ خداوند عالم نے ضرور آیت نازل فرمائی لیکن یاروں نے اوسکو حذف کردیا یا اوس سے علیؑ کا نام غائب کردیا۔ چنانچہ ابن طلحۃ الشافعی مطالب السؤل میں لکھتے ہیں:۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال کان یقرء وکفی اللہ المؤمنین القتال بعلی وکان اللہ قویاً عزیزاً (سورۃ الاحزاب رکوع ۳)

یعنی عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم اس طرح تلاوت کرتے تھے کہ لڑائی میں مومنوں کی اللہ نے علیؑ کے ذریعہ سے مدد کی اور اللہ غالب مہربان ہے۔ (ارجح المطالب ص۲۱۹)

اس وقت لفظ بعلی قرآن سے غائب ہے اور اُس کا بیّن ثبوت خود قرآن میں موجود ہے۔ سارا قرآن اُلٹ جائیے۔ جہاں بھی خداوند عالم نے کفی کا لفظ استعمال کیا ہے اوسکے لئے حرف صلہ ب ضرور لایا ہے۔ خود اپنی ذات جہاں مقصود ہے وہاں کفی باللہ یا کفی بہ۔ یا کفی بنا فرمایا ہے مثلاً کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْباً یعنی حساب لینے کو خدا کافی ہے (سورہ النساء رکوع ۱) کَفٰی بِہٖ شَہِیْداً بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ یعنی میرے اور تمہارے درمیان میں وہی گواہی کو کافی ہے (سورہ الاحقاف رکوع ۱) وغیرہ اور جہاں دوسری ذات مقصود ہے وہاں اوسکے ساتھ حرف ب لاہے۔ مثلاً کَفٰی بِجَہَنَّمَ سَعِیْراً یعنی جہنم کی دہکتی ہوئی آگ (سزا کیلئے) کافی ہے (سورہ النساء رکوع ۸) پھر دوسری جگہ ہے کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْباً یعنی آج اپنا حساب کرنے کے لئے تو آپ ہی کافی ہے (سورہ بنی اسرائیل

رکوع ۲) غرض ہر حالت میں کفی کے ساتھ حرف صلہ ب کا لانا ضروری ہے
لیکن جب کاتبین قرآن ایسے قابل تھے کہ اونکو لا و نعم کی تمیز نہ تھی اور
تذکیر و تانیث سے ناواقف تھے تو وہ بیچار حرف صلہ کیا جانیں حضرت
علیؑ کا نام حذف کرنے میں حرف صلہ کو بھی حذف کر دیا۔ اگر ب کو اللہ
کے ساتھ جوڑ دیتے تو یہ نحوی نقص قرآن میں نہ رہتا۔ لیکن اونکو کہاں تمیز۔
ہاں علیؑ کے ساتھ حرف ب کو بھی غائب کر کے حق جو کے لئے ثبوت باقی
رکھا ہے کہ قاعدہ دان بغیر کسی تفسیر و روایت کے کہہ دیگا کہ یہاں سے کچھ اور
یعنی اوس کا نام جسکے ذریعہ سے مدد کیا تھا وہ معہ حرف صلہ ب غائب ہے
اور وہ نام حضرت علیؑ کا ہے۔

غرض بعلی قرآن میں ہو یا نہ ہو یہ سب کو معلوم ہے کہ غزوہ خندق
میں خداوند عالم نے جو امداد کی وہ حضرت علی ہی کے ذریعہ سے تھی اور سوائے
حضرت علیؑ کے دوسرے کی تو ہمت بھی نہ ہوئی کہ کہتا میں عمرو بن عبدود کے
مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔ اور یہ غزوہ حضرت علیؑ ہی کے ہاتھ سے
فتح ہوا اور تمام واقعات حضرت عبداللہ بن مسعود کی تصدیق کر رہے ہیں
ہم۔ اس کے بعد غزوہ خیبر ہے جو سنہ ہجری میں واقع ہوا۔ اس مہم کے
پہلے خداوند عالم نے اصحاب کو متنبہ کر دیا تھا کہ مثل قبل کے ذرا فرار نہ کرنا
چنانچہ سورہ الفتح رکوع ۲ میں فرماتا ہے فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ اَجْرًا
حَسَنًا ج وَاِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ہ
یعنی اگر اطاعت کرو گے یعنی جنگ سے فرار نہ کرو گے تو خدا تم کو اچھا بدلہ
دیگا اور اگر جیسا تم پہلے پیٹھ پھرا گئے ہو ویسا اب بھی پیٹھ پھیرو گے
تو اللہ تم کو دردناک عذاب کی سزا دیگا۔ اور اسکے مقابلہ میں سورہ

الصف رکوع اول میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا کَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ یعنی خداوند عالم اون لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اوسکی راہ میں اس طرح صف باندھکر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔ یعنی خداوند عالم کا یہ حکم محکم ہے کہ جو جنگ سے فرار کریگا اوسکو دردناک عذاب کی سزا دیجائیگی۔ اور جو جم کر لڑیگا وہ اللہ کا محبوب ہوگا۔ مگر خدا ہزار سمجھاوے یار لوگ اپنی جان جوکھم میں ڈالنے والے کہاں۔ چنانچہ اس غزوہ کے متعلق مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی صفحہ ۳۵۶ میں یوں لکھتے ہیں کہ اس مہم پر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں جم سکے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے انکی نسبت بھی یہی شکایت کی۔ اب حضرت عمر کی تنہا شہادت مانی جاوے یا ساری فوج کے قول کو مانا جاوے۔ اس واقعہ کے متعلق امام نسائی خصائص میں لکھتے ہیں:۔

عن ابی بریدہ قال حاصرنا خیبر فاخذ الرایۃ ابوبکر ولم یفتح له فاخذ من الغد عمر فانصرف ولم یفتح واصاب شدۃ وجهد	ابوبریدہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے خیبر کا محاصرہ کیا تو حضرت ابوبکر علم لے کر گئے مگر فتح نہ کیا پھر دوسرے دن حضرت عمر علم لیکر گئے اور بغیر فتح کئے

واپس آئے اور شدید محنت و تکلیف اوٹھانی پڑی۔
امام المغازی ابن اسحق اپنی سیرت جلد ۱ صفحہ ۶۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

عن سلمه (بن الاکوع) قال بعث	سلمه سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا

رسول اللہ صلعم ابابکر الصدیق
بالرایۃ الی بعض حصون خیبر فقاتل
ولم یکن فتح لہ وقد جھد ثم بعث
الغد عمر بن الخطاب فقاتل ثم رجع
ولم یکن لہ فتح وقد جھد فقال
رسول اللہ صلعم لاعطین الرایۃ
غداً رجلا یحب اللہ ورسولہ
یفتح اللہ علی یدیہ کرار لیس بفرار

نے حضرت ابوبکر صدیق کو علم دیکر
خیبر کے بعض قلعوں کیطرف روانہ
کیا اور بہت کوشش کی مگر فتح نہ ہوئی
دوسرے دن حضرت عمر کو بھیجا انھوں
نے بھی کوشش بلیغ کی اور فتح
نصیب نہ ہوئی تو آنحضرتؐ نے
فرمایا کہ کل میں علم ایسے شخص کو
دونگا جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ
کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اوسکو دوست رکھتے
ہیں اوسی کے ہاتھ سے اللہ فتح دلوائیگا وہ حملہ کرنے والا ہے اور بھاگنے
والا نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کو علم عنایت ہوا اور حضرت نے مرحب کو قتل کیا
اور خیبر فتح کر کے رسولخداؐ کی پیشینگوئی کی تصدیق کردی اور یہ خطاب پایا
لافتی الا علیؑ لاسیف الا ذوالفقار اور دنیا کو دکھا دیا کہ محبوب خدا
کون ہے اور مغضوب اور عذاب دردناک کا مستحق کون ہے۔ اور اس
جنگ میں جن جن لوگوں نے دشمن کیطرف پیٹھ پھیری اور بھاگ آئے
اونکے عمل کو ارتداد کے ہم پلہ بتایا گیا ہے اور غالباً رسولخدا صلعم نے
اپنے کلام معجز بیان میں ذیل کے آیہ کریمہ کے مصداق جو لوگ ہیں اُنکی طرف
اشارہ فرمایا ہے۔ سورہ المائدہ رکوع ۸ میں ہے یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ
یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ
اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَآئِمٍ یعنی اے ایماندارو تم میں سے جب کوئی اپنے دین سے پھر جاویگا تو عنقریب خدا ایسے لوگوں کو لاویگا جن کو خدا دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ خدا کو دوست رکھتے ہیں جو منکسر اور کفار کے ساتھ سخت ہیں اور خدا کی راہ میں جہاد کرینگے اور کسی ملامت کرنے والے کی کچھ پروانہ کرینگے۔ اب آیہ کریمہ کو اوپر کے واقعہ سے منطبق کیجئے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جب حضرت ابوبکر اور عمرؓ کے بعد دیگرے جنگ سے فرار کرکے حدار تداد کو پہونچگئے تو خداوند عالم نے حضرت علیؑ کو بھیجا جو اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھتے تھے اور اللہ ورسولؐ ان کو دوست رکھتے تھے اور ایسا جہاد فی سبیل اللہ کیا کہ قلعہ خیبر فتح کرکے دم لیا اور جو ہمیشہ حملہ کنندہ ہے اور کبھی فرار کا عیب ان کو چھو بھی نہیں گیا۔ گویا رسو خداؐ نے حضرت علیؑ کے اوق اوصاف کا تذکرہ فرمایا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حضرت محبوب خدا اور اس آیہ مبارکہ کے مصداق ہیں اور کوئی دوسرا نہیں۔ کیا اب بھی پیٹھ پھیرنے والے مہاجرین کے صف میں باقی رہ جائیں گے یا حسب فرمودہ خداوند عالم منافق کہلائیں گے اور بھاگنے والوں کی صف میں داخل ہو کر مصداق باء بغضب من اللہ اور یعذبکم عذاباً الیما کے ہونگے؟ اس فرار کے بعد تو کوئی مغفرت کی خبر نہیں ہے۔ بہرکیف میں خود کوئی اپنی رائے نہیں دینا چاہتا۔ قرآن کی آیات کا تذکرہ کرکے واقعات کو عرض کئے دیتا ہوں اور ہر شخص اپنے ایمان کے مطابق فیصلہ کریگا دبس۔

۵۔ اسکے بعد جنگ حنین ۸ھ میں واقع ہوئی۔ اسمیں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار کہی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کثرت کو دیکھکر حضرت ابوبکر کو غرور ہوا۔ اور محدث شیرازی ۴۵۳ھ میں تحریر فرماتے ہیں "مردیست

کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد از وقوف بر عدد لشکر دشمن و کثرت اسلام گفت با پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امروز از جہت قلت مغلوب نخواہیم گشت ور دوایتے آنکہ ابوبکر صدیق این مقالہ را با سلمہ بن سلامہ بن وقش گفت و روایتے انکہ قائل این سخن سلمہ بود"۔

غرض حضرت ابوبکر کا یہ غرور خواہ رسولخدا صلعم سے ظاہر کیا ہو یا سلمہ سے وہ خداوند عالم کو پسند نہ آیا اور سورہ التوبہ رکوع ۴ میں ارشاد ہوا وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ یعنی جنگ حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت نے مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تمہیں کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے اس آیہ مبارکہ کے ماننے والے ہرگز اپنی کثرت اور اپنی گروہ کے بڑے ہونے پر نہیں اترائینگے اور نہ اس پر فخر کرینگے اور نہ کثرت کی بناء پر حق ہونیکا دعویٰ کرینگے - اب ذرہ بھاگنے والوں کی تفصیل دیکھنا ہے کہ وہ کون اصحاب تھے جنھوں نے دشمنوں کو پیٹھ دکھادی اور عذاب الیم کے مستحق ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ اِنْھَزَمَ الْمُسْلِمُوْنَ وَانْھَزَمْتُ مَعَھُمْ فَاِذَا بِعُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ فِی النَّاسِ فَقُلْتُ لَہٗ مَا شَاْنُ النَّاسِ قَالَ اَمْرُ اللّٰہِ۔

یعنی ابوقتادہ راوی ہیں کہ مسلمان پسپا ہو کر بھاگے تو میں بھی بھاگا تو حضرت عمر کو بھی بھاگنے والوں میں دیکھا پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے تو فرمایا کہ خدا کی مشیت۔

اب جب عام بھگدڑ ہے تو خاص خاص کا نام معلوم کرنا مشکل ہے۔ہاں کون

کون رسولخدا کے پاس رہ گئے تھے اس کے دریافت ہونے سے بھاگنے والونکا بھی پتہ ملجائیگا۔

سیرۃ حلبیہ میں ہے۔ لَمَّا فَرَّ النَّاسُ یَوْمَ حُنَیْنٍ عَنِ النَّبِیِّ صلعم لَمْ یَبْقَ مَعَہٗ اِلَّا اَرْبَعَۃٌ ثَلَاثَۃٌ مِنْ بَنِیْ ہَاشِمٍ وَرَجُلٌ مِنْ غَیْرِہِمْ علی ابن ابیطالب والعباس وابوسفیان بن حارث وابن مسعود یعنی جب بروز حنین لوگوں نے رسول اللہ کے پاس سے فرار کیا تو آنحضرت کے پاس سوائے چار شخصوں کے کوئی باقی نہ رہا جنمیں تین بنی ہاشم اور ایک غیر یعنی علی ابن ابیطالب۔ عباس۔ ابوسفیان بن حارث اور ابن مسعود تھے۔ دیکھا رسول کے محافظ زیادہ تر بنی ہاشم آپ کے اہل خاندان ہیں غیر شخص نہ غیر خاندان۔ اور یہی چار بزرگوار مثل بُنْیَانٌ مَرْصُوْصٌ کے جمے رہکر محبوب خدا ہو رہے تھے۔ بھاگنے والوں کی یہ حالت تھی کہ رسول اللہ پکارتے تھے اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ یعنی میں نبی ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں حضرت عباس پکار رہے تھے یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ یَا اَصْحَابَ الشَّجَرَۃِ یعنی اے گروہ انصار اے اصحاب شجرہ (یعنی بیعت رضوان والے) غالباً حضرت عباس کا بیعت رضوان کے ذکر سے یہ مطلب ہو کہ اے بیعت کرنے والو بیعت کا پاس کرو ورنہ اسکی فضیلت جاتی رہیگی۔

لیکن کوئی صاحب نہیں سنتے تھے اور اپنے نفاق کا ثبوت دے رہے تھے۔ بہرکیف رسولخدا صلعم مسلمانوں کو ہمت دلاتے ہوئے لشکر کفار میں گھس گئے اور مسلمان بھی ٹوٹ پڑے اور لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ ابن ہشام اور طبری ص۱۶۶۴ میں یہ تفصیل ہے۔

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیْ قَالَ بَیْنَنَا ذٰلِكَ الرَّجُلُ مِنْ هَوَازِنَ صَاحِبُ الرَّایَةِ عَلٰی جَمَلِهٖ یَصْنَعُ مَا یَصْنَعُ اِذْ هَوٰی لَهٗ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْطَالِبٍ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَرَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یُرِیْدُ اِنَّهٗ قَالَ فَیَاْتِیْهِ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْطَالِبٍ مِنْ خَلْفِهٖ فَضَرَبَ عُرْقُوْبَیِ الْجَمَلِ فَوَقَعَ عَلٰی عَجُزِهٖ وَوَثَبَ الْاَنْصَارِیُّ عَلَی الرَّجُلِ فَضَرَبَهٗ ضَرْبَةً اَطَنَّ قَدَمَهٗ بِنِصْفِ سَاقِهٖ فَانْجَعَفَ عَنْ رَحْلِهٖ

جابر بن عبد اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم پر اوس وقت قوم ہوازن کا علمبردار (عثمان بن عبد اللہ) سخت حملہ کر رہا تھا اور جو جو نقصان کر رہا تھا وہ ہمکو معلوم تھا علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری نے اوسکے قتل کا ارادہ کیا حضرت علیؓ نے اوسکے پیچھے سے آکر اوسکے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اونٹ پچھلے پیروں سے گر پڑا مرد انصاری نے آگے بڑھکر اوس کا کام تمام کر دیا۔

پھر تو جماعۂ کفار کی بھاگی اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں بھی پورا سما جنگ احد کا ہے کہ اصحاب کبار بھاگے جاتے ہیں اور رسولخدا پکارتے ہیں مگر وہ پھر کر بھی نہیں دیکھتے۔ وہاں تو خیر معافی کی خبر تھی۔ یہاں کیا ہوا۔ یہاں تو معافی کی کوئی خبر نہیں ہے۔ آخر خداوند عالم کتنی مرتبہ معاف کرے؟ خصوصاً جب کہ اوس نے جنگ خیبر اور جنگ حنین کے قبل اصحاب کو متنبہ کر دیا تھا کہ پہلے کیطرح اب بھی پیٹھ نہ پھرنا اور اگر پیٹھ پھیرا تو دردناک عذاب کی سزا ملیگی۔ تو کیا اب بھی پیٹھ پھیرنے کے بعد خداوند عالم کی خوشنودی باقی رہیگی؟ یا مبدل بعذاب ہو جائیگی ان واقعات کے ملاحظہ کے بعد لازم ہے کہ کوئی شخص دھوکہ نہ کھاوے اور جن لوگوں نے اپنے اعمال سے اور کردار سے خداوند عالم کو ناخوش کیا ہے اور

اسکے غضب میں آگئے ہیں اونکو ولی اللہ وغیرہ مان کر اپنی عاقبت کو خراب کریں۔ ہجرت اور بیعت رضوان کے بعد صحابہ کبار کی جو حالت جہاد میں ہوا کی ہے وہ مثل روز روشن کے اوپر کے واقعات سے ظاہر ہوگئی کہ ایک جنگ میں بھی اصحاب کبار کا ثابت قدم رہنا یا ایک کافر کو قتل کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ حضرات ہمیشہ احتیاط کرتے تھے کہ حملہ وغیرہ میں ہمیشہ کفار سے علحدہ مسلمان جانبازوں کے پیچھے اور بھاگنے والوں کے ساتھ یا اون سے دو قدم آگے ہیں۔ لیکن جب قیدی اور مجبور کو پاتے تھے تو حضرت عمر اون کو قتل کرنیکو البتہ رسولخداؐ سے اجازت طلب کیا کرتے تھے۔ لیکن ایسے غیر مہذب امر کے ارتکاب کی اجازت کیونکر ملتی۔ اس لئے آپکی تلوار رسولخداؐ کے زمانہ میں ہمیشہ پیاسی ہی رہی۔

۲۔ اب اصحاب کے دوسرے عمل خیر پر نظر کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی عمل انکا قابل تقلید ہے یا نہیں "اول اگر پرستش نماز بود" لہذا نماز کے متعلق سورہ الجمعہ رکوع ۲ میں ملاحظہ فرمائیے۔ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ یعنی جب لوگ تجارۃ یا کوئی کھیل دیکھتے ہیں تو اوسکی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور تمکو اے رسول نماز میں کھڑا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔ تم کہدو کہ جو چیز خدا کے ہاں موجود ہے وہ کھیل اور سودے سے بہتر ہے اور خدا سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

دیکھا یہ صحابہ کی نماز ہے کہ وہ اوس کو سودا سلف اور کھیل تماشے کے برابر بھی نہیں سمجھتے بلکہ کھیل تماشے اور سودا سلف کو نماز پر ترجیح دیکر اوسی کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق خداوند عالم

سورۃ الانعام رکوع ۸ میں فرماتا ہے وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشے کے برابر سمجھا ہے اور دنیا کی زندگی نے اونکو دھوکے میں ڈال رکھا ہے ایسے لوگوں کو چھوڑ دو اور انکی صحبت سے پرہیز کرو۔ پھر صحابہ جو نماز کو چھوڑ کر کھیل تماشے کیطرف چلے جاتے تھے اونکا دامن پکڑنے سے آپ کو کیا ملیگا؟ کیا ایسے صحابی کی تقلید اور اطاعۃ سے آیہ مذکورہ بالا کی مخالفت نہیں ہوتی ہے؟ اور کیا قرآن کے آیات کی مخالفت کرکے بھی آپ خوشنودی خداوند عالم کی امید رکھتے ہیں؟ این خیال است و محال ست و جنوں۔

آپ کہیں گے کہ آپ کے صحابہ ممدوحین ایسا نہیں کرتے تھے مگر قرآن مجید کی آیت نہ کسی کی تفصیل کرتی ہے نہ کسی کو مستثنیٰ کرتی ہے تو لامحالہ تفسیر کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ جسکو بعض لوگ روایات کا خطاب دیکر غیر معتبر کرنا چاہتے ہیں۔ بہرکیف میں تفسیر کو قرآن کے معنی کے حل کرنے کے لئے ضروری سمجھتا ہوں لہذا اوسکی طرف رجوع کرنیکی مخالفت نہیں کرتا۔ اور مان لیتا ہوں کہ بعض صحابہ مستثنیٰ تھے تاہم اس آیہ کریمہ کے دیکھنے کے بعد کیونکر کوئی مسلمان کل صحابہ کی تعریف و توصیف کرسکتا ہے اور کیونکر ہر صحابہ کی تقلید کرکے انسان خوشنودی خداوند عالم حاصل کرسکتا ہی لازم ہے کہ صحابہ مومنین اور صحابہ منافقین میں تمیز کیجائے۔

یہ صحابہ کی تقلید کا اثر ہے کہ خداوند عالم تو فرمادے قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ یعنی نماز اور اوس کا ثواب کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور آپ خداوند عالم کی مخالفت میں ہر صبح کو فرمائیں

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ یعنی نماز بس سونے سے بہتر ہے لیکن اشغال دنیوی سے بہتر نہیں ہے۔ اگر اس کا جواب کوئی یہ دے کہ صبح کے وقت چونکہ اکثر انسان سویا رہتا ہے اس لئے اہلسنت والجماعۃ نے یہ جملہ ایجاد کیا ہے تو واقعی اگر اونکے دل میں ایمان اور خدا کا خوف ہوتا تو ایسا جملہ ایجاد کرتے جس سے خداوند عالم کے کلام کی تصدیق ہوتی اور ظہر۔ عصر۔ مغرب وعشاء کے وقت جب انسان دنیاوی کام میں مشغول رہتا ہے تو قرآن کی تائید میں یہ پکارتے اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ اللَّھْوِ وَ التِّجَارَۃِ۔ لیکن دنیاداروں کا دل کب گوارا کرتا تھا کہ نماز کی یہ وقعت اور عزت کرتے کہ اوسکو دنیاوی شغل سے افضل بتاتے۔ وہ یہ نہیں کہ سکتے تھے کہ نماز کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ ہاں یہ کہیں گے کہ نماز سونے سے بہتر ہے یعنی صرف بیکاری اور مردہ کی شکل میں پڑے رہنے سے بہتر ہے۔ لیکن سودا سلف۔ کھیل تماشے پر اوس کو ترجیح نہیں ہے۔

ان کے خلاف شیعے نماز کی یہ قدر کرتے ہیں کہ ہر اذان میں پکارتے ہیں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ یعنی نماز بہترین عمل ہے اوس کے لئے تیار ہو۔ صحابہ کی نماز کا انکشاف کرکے اب ان کے ایمان کی جانچ یوتون الزکوٰۃ سے کرنا چاہتا ہوں۔ سورہ المجادلہ رکوع ۲ میں خداوند عالم فرماتا ہے

یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی اے ایماندار و جب پیغمبرؐ سے کوئی بات کان میں کہنی چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دیدیا کرو۔ یہی تمہارے واسطے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ پس اگر تمکو اس کا مقدور نہ ہو تو بیشک

خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔
اس آیہ مبارکہ کے بارے میں بھی تفسیر ملاحظہ فرمایئے کہ کسی صحابہ کبار یا صغار سے کسی نے بھی اس پر عمل کیا یا نہیں۔ قرآن پاک تو کہتا ہے کہ کسی صاحب نے اس پر عمل نہیں کیا اور اوسکے بعد ہی فوراً فرماتا ہے:۔
ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ط فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ہ یعنی کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ سرگوشی کے پہلے خیرات کرلو جب تم لوگوں نے تعمیل حکم نہیں کی تو خدا نے بھی معاف کردیا۔
دیکھا کہ رسول مقبولؐ سے سرگوشی کرنے کے لئے خداوند عالم نے ایک خفیف سا صدقہ مقرر کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرام اس صدقہ کی ڈر سے رسولؐ کی صحبت سے الگ ہو گئے۔ اور دس روز تک حضرتؐ کے پاس تک نہ آئے تو خداوند عالم نے مجبوراً اس حکم کو منسوخ کردیا۔ تو جو شخص کہ ایک خفیف صدقے کی ڈر سے حضرت رسولخدا صلعم کی صحبت چھوڑ کر الگ ہو جائے وہ کہاں کا سخی ہو سکتا ہے حالانکہ اس صدقہ کی مقدار پانچ آنہ سے زائد نہ تھی۔ ایسے ہی لوگوں کی شان میں خداوند عالم سورہ التوبہ رکوع ۱۰ میں فرماتا ہے۔ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ہ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ یعنی جب خدا نے اپنے فضل سے انھیں عطا کیا تو لگے آئیں بخل کرنے اور منہ پھیرنے تو اسنے اسکے خمیازہ میں اپنی ملاقات کے دن تک ان کے دل میں نفاق ڈال دیا اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے جو خدا سے خیرات کا وعدہ کیا تھا اسکے خلاف کیا۔

اور اس وجہ سے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ دیکھا بخالت کو خداوند عالم نفاق اور منافق کی ایک علامت بتاتا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کتنے صحابی منافق تھے۔ اس الزام کو یہ کہکر اٹھایا جا سکتا ہے کہ خداوند عالم نے اس موقع کے بخل کی معافی کی خبر دیدی ہے۔ اس لئے کہ ایک خاص وقت کے عمل کی معافی ضرور ہے لیکن صفت بخل سے براءت کی خبر نہیں ہے بلکہ سورہ محمدؐ رکوع ۴ میں خداوند عالم اوس کو یاد دلاتا ہے هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج فَمِنْكُمْ مَنْ يَّبْخَلُ ج یعنی تم لوگ وہی تو ہو کہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائے جاتے ہو تو تم میں ایسے بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ انھیں کے بارے میں شروع سورہ العنکبوت میں خداوند عالم فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ہ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ یعنی کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف یہ کہدینے سے کہ ہم ایمان لائے (یعنی منہ بولے مسلمان ہونے سے) وہ لوگ چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اور انکا امتحان نہیں لیا جائیگا۔ حالانکہ جو اون سے پہلے گزر گئے ہیں اون سب کا امتحان لیا ہے اور یقینی ہم اون کو پہچان لیں گے جو سچے ہیں اور یقینی اونکو پہچان لیں گے جو جھوٹے ہیں۔

اب ہر شخص اپنے ایمان سے فیصلہ کرے کہ جو لوگ منہ سے کہتے تھے کہ ایمان لائے یعنی منہ بولے مسلمان تھے لیکن ہر جہاد میں فرار کرتے تھے تھوڑے سے صدقہ کی ڈر سے دس روز تک اپنے کو رسولؐ کی صحبت سے محروم کرتے اور رسولخداؐ کی خدمت سے علحدہ ہو جاتے۔

نمازمیں رسولؐ کو کھڑا چھوڑ کر کھیل تماشے سودا، سلف کی طرف دوڑ جاتے وہ امتحان میں کیسے اُترے اور کیا خداوند عالم اون کا شمار صدیق یعنی سچوں میں کریگا یا کذاب یعنی جھوٹوں میں۔ آخران صحابہ کبار نے کسی امتحان میں بھی پاس کیا کہ نہیں۔ ہاں اگر پاس کیا تو اسمیں کہ رسولخداؐ حکم دیتے ہیں کہ اسامہ کے ساتھ مہم شام پر جاؤ اور نہ جانے والوں پر خدا کی لعنت کرتے ہیں اور صحابہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتے رسولخداؐ وصیت لکھنے کو کاغذ اور دوات طلب کرتے ہیں اور صحابہ کبار کہتے ہیں کہ ہم کو قرآن کافی ہے۔ آپکی وصیت کی حاجت نہیں ہے۔ اس سے واضح تر ثبوت صحابہ کے نفاق کا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ان واقعات کے معلوم کرنے کے بعد شاید ہی کوئی سمجھدار آدمی ایسے صحابہ کو مومن سمجھے اور اونکو سزاوار تقلید سمجھنا تو بالکل غیر ممکن ہے۔ انھیں کے بارے میں خداوند عالم سورہ محمدؐ رکوع ۳ میں فرماتا ہے فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۔ یعنی جب فرشتے انکی جان نکالیں گے تو اوس وقت اونکے آگے اور پیچھے مارتے جائیں گے یہ اس سبب سے کہ جس چیز سے خدا ناخوش ہو اوسکی تو یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور جسمیں خدا کی خوشنودی ہے اوس سے بھاگتے ہیں تو خدا نے بھی ان کے عمل کو اکارت کر دیا۔ دیکھئے اسلام و ایمان لانے کا ثواب اور ہجرت کا فخر سب بعد کے عمل سے اکارت ہو جاتا ہے۔ اب کون سا شرف باقی رہا جسکی بنا پر اونکو ہادی اور ولی العہد مانا جاوے؟

اس کے علاوہ خداوند عالم نے منافق کی ایک اور علامت بتائی ہے جو قیامت تک کے لئے معیار ہے اور وہ ایسی واضح ہے کہ اوسمیں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا اور نہ چھپ سکتا ہے۔

اوصاف مومنین سورہ التوبہ رکوع ۹	اوصاف منافقین سورہ التوبہ رکوع ۵
۱۔ المومنون والمومنت	۱۔ المنٰفقون والمنٰفقت
۲۔ بعضھم اولیاء بعض ج	۲۔ بعضھم من بعض
۳۔ یامرون بالمعروف	۳۔ یامرون بالمنکر
۴۔ وینھون عن المنکر	۴۔ وینھون عن المعروف
۵۔ ویقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ	۵۔ ویقبضون ایدیھم ط
۶۔ ویطیعون اللہ ورسولہ ط	۶۔ نسوا اللہ فنسیھم ط
۷۔ اولٓئک سیرحمھم اللہ ط ان اللہ عزیز حکیم	۷۔ ان المنٰفقین ھم الفٰسقون
۱۔ یعنی مومن مرد اور مومن عورتیں	۱۔ یعنی منافق مرد اور منافق عورتیں
۲۔ ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں	۲۔ ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں
۳۔ نیک کام کا حکم کرتے ہیں	۳۔ برے کام کا حکم کرتے ہیں
۴۔ برے کام سے منع کرتے ہیں	۴۔ نیک کام سے منع کرتے ہیں
۵۔ اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں	۵۔ اور اپنے ہاتھوں کو باندھتے ہیں
۶۔ اللہ اور رسول ص کی اطاعت کرتے ہیں۔	۶۔ یہ لوگ خدا کو بھول بیٹھے اور اللہ نے بھی ان کو بھلا ڈالا۔
۷۔ انھیں لوگوں پر خدا رحم کریگا بے شک خدا غالب حکمت والا ہے	۷۔ بے شک منافقین نافرمان ہیں

دیکھا منافق گرچہ باہم ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں اونکو

خدا ایک دوسرے کا بہی خواہ نہیں کہتا اسلئے کہ جو وہ کرتے ہیں یا ایک دوسرے کو مشورہ دیتے ہیں اوسمیں عوض فائدہ کے نقصان ہی نقصان ہے اوسکے خلاف مومنوں کو ایک دوسرے کا بہی خواہ کہا جاتا ہے۔ اب اس میں گفتگو ہے کہ کون امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے اور کون خلاف لیکن یہ تو بالکل واضح ہے کہ مومنین کی نماز اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں منافقین صرف ہاتھ باندھتے ہیں اور انکی نماز کا شمار نماز میں نہیں ہے کہ اونکو نماز کا قائم کرنے والا کہا جائے۔ ظاہر علامت ہاتھ باندھنے کی تو موجود ہے کہ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور نماز کے نہ ہونے کی دلیل اور زکوٰۃ میں بخل کا ثبوت اوپر دو آیات قرآنی سے دیا جاچکا۔ کہ نماز میں ایسا خضوع و خشوع ہوتا تھا کہ کھیل، تماشہ، سودا، سلف کی طرف دوڑ جاتے تھے اور سخی ایسے تھے کہ تھوڑے سے صدقہ کی ڈر سے رسولؐ کی صحبت ہی ترک کر دیتے تھے۔

عدم خضوع و خشوع کے علاوہ نماز کے باطل ہونیکی دلیل یہ ہے کہ اسمیں بہت سے امر میں رسولخداؐ سے مخالفت کی گئی ہے۔

اول رسولخداؐ سجدہ گاہ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ اب وہ سجدہ گاہ غائب ہے۔ چنانچہ بخاری کتاب الصلوٰۃ علے الخمرہ میں ہے:۔

ام المومنین حضرت میمونہ سے مروی ہے قالت یصلی علی الخمرہ یعنی فرمایا کہ رسولخداؐ خمرہ پر نماز پڑھا کرتے تھے۔

ترمذی میں ہے:۔ قالت عائشہ قال رسول اللہ صلعم نادلینی الخمرۃ من المسجد یعنی حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا

مسجد سے خمرہ لاکر دو۔

اب خمرہ کے معنی دیکھئے کہ کیا ہے۔ ارشاد الباری شرح بخاری میں قسطلانی نے ام المومنین میمونہ کی حدیث کی شرح میں لکھا ہے الخمرۃ بضم الخاء المعجمہ وسکون المیم سجادۃ صغیرۃ من سعف النخل وتر مل بالخیوط وسمیت خمرۃ لانها تستر وجه المصلی عن الارض ومنه جواز الصلوٰۃ علی الحصیر یعنی خمرہ کے معنی سجادہ صغیرہ یعنی خرمے کا چھوٹا سجادہ کھجور کے شاخ کا ڈوری سے بنا ہوا۔ اوسکو خمرہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ مصلی کے چہروں کو زمین سے چھپاتا ہے اور اسی وجہ سے چٹائی پر سجدہ کرنے کا جواز مستنبط کیا گیا ہے۔ نہایہ ابن اثیر جو لغت حدیث کی معتبر کتاب ہے اسمیں خمرہ کی نسبت لکھا ہے۔

کہ خمرہ کی مقدار منتج اسی قدر ہوتی ہے کہ جس پر مصلی سجدہ کر سکے اور خمرہ اس مقدار سے زیادہ نہیں ہوتا اور اُبی صحابی ایک کپڑہ پر خمرہ رکھکر نماز پڑھا کرتے تھے۔

هی مقدار ما یضع الرجل علیه وجهه فی سجوده ولا یکون الخمرۃ الا هذا المقدار ومنه کان ابی یصلی علی الخمرۃ یضعها علی الطنفسة

اب دیکھنا ہے کہ کس کا فعل ان احادیث کے مطابق ہے۔

تلخیص الصحاح جلد ۴ کتاب الطہارت باب الحیض میں ہے۔

خمرہ وہ چھوٹا حصیر ہے جو خرمہ کے پوست سے ہتھیلی کے برابر ہوتا ہے اور وہ یہی ہے جس کو ان دنوں شیعہ سجدہ کے لئے رکھتے ہیں۔

الخمرۃ حصیر صغیر من لیف اوغیرہ بقدر الکف وھوالذی تتخذہ الان الشیعة للسجود

اور جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب وقار الملک حیدر آبادی نے

لکھا ہے کان اُبیؓ یصلی علی الخمرۃ یضعہا علی الطنفسۃ اُبی رضؓ سجدہ گاہ پر نماز پڑھتے۔ اُسکو چادر پر رکھ لیتے۔ مترجم کہتا ہے میں بھی اکثر ایسا کرتا ہوں کہ جب فرش پر نماز پڑھنے کو کھڑا ہوتا ہوں تو ایک بوریئے کا ٹکڑا یا پنکھا سجدے کے مقام پر رکھ لیتا ہوں اگرچہ ہمارے مذہب میں کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ پر بہتر یہی ہے کہ مٹی یا بوریئے پر سجدہ کیجئے السجود علی الارض فریضۃ وعلی الخمرۃ سنۃ زمین پر سجدہ کرنا فرض ہے اور سجدہ گاہ پر سجدہ کرنا سنت ہے (انوار اللغۃ پارہ ۷ صـ ۱۲۲)۔ اس عبارت سے مٹی یا چٹائی پر سجدہ کرنے کا حکم تو نکلا رہا مولوی صاحب کا یہ قول کہ کپڑے پر سجدہ کرنا بھی جائز ہے تو اسکی کوئی دلیل آپ نے نہیں دی۔ لہذا اس کا باطل ہونا واضح ہے۔

غرض وہ سجدہ گاہ جس پر رسولخداؐ سجدہ کیا کرتے تھے اور اگر موجود نہ ہوتے تو مسجد سے منگا لیتے وہ ہاتھ باندھنے والوں نے غائب کر دیا ہے اور شیعے اوسکی پابندی کرتے ہیں۔

لفت

دوسری دلیل بطلان نماز کی یہ ہے کہ ہاتھ باندھنے والے بنجا رسول اللہ الحمد سے بسم اللہ کو غائب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ رسولخداؐ برابر سورہ الحمد کو بسم اللہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو اسکے پڑھنے کی تاکید کرتے تھے اور جو نہ پڑھتا تھا اوسکی نماز کو باطل فرماتے تھے۔ چنانچہ تفسیر در منثور علامہ سیوطی جلد ا میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأتم الحمد فاقرؤا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الخ یعنی رسولخداؐ نے فرمایا کہ جب تم الحمد پڑھو تو بسم اللہ الرحمان الرحیم

پڑھا کرو۔

پھر اوسی تفسیر میں ہے ان النبی کان اذا قرء وھو یوم النّاس افتتح بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی حضرت رسولؐ جب لوگوں کو نماز جماعۃ پڑھاتے تو سورہ کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے فرماتے تھے۔

پھر اوسی تفسیر میں ہے عن ابی ھریرۃ قال کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد اذ دخل رجل یصلی فافتتح الصلوۃ وتعوذ ثم قال الحمد للہ رب العلمین فسمع النبی صلعم فقال لہ یا رجل قطعت علی نفسک الصلوۃ اما علمت ان بسم اللہ الرحمن الرحیم من الحمد فمن ترکھا فقد ترک ایۃ فقد افسد علیہ صلاتہ یعنی حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت رسولؐ کے ساتھ مسجد میں تھا کہ ایک شخص نماز پڑھنے آیا تو اوس نے نماز اس طرح شروع کی کہ تکبیر الاحرام کہا پھر اعوذ باللہ کہا پھر الحمد للہ رب العالمین پڑھنے لگا۔ رسولؐ نے اسکو سنا تو فرمایا کہ اے شخص تو نے اپنی نماز کو کاٹ دیا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ بسم اللہ بھی سورہ الحمد کی ایک آیت ہے۔ تو جس شخص نے اسکو چھوڑ دیا اوس نے ایک آیت چھوڑ دی اوس نے اپنی نماز فاسد اور باطل کی۔

اس بدعۃ کے باقی کی بھی خبر اوسی تفسیر میں ہے عن معویۃ انہ قدم المدینۃ فصلی بھم ولم یقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم ولم یکبر اذا انحض واذا رفع فناداہ المھاجرون والانصار حین سلم یا معاویہ اسرقت صلاتک این بسم اللہ الرحمان الرحیم واین التکبیر۔ یعنی ایک دفعہ معویہ مدینہ میں آیا اور وہاں کے لوگوں کو نماز پڑھائی جسمیں نہ

بسم اللہ کہا اور نہ اوٹھتے بیٹھتے تکبیر کہی۔ پس جب سلام پھیر چکا تو مہاجرین اور انصار نے پکارا کہ اے معاویہ تو نے نماز میں چوری کی بسم اللہ الرحمن الرحیم کہاں ہے اور تکبیرات کہاں ہیں۔

غرض جسکی نماز میں سے سجدہ گاہ غائب بسم اللہ غائب اور تکبیرات غائب اوسکی نماز کیسی ہو سکتی ہے۔ پس سوائے ہاتھ باندھنے کے اور اونکو کچھ نہیں ملتا اور وہ علامت منافق کی ہے۔

یہ اوپر ثابت کر چکا کہ جیسے رسولخدا ص خمرہ یعنی سجدہ گاہ رکھتے تھے وہی عمل شیعوں کا ہے۔ اب یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ بسم اللہ اور تکبیرات کون کہتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری لکھتے ہیں عن مطرف قال صلیت أنا و عمران ابن الحصین صلوۃ خلف علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ فکان اذا سجد کبر و اذا رفع کبر و اذا نھض من الرکعتین کبر فلما سلم اخذ عمران بیدی فقال لقد صلی بنا ھذا صلوۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔

یعنی مطرف بیان کرتے ہیں کہ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علی ع کے پیچھے نماز پڑھی تو جب حضرت سجدہ کرتے تکبیر کہتے۔ جب سجدہ سے سر اوٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دونوں رکعتوں سے اوٹھتے تو تکبیر کہتے۔ جب حضرت سلام پھیر چکے تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ حضرت علی ع نے مجھکو رسولخدا صلعم کی نماز پڑھائی (صحیح بخاری پارہ ۴ کتاب الصلوۃ باب تکبیر و ہو ینھض صفحہ ۴۴۷ اور پارہ ۳ کتاب الصلوۃ باب اتمام التکبیر صفحہ ۴۳۵) اس واقعہ سے یہ بات مثل روز روشن کے واضح ہو گئی کہ رسولخدا ص کے نماز کی ترکیب پر حضرت علی علیہ السلام عامل تھے اور وہ ایسا مقررہ اور معروف طریقہ تھا کہ اون لوگوں کو جو خلافۃ

کے اثر سے بھولے ہوئے تھے دیکھتے ہی یاد پڑ گیا اور کہ دیا کہ یہ طریقہ رسولخدا کا تھا۔ اور یہ بالکل غلط ہے کہ رسولخدا صلعم طرح طرح سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ جنمیں سے ایک ایک طریقہ کو ائمہ اربعہ نے اختیار کر لیا ہے اور چاروں طریقے صحیح ہیں۔ ایسا قول صرف ہوا خواہان ائمہ اربعہ کا ہے جو اونکی پاسداری میں رسولخدا صلعم پر جھوٹ باندھتے ہیں اور خود حضرت کو بانی تفرقہ و فرقہ بندی ٹھہراتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

غرض یہ بالکل واضح ہو گیا کہ آل رسولؐ کے پیرو کی نماز یقیمون الصلوۃ کی مصداق ہوتی ہے اور اصحاب کے پیرو کی نماز یقبضون ایدیہم کی مصداق ہوتی ہے۔

یہاں یہ اعتراض نہ ہو کہ میں نے قرآن اور تفسیر چھوڑ کر حدیث اور روایات کی طرف رجوع کیا ہے۔ سجدہ گاہ کا تذکرہ واسجد واقترب کی تفسیر ہے۔ بسم اللہ کا تذکرہ قرآن کے ہر سورہ کے شروع میں جو بسم اللہ ہے اوسکی تفسیر ہے۔ اور تکبیرات کا ذکر وربک فکبر کی تفسیر ہے اور یہ کل امور نماز کے ارکان و جزو ہیں۔ اور یقیمون الصلوۃ کی تفسیر میں یہ کل داخل ہیں۔

عربی لغت سے ناواقف حضرات کہ سکتے ہیں کہ یقبضون ایدیہم سے صرف بخالت مراد ہے اور نماز میں ہاتھ باندھنا مراد لینا بالکل غلط اور شاعری ہے۔ اگر ایسا ہے تو جیسا مومنین کی ہر تعریف کے مقابلہ میں خداوند عالم نے منافقین کی ایک مذمت رکھی ہے ویسا ہی یقیمون الصلوۃ کے مقابلہ میں منافقین کیا کرتے ہیں۔ اور کون سا

جملہ خداوند عالم نے اون کے لئے رکھا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ مومنین کے یقیمون الصلوۃ اور یوتون الزکوٰۃ کے مقابلہ میں خداوند عالم نے ایک ہی لفظ ایسا تجویز کیا ہے کہ دونوں عمل خیر کا صرف جواب ہی نہ ہو بلکہ قرآن کی پیشینگوئی بھی ثابت کردے کہ مومنین کی یہ علامت ہوگی کہ وہ نماز قائم کرینگے اور زکوۃ دینگے اور اسکے مقابلہ میں منافقین کی یہ علامت ہوگی کہ وہ ہاتھ باندھا کرینگے۔ اور بوجہ مخالفت اونکی نماز کا شمار نماز میں نہ ہوگا۔ اور بوجہ ریا کاری یا جبری ہونیکے نہ اونکی خیرات کا شمار خیرات میں ہوگا۔ اگر یہ مراد نہ ہوتا تو یقبضون ایدیھم کی جگہ یبخلون کا لفظ صاف صاف استعمال کیا جاتا۔ اس لئے کہ قرآن پاک میں یقبضون اور اوسکے مشتق کو کہیں بھی بخالت کے معنی میں نہیں استعمال کیا ہے۔ جہاں بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے وہاں صرف باندھنا یا سمیٹنا مراد لیا ہے۔ مثلاً سورہ الملک رکوع ۲ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَھُمْ صٰفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ یعنی کیا اونھوں نے اپنے سروں پر چڑیوں کو نہیں دیکھا ہے جو پروں کو پھیلائے رہتی ہیں اور سمیٹ لیتی ہیں۔ سورہ الفرقان رکوع ۵ ثُمَّ قَبَضْنٰہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا یعنی پھر ہم نے سایہ کو تھوڑا تھوڑا کرکے سمیٹ لیا۔

سورہ الزمر رکوع ۷ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ اور قیامت میں ساری زمین اُسکی مٹھی میں ہوگی۔ سورۃ البقرہ رکوع ۳۲ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ یعنی اللہ ہی روزی میں تنگی کرتا اور وسعت دیتا ہے اور اوسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

اسکے خلاف بخل کے واسطے صاف یبخلون۔ بخلوا۔ بخل وغیرہ استعمال

کیا ہے اور بعض جگہ دوسرا لفظ استعارۃً بھی استعمال کیا ہے لیکن یقبضون یا اوس کا مشتق بخل کے معنی میں نہیں استعمال کیا ہے۔

لہذا ماننا پڑیگا کہ جو ترجمہ میں نے یقبضون ایدیھم کا کیا ہے کہ مومنین کے مقابلہ ہیں منافقین صرف ہاتھ باندھیں گے اور اونکی نماز کا شمار نماز میں نہیں ہے اور نہ اونکی دادودہش کا شمار زکوٰۃ وخیرات میں ہے صحیح ہے اور اسمیں کسی طرح بات بنانا یا شاعری نہیں ہے۔ اور ہاتھ باندھنا ایک ایسی واضح علامت ہے جسمیں کل منافق شریک ہیں۔ خواہ وہ ہاتھ ناف کے پاس باندھیں خواہ سینہ پر باندھیں۔ خواہ وسط شکم پر باندھیں۔

چنانچہ منافقین کی نماز اور دادودہش کے بیکار اور رائیگان جانیکی خبر قرآن پاک میں موجود ہے۔ سورہ التوبہ رکوع ۷ میں فرماتا ہے وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ یعنی منافقوں کی خیرات نہیں قبول کئے جانیکی اور کوئی وجہ نہیں ہے مگر یہ کہ ان لوگوں نے اللہ اور اوسکے رسولؐ کی نافرمانی کی ہے اور نماز کے لئے آتے ہیں تو الکساتے ہوئے اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو بددلی سے۔ لہذا انکی نماز اور خیرات دونوں نامقبول۔ علاوہ بددلی سے خرچ کرنیکے منافقین دکھلاوے کا بھی خیرات کرتے ہیں۔ مثلاً كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ یعنی مثل اوسکے جو اپنا مال دکھانے کے واسطے خرچ کرتا ہے (سورہ البقرہ رکوع ۳۶) وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ سورہ النساء رکوع ۶

اسلئے انکو بخیل کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ لہذا نہ اونکی سخاوت یعنی زکوٰۃ دینے اور خیرات کرنے کا ذکر کیا اور نہ اونکے بخل کا ذکر کیا۔ پس یقبضون سے بخل مراد لینا علاوہ محاورہ قرآن کے خلاف ہونے کے واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ اس کا معنی سوائے ہاتھ باندھنے کے دوسرا لینا بالکل غلط ہے۔

غرض مومنین اور منافقین کے اس مقابلہ سے خداوند عالم نے ظاہر فرمایا کہ مومنین نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور منافقین ہاتھ باندھکر کھڑے ہوتے ہیں اور اونکی نماز کا شمار نماز میں نہیں ہے اس لیے کہ اونکے ارکان میں رسولخداؐ کی مخالفت کیگئی ہے اور نہ اون کے مال خرچ کرنے کا شمار یوتون الزکوٰۃ میں ہے۔ اس لئے کہ اونکی خیرات اور زکوٰۃ فی سبیل اللہ نہیں ہے بلکہ دکھلاوے کی یا جبراً وقہراً ہے وبس۔

غرض جن اصحاب کی یہ حالت ہو کہ بے وجہ رسولخداؐ کی مخالفت کیا کریں۔ نماز میں سجدہ گاہ۔ بسم اللہ اور تکبیرات سے کسی کا کوئی نقصان نہ تھا اور نہ ایک پیسہ کا خرچ تھا اوسکو غائب کردیں تو پھر کیونکر خداوند عالم ایسوں کی سرداری یا رہنمائی پر راضی ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سورہ التوبہ کی اول دس آیتوں کو رسولخدا صلعم نے حضرت ابوبکر کو دیکر روانہ کیا کہ مکہ میں جاکر اہل مکہ کو سُنادیں تو خداوند عالم کو پسند نہ آیا۔ فوراً جبرئیل کی معرفت پیام بھیجا کہ ان آیات کو خود لیکر جاویں یا اوس کو بھیجیں جو آپ سے ہو۔ چنانچہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ رسولخداؐ نے فوراً حضرت علیؑ کو اپنے ناقہ پر سوار کرکے بھیجا کہ جاکر حضرت ابوبکر سے اون آیات کو واپس لے لیویں اور مکہ میں جاکر مجمع کفار

مشرکین میں پڑھکر سنادیں۔ چنانچہ جناب علی مرتضیٰ روانہ ہوئے اور اون آیتوں کو حضرت ابوبکر سے لے کر او نکو لوٹادیا۔ حضرت ابوبکر کو جو ذری سی یہ سرداری زندگی بھر میں نصیب ہوئی تھی اوسکے چھن جانے سے مہموم اور مغموم رسولخداؐ کی خدمت میں واپس آئے۔ اور پوچھا کہ یارسول اللہ آپ نے اپنے حکم میں کیوں تبدیلی فرمائی؟ ارشاد ہوا کہ خداوند عالم کا حکم آیا کہ ان آیات قرآنی کو میں خود جاکر پڑھوں یا وہ پڑھے جو مجھ سے ہو۔ لہذا میں نے علیؑ کو بھیجا جو مجھسے ہیں۔

اس واقعہ سے دو امر واضح ہوتا ہے۔ اول یہ کہ خداوند عالم کے نزدیک حضرت ابوبکر میں دس آیتوں کی بھی ابلاغ کی قابلیت نہ تھی پورا قرآن کون کہے۔ دوسرے یہ کہ خداوند عالم اصحاب میں اور رسولؐ کے اپنوں میں فرق کرتا ہے۔ اور رسولؐ کے اپنوں کا درجہ اصحاب سے اعلےٰ اور ارفع بتاتا ہے اور یہ کہ جو رسولؐ کے اپنے ہیں وہی تبلیغ وہدایت کی قابلیت رکھتے ہیں۔ دوسرے اس خدمت کے سزاوار نہیں ہیں۔ گویا کہ اس صورت سے خداوند عالم نے امت محمدی کو بتادیا کہ اصحاب رسول میں ہادی اور رہنما بننے کی قابلیت نہیں ہے اور تبلیغ کی اون میں لیاقت نہیں ہے۔ ان کاموں کے لئے رسول کے اہل خاندان ہی سزاوار اور موضوع ہیں۔

اب میں یامرون بالمنکر ینھون عن المعروف کو دیکھتا ہوں کہ کس فرقہ پر یہ صادق آتا ہے۔ جب رسولخدا صلعم مرض موت میں مبتلا ہوئے تو کاغذ و دوات طلب فرمایا کہ ایسی وصیت لکھدیں کہ پھر امت محمدی کبھی گمراہ نہ ہو۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں ایتونی بدوات

وَقِرْطَاسٍ اَکْتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا اَلعَدَیٰ اس فرمان کی مخالفت حضرت عمر اور اونکے ہمخیال نے زوروں میں کیا اور حضرت عمر نے جو کلمات ارشاد فرمائے وہ یہ ہیں اِنَّ الرَّجُلَ لَیَھْجُرُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ یعنی یہ شخص (رسول کو مجبور دیکھکر الفاظ تعظیمی وغیرہ سب غائب) ہذیان بکتا ہے ہم کو کتاب خدا کافی ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نہیں رسولخداؐ کی تعمیل حکم لازم ہے اور دونوں خیال کے گروہوں میں جھگڑا ہونے لگا تو رسولخداؐ نے یہ فرمایا کہ قوموا عنی ہمارے پاس سے نکل جاؤ اور ان کو باہر کر دیا۔ یہاں حضرت عمر اور اونکے ہم خیال اصحاب نے جو رسولخداؐ کی مخالفت کی اور رسولخدا کی آواز پر اپنی آواز بلند کی اس سے اونکی ہجرت اور اسلام لانے کی فضیلت باقی رہی یا سب اکارت ہوکر مصداق اس آیہ کریمہ کے ہوگئی:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی اے ایمان والو اپنی آواز کو رسولؐ کی آواز پر بلند نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو اون کے سامنے زور سے نہ بولو کہ تمہارے عمل سب اکارت ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ سورہ الحجرات رکوع ۱

اس موقع پر عموماً یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر وغیرہ نے رسولخداؐ کو وصیت لکھنے سے روک دیا تو دوسروں نے اور خصوصاً حضرت علیؑ نے کیوں تعمیل حکم کی نہ کی اور دوات و کاغذ حاضر کرکے وصیت کیوں نہیں لکھوائی۔ یہ اعتراض تو خود رسولخداؐ پر کیجئے کہ جب آپ نے

اصحاب نافرمان کو توموا عنی کہکر گھر میں سے نکلوادیا توجو لوگ مطیع رہ گئے تھے اون سے دوات و کاغذ طلب فرماکر کیوں نہیں وصیت لکھ ڈالی۔ سبحان اللہ وصیت لکھنا منظور ہو امت کے لئے تاکہ وصیت پر عمل کرے اور امت کے انکار کے بعد دوسرے سے اوس وصیت کے ذکر کا کیا فائدہ ہے۔ جن لوگوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ رسولخدا کا ارادہ تھا کہ اس وصیت میں حضرت علیؑ کی خلافت قلمبند کردیں۔ اس لئے کہ اسکے قبل جو بھی کارروائی آپ نے فرمائی تھی وہ سب زبانی تھی مثلاً آیہ انذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل میں جو حضرت علیؑ سے معاہدہ وزارت اور خلافۃ کا ہوا تھا۔ غدیر خم پر یاایھا الرسول بلغ کی تعمیل میں جو رسولخدا نے فرمایا تھا کہ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ یہ سب زبانی تھا اور لکھنے کی نوبت نہ آئی تھی اور حضرت کو خوف تھا کہ منافقین امت ان سب معاہدہ اور فہمائش کو بالائے طاق رکھدینگے لہذا ارادہ فرمایا کہ اس امر کو قلمبند فرماکر ہر طرح کی رفع حجت فرماویں لیکن اس ارادہ کو سمجھنے کے ساتھ ہی نفاق کھل پڑا اور قریب تھا کہ حضرت اگر کتابت وصیت پر اصرار فرمائیں تو ارتداد بھی ظاہر ہوجاوے اور تیئیس ۲۳ برس کی محنت سے جو اسلام قائم کیا تھا وہ بالکل غائب ہوجائے لہذا حضرت نے صبر کیا اور وما علینا الا البلاغ پر عمل فرمایا۔ اسکی مثال یوں سمجھئے کہ صلح حدیبیہ کے روز جب حضرت علیؑ نے فریقین معاہدہ کا نام لکھتے ہیں رسولخداؐ کے متعلق ارقام فرمایا محمد رسول اللہ تو کفار نے انکار کیا کہ ہم اونھیں رسول نہیں مانتے محمد ابن عبد اللہ لکھا جاوے

تو عوض اسپر اصرار کر کے کشت و خون کرنے کے رسولخداؐ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دیا اور ابن عبداللہ لکھدیا۔ اس فعل سے نہ تو دل کی رسالت میں نقص ہوا اور نہ اوسپر کوئی اعتراض ہے۔ تو اگر امت کا رنگ دیکھکر حضرت رسولخداؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق وصیت کرنے سے صبر کیا تو اسپر کیا اعتراض ہے۔ نہ آپ نے اپنی رسالت کے اقرار پر کسی کو مجبور کیا اور نہ حضرت علیؑ کی وصائت اور خلافت پر کسی کو مجبور کیا حکم خدا سنادیا جس نے مانا وہ جنتی ہوا جس نے انکار کیا وہ جہنمی ہوا وبس۔ اس کے علاوہ فدک کے ہبہ نامہ کا کیا نتیجہ ہوا جسکی بنا پر جناب سیدہ نے دعویٰ کیا اور حضرت علیؑ حسنین علیہم السلام و جناب ام سلمہ نے گواہی دی۔ جیسے اس کو حضرت عمر نے چاک کردیا ویسا ہی وہ وصیت نامہ جو تنہائی میں لکھا جاتا چاک کردیا جاتا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسی مرض کی حالت میں رسولخداؐ نے ایک لشکر کو جسکی ماتحتی حضرت اسامہ ابن زید تیار کیا اور حضرت عمر اور ابوبکر وغیرہ کو اوسکی ماتحتی میں مہم شام پر جانیکا حکم دیا۔ لیکن یار لوگ نہ گئے۔ اور وہ کیونکر جاتے دنیا کو معلوم ہے کہ جب کسی بادشاہ یا رئیس کا آخری وقت یہ سمجھتا ہے تو اوس کا ولیعہد موجود رہتا ہے اور ولیعہد کہیں چلا گیا ہو تو اوس کو واپس بلانے کے لئے ہر طرح کی کوشش کیجاتی ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر و عمر کا معاملہ برعکس ہے جو لڑائی میں انکی کارگزاری ہوا کرتی تھی وہ معلوم ہے۔ لہذا ان کو مہم شام پر جانے کے لئے نامزد اور تاکید کرنیکا مطلب یہی تھا کہ یہ دونوں کسی طور سے خلیفہ نہ بن بیٹھیں۔ یہ دونوں حضرات مقصود رسالت سمجھ گئے اور خلافت کی ہوس میں رسولخداؐ کی نافرمانی کی اور نہ گئے اور یہ ثابت کردیا کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ

یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ کی بشارت سے یہ لوگ بالکل محروم ہیں۔ یعنی اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو رسولؐ کی اطاعت کرو کہ خدا بھی تم کو محبوب رکھے (سورۂ آل عمران رکوع ۳)۔ غرض رسولخداؐ کی فرمانی کرکے دنیا کو دکھادیا کہ یہ لوگ نہ خدا کو دوست رکھتے ہیں اور نہ خدا اونکو دوست رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے ان پر لعنت کرتے ہوئے رسولخدا کو ذرا بھی پس و پیش نہ ہوا۔ چنانچہ جب رسولخداؐ کو معلوم ہوا کہ یار لوگ نہ گئے تو فرمایا لعن اللّٰہ من تخلف عن جیش اسامہ یعنی اون لوگوں پر خدا لعنت کرے جو اسامہ کے لشکر کے ساتھ نہ جاویں اور گھر بیٹھ رہیں۔ اس پر بھی یار لوگ نہ گئے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے ان دونوں واقعوں کو اپنی تصنیف تحفہ اثنا عشری میں قبول فرمایا ہے۔ اور محدث شیرازی نے روضۃ الاحباب میں علامہ ابوبکر جوہری وغیرہ محدثین نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے لہذا اونکی صداقت میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ سورۂ الانفال رکوع ۳ میں خداوند عالم فرماتا ہے یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ج یعنی اے ایماندارو جب تم کو رسولؐ ایسے کام کے لئے بلائیں جسمیں تمہاری روحانی زندگی ہے تو تم اللّٰہ اور رسولؐ کی بات مان لو اور نافرمانی نہ کرو۔

مجھکو کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جو کہا جاوے کہ اس آیہ کریمہ کا مصداق ہے، الاحر۔ رو وصیت۔ زندگی سے ایک مراد ایمان لانا ہو سکتا ہے۔ تو جو لوگ ایمان لاکر ایمان والے کہلانے کے مستحق ہو گئے تھے پھر اونکو زندگی کی طرف بلانا چہ معنی دارد؟ لہذا یہ طلب اور دعوت ایمان لانیکے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ دعوت ایمان پر باقی رہنے اور نفاق سے بچنے کیلئے ہے۔ چنانچہ رسولخداؐ نے فرمایا کہ ایسی وصیت لکھدوں کہ پھر کبھی میرے

بعد گمراہ نہ ہوگے یعنی جیسا رسولؐ کی حیات میں ایمان ظاہر کرتے تھے آپ کے بعد بھی ایمان پر باقی رہو گے۔ پس جن لوگوں نے اس دعوت سے انکار کیا اور رسولخدا کی وصیت لکھنے کی مخالفت کی اونھوں نے صریحی اس آیت کی عدول حکمی کی اور عقوبت کے مستحق ہوئے۔

اب میں اون مقولات رسولخداؐ کو جو تحریر وصیت کے جھگڑے کے وقت ارشاد فرمائے قرآن سے تطبیق دینا چاہتا ہوں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ ہ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ہ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ..... قَالَ فَاخْرُجْ مِنْھَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی جب تمہارے پروردگار نے کہا کہ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں اور جب اوسکو تیار کرکے اپنی روح پھونک دوں تو سب اوسکے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس نے سجدہ کرنیوالوں میں

حضرت عمر اور ابوبکر وغیرہ نے جب کاغذ اور دوات دینے سے انکار کیا اور غل ہوا تو رسولخدا صلعم نے فرمایا قوموا عنی میرے پاس سے نکل جاؤ۔ اور جب جیش اسامہ کے ساتھ جانے سے تخلف کیا تو فرمایا کہ جو اسامہ کے لشکر کے ساتھ نہ جاوے اوسپر خدا کی لعنت۔ یعنی قوموا عنی ولعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ یعنی یہاں سے نکل جاؤ اور خدا لعنت کرے اوسپر جو جیش اسامہ کے ساتھ نہ گیا اور تخلف کیا۔

شامل ہونے سے انکار کیا..... تو خدا نے فرمایا یہاں سے نکل جا بے شک تو مردود ہے اور قیامت تک تجھ پر لعنت رہیگی۔ (سورہ الحجر رکوع ۳)

اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ شیطان کے ایسا عابد کون ہو سکتا ہے جسکے سجدہ سے کوئی جگہ عرش کی باقی نہ تھی لیکن ایک نافرمانی کے عوض میں اوسکو حکم ہوا کہ یہاں سے نکل جا اور تجھ پر قیامت تک لعنت رہیگی۔ پس صحابہ کبار کے کیسے ہی عمل کیوں نہ ہوں جب رسولخداؐ کی نافرمانی پر نافرمانی کی اور جو خداوند عالم نے شیطان کے لئے فرمایا تھا وہی رسولخداؐ نے جن صحابہ کے بارے میں فرمایا کہ یہاں سے نکل جاؤ اور خدا کی تم پر لعنت ہو وہ کیونکر اولیاء اللہ کہے جا سکتے ہیں اور کیونکر اون کو خلیفہ وغیرہ مان کر ہم کو نجات مل سکتی ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جیسے شیطان ایک نافرمانی کرکے ابدالاباد تک نافرمانی کے مرض میں مبتلا ہو گیا اوسی طرح جن لوگوں نے رسولخداؐ کی آخر وقت میں نافرمانی کی اون کے لئے باب امر بالمنکر و نہی عن المعروف کھل گیا۔ چنانچہ رسولخداؐ کے انتقال کے بعد عوض اسکے کہ صحابہ غسل و کفن کا سامان کرتے سب کے سب سقیفہ میں دوڑ گئے۔ اور وہاں خلافت پر حضرت ابو بکر نے قبضہ کر لیا۔ یہ سب واقعات ایسے معروف اور معلوم ہیں کہ صرف اونکی طرف اشارہ ہی پر اکتفا کروں گا۔ اس واقعہ کے متعلق نہج البلاغہ میں جناب علی علیہ السلام کی یہ گفتگو لکھی ہے

لما انتھت الی امیر المومنین علیہ السلام انباء السقیفہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ قال علیہ السلام ما قالت الانصار۔

قالوا قالت:۔ منا امیر و منکم امیر۔

قال علیہ السلام فھلا احتججتم علیھم بان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم وصیّ بان یحسن الی محسنہم و یتجاوز من مسیئہم

قالوا:۔ وما فی ھذا من الحجۃ علیہم

فقال علیہ السلام:۔ لو کانت الامارۃ فیہم لم تکن الوصیۃ بہم!!

ثم قال علیہ السلام:۔ فما ذا قالت قریش؟

قالوا احتجت بانہا شجرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

فقال علیہ السلام:۔ احتجوا بالشجرۃ واضاعوا الثمرۃ (نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۰ جلد ۱)

یعنی جب وفات رسولخداؐ کے بعد سقیفہ کی بنا ہوئی اور اوسکی خبر جناب امیر علیہ السلام کو ہوئی تو جناب نے پوچھا کہ انصار نے کیا کہا۔

لوگوں نے کہا کہ انصار کہتے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ حضرت نے کہا۔ تو کیا تم نے اون پر یہ حجت نہیں قائم کی کہ رسولخداؐ نے وصیت کی تھی کہ اونکے نیکوں کے ساتھ نیکی کرنا۔ اور بدوں سے درگزر کرنا۔

لوگوں نے کہا۔ اس میں کون سی حجت اونپر قائم ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ اگر اون میں امارت یعنی سرداری ہوتی تو اون کے لئے دوسروں کو وصیت کرنیکی ضرورت نہ تھی۔

پھر حضرتؑ نے فرمایا۔ کہ قریش نے کیا کہا؟

لوگوں نے کہا۔ اونھوں نے یہ حجت پیش کی کہ وہ رسولؐ کے شجرہ سے ہیں۔

تو حضرت نے فرمایا۔ کہ شجرہ کو تو حجت کے لئے انصار کے سامنے پیش کیا اور رسول کے پھل کو یعنی اولاد کو ضایع کیا۔

اس گفتگو سے اول یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسولخداؐ کے زمانہ میں

اور بعد کو رسولؐ کے قرابت مندوں اور باقی امتیوں میں فرق تھا یہی وجہ ہے کہ جب انصار کے سامنے حضرت ابوبکر نے یہ بات پیش کی کہ وہ رسول کے قرابتمند ہیں تو انصار اونکے مقابلہ میں ساکت ہو گئے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ آل سے مراد کل امتی ہیں۔ اور رسولؐ کی اولاد اور قرابتمندوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو نہ حضرت ابوبکر حصول خلافت کے لئے انصار کے سامنے اپنی قرابت پیش کرتے اور نہ اونکے پیش کرنے سے کچھ شنوائی ہوتی۔ غرض آل کے حقوق کے سامنے جب صحابہ کی کوئی بات جمتی نظر نہیں آئی تو اس طرح کی رکیک تاویل ایجاد کی گئی ہے جو انسان کو صراط مستقیم سے علحدہ کر دے۔ لطف یہ ہے کہ یہ رکیک اور مہمل تاویل کہ آل رسولؐ سے مراد امتی اور پیرو ہیں صرف ہندوستان ہی میں چلتی ہے جہاں کے لوگ بوجہ عربی نہ جاننے کے دھوکہ میں آسکتے ہیں۔ اہل عرب کبھی اور کسی موقعہ پر آل رسولؐ سے امتی اور پیرو رسول مراد نہیں لیتے بلکہ خود اہل ہند جو عربی جانتے ہیں وہ آل رسولؐ سے اولاد رسولؐ مراد لیتے ہیں نہ پیرو رسول۔ چنانچہ جس کتاب کو اٹھا کر دیکھئے یہاں تک کہ رسالہ النجم لکھنؤ کے پرچوں کو ملاحظہ فرمایئے کہ جہاں رسولخداؐ پر درود وسلام بھیجا ہے یا جہاں حمد کے ساتھ نعت بھی لکھی ہے وہاں آل کے ساتھ اصحاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ والہ واصحابہ مشہور جملہ ہے۔ اگر آل سے پیرو رسول مراد ہوتا تو کیا اصحاب رسول پیرو رسول نہ تھے کہ اونکو آل میں شریک نہ سمجھا جاتا اور علحدہ ذکر کیا جاتا۔ اور جن صاحبوں کو آل سے بغض قلبی ہے وہ یکدم آل پر درود وسلام غائب کر دیتے

ہیں اگر اون کے خیال میں آل سے مراد پیرو رسول ہوتا تو خود اپنے کو اور اپنے پیشوایان کو جن کو پیرو رسول خیال کرتے ہیں درود و سلام سے محروم نہ کرتے۔ یہاں شیخ سعدی کا ایک شعر بغیر نقل کئے نہیں رہ سکتا

الٰہی بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول من و دست و دامان آل رسول

ایک شعر امام شافعی کا بھی ملاحظہ ہو۔

یا اہلبیت رسول اللہ حبکم ۔ فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم ۔ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

یعنی اے اہلبیت رسول! خدا نے تمہاری محبت قرآن میں فرض کردی ہے۔ تمہارے مرتبہ کی بزرگی میں یہی کافی ہے کہ نماز میں جو شخص تم پر درود نہ بھیجے اوسکی نماز صحیح نہیں ہے۔

دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۲۱۶ مطبوعہ مصر و دیگر تفاسیر۔

جناب امیر علیہ السلام کے کلام سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اصحاب رسول میں نکتہ رسی نہ تھی اور سوائے سطحی معنی کے گفتگو اور قول کی تہ تک نہیں پہونچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود قرآن میں رد و بدل کرنے اور بعض امور کو حذف کرنے کے قرآن کو نقصان نہ پہونچا سکے اور صحابہ کی مذمت اور آل رسول کی مدح جو اونکے مدعی کے بالکل خلاف تھی وہ سب قرآن میں باقی رہ گئی جیسا میں نے اس رسالہ میں ثابت کیا ہے اور آگے ثابت کرتا ہوں۔

تیسرا امر یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اس واقعہ کو آل رسول پر ظلم تصور فرماتے تھے اس لئے کہ شجر کی حفاظت اور پھل کو بھول جانا اور ضایع کرنا بالکل ہی ظلم ہے اور قرآن تو بالکل اسکی مخالفت و ممانعت

کرتا ہے۔ سورہ القصص رکوع ۷ میں ہے: ۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ یعنی اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔

جب انسان کوئی بات قبول نہ کرنا چاہے تو ہر طرح کا حیلہ کرتا ہے اولاً حیلہ یہ ہے کہ عربی میں لفظ ما غیر ذی روح کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کے مقابلہ میں انسان کے لئے لفظ من استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا اس انتخاب کے حکم میں انسان کو داخل کرنا صحیح نہیں ہے اس اعتراض کی تردید خود قرآن ہی میں موجود ہے۔ جس میں ما انسان کے لئے استعمال کیا ہے۔ مثلاً سورہ البقرہ رکوع ۳۱ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم نے طلاق دیا اوس عورت کو جس کو تم نے چھوا تک نہیں ہے۔ سورہ آل عمران رکوع ۴ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ ..... قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ یعنی حضرت مریم نے کہا کہ پروردگار ہم کو لڑکا کیونکر ہوگا ..... تو ارشاد ہوا اسی طرح خدا جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سورہ النساء رکوع ا فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ یعنی پس نکاح کرو اون عورتوں سے جو پسند ہو۔ غرض ان سب جگہوں میں لفظ ما انسان کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ویسا ہی آیہ زیر بحث میں ہے اور جو میں نے ترجمہ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

پس یہ آیہ مبارکہ صاف بتلا رہا ہے کہ خدا ہی جسکو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کے لئے منتخب کرتا ہے

اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ لہذا اگر بروز سقیفہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہو گئے تو ضرور نہیں ہے کہ وہ امام رشد وہدایت بھی ہو جائیں۔ امام رشد وہدایت وہی ہو سکتا ہے جسکو خدا نے ہدایت کے لئے پیدا کیا ہے اور باقی امام نار ہیں جیسا خداوند عالم فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُونَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يُوقِنُونَ یعنی اونمیں سے کچھ لوگوں کو چونکہ مصیبتوں پر صبر کیا تھا پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور ہماری آیتوں پر یقین کرتے ہیں (سورہ السجدہ رکوع ۳) اور پھر سورہ القصص رکوع ۴ میں فرماتا ہے وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَدْعُونَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ یعنی ہم نے اون کو پیشوا بنایا ہے جو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ اور قیامت میں اونکی کوئی مدد نہ ہوگی۔ لہذا دیکھنا ہے کہ قرآن میں کون آیۃ ہے جس سے حضرت ابوبکر کے امام ہدایت ورشد ہونیکی طرف اشارہ بھی ہے۔ اگر قرآن اونکو امام راشد اور امام ہدایت کہنے کے عوض نااہل وغیرہ فرمادے تو انتخاب کی اجماع کچھ نفع نہیں بخش سکتا بلکہ وہ صریحی مصداق خَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ کے ہیں جس کا تفصیلی ذکر انشاءاللہ آتا ہے

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیۃ مختص نبی اور رسول کیلئے ہے۔ امام اور خلیفہ رسول کیلئے نہیں ہے مگر یہ اجازت کہ انسان اپنا ہادی بعد رسول خود منتخب کرے کہاں سے آئی۔ اگر کوئی صاحب ایک آیت ایسی پیش کر دیتے تو معاملہ فیصل تھا۔ لیکن خدا نے ایسی کوئی اجازت تو دی نہیں پھر یہ آئے تو کہاں سے۔ حالانکہ خداوند کریم نے بار بار فرمایا ہے کہ کوئی

بات ایسی نہیں ہے جس کا ذکر میں نے قرآن میں نہیں کیا ہے۔
مثلاً سورۃ الانعام رکوع ۴ میں ہے ومافرطنا فی الکتب من شیٔ
یعنی میں نے قرآن میں کوئی بات نہیں چھوڑی ہے۔ سورہ النحل رکوع ۱۲
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وھدی ورحمۃ وبشری
للمسلمین۔ یعنی اے رسول ہم نے تم پر قرآن نازل کیا جس میں
ہر چیز کا بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت رحمت اور خوشخبری
ہے۔ پس یہ کہنا کہ مسلمانوں کے لئے کوئی ہدایت قرآن میں نہیں
ہے کہ بعد رسول خداؐ انکو کیا کرنا چاہئے ان آیات کو جھٹلانا ہی۔
کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا انتخاب اجماع امت سے ہوا۔ اور وہ صرف
بادشاہ ہوئے۔ بھلا رسولخداؐ کی جانشینی ہو اور اوس اجماع میں
رسولخداؐ کے خاندان کا ایک شخص بھی نہ شریک وہ کیسا اجماع ہے۔
اور یہ کیسا انتخاب ہے۔ مجھکو دنیا میں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ
جس میں کسی ایک شخص کے جانشین کی تقرری کے وقت نہ اوس کی
وصیت مانی جائے اور نہ اہل واقارب سے اوسمیں کوئی شریک ہو۔
آخر کتنے نبی اور اُنکے جانشین کا قرآن میں تذکرہ ہے؟ ایک کا بھی
جانشین اگر انتخاب سے ہوا ہو تو کہدیجئے۔ پھر رسولخداؐ جن کو خداوند
عالم نے اگلوں کے طریقہ پر چلنے کا حکم فرمایا ہے کیسے اپنے جانشین
کو انتخاب پر چھوڑ دیتے۔ ارے یہ انتخاب تو بہت بڑی چیز ہے
کھانا۔ پینا۔ ازدواج وغیرہ تو خداوندعالم نے مخلوق کے انتخاب پر
چھوڑا ہی نہیں ہے۔ مثلاً شیر وغیرہ کے لئے گوشت کی خوراک مقرر
کردی ہے۔ اب وہ نباتات اور جمادات نہیں کھا سکتے۔ گائے
بیل۔ بکری وغیرہ کے لئے چند نباتات مقرر کردیا ہے۔ اب وہ سوا

اونھیں بناتات کے گوشت اور جمادات اور دوسرے بناتات نہیں کھاسکتے اسی طور سے انسان کو چند بناتات۔ چند حیوانات اور چند جمادات کے کھانیکی اجازت دی ہے اونکے خلاف انسان کوئی چیز کھائے تو ہلاک ہوجائے یا جہنم میں جائے۔

توالد و تناسل کے متعلق انسان کے لئے صرف اونھیں عورتوں کی اجازت دی ہے۔ جن کے شوہر نہ ہوں اور جو محرمات ابدی مثل ماں۔ بہن۔ خالہ۔ پھوپھی وغیرہ کے رشتہ کی عورتیں نہ ہوں ان کے سوا کل مشترک عورتوں کو اہل اسلام کے لئے حرام کردیا ہے۔ اب اگر شوریٰ اور اجماع کی گنجائش ہے تو بس انھیں مباح عورتوں اور اکل حلال کے متعلق ہزار شوریٰ اور اجماع کیجئے نہ اکل حرام حلال ہوسکتا ہے اور نہ ممنوع عورتیں جائز ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ نے بعض حرام عورتوں کے متعلق فتویٰ اور مشورہ حلت کا دیا۔ امام مالک نے بعض حرام جانوروں کے کھانیکا مشورہ دیا۔ لیکن سب مردود ہی رہا اور خدا کے حکم کے سامنے ایک بھی نہ چلا۔

غرض یہ ہے کہ خداوند عالم نے انسان کے لئے کچھ امر مباح اور جائز قرار دیا ہے اور کچھ حرام۔ مباح کے درمیان رہکر انسان اپنی پسند اور اپنے انتخاب کو کام میں لاسکتا ہے۔ پس اگر کوئی صاحب یہ دکھادیں کہ خواہ رسول کریم کو خواہ انبیاء سابقین میں سے کسی کو خداوند عالم نے اجازت دی ہے کہ اونکا جانشین انتخاب سے ہو تو بس کلام ختم ہوجاتا ہے ورنہ اپنے منہ سے آیات قرآنی کی حد بندی یہ دوسرا ظلم ہے۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ سوائے حضرت ابوبکر کے اور کوئی نبی یا نایب یا ہادی انتخاب سے نہیں مقرر ہوا ہے۔ نہ حضرت عمر۔ نہ حضرت

عثمان - نہ معویہ اور نہ یزید وغیرہ انتخاب سے خلیفہ ہوئے ہیں - اور نہ امام بخاری - امام مسلم - امام ابو حنیفہ - امام مالک - امام احمد بن حنبل امام شافعی وغیرہ کی تقرری اجماع وانتخاب سے ہوئی ہے - جیسا کہ اپنی بیبی ازدواج وغیرہ میں خدا کے حکم سے باہر کوئی شخص اپنی رائے یا اجماع وانتخاب سے فائدہ نہیں اوٹھا سکتا اُسی طرح کسی امر میں جس کے انتخاب کی اجازت نہ ہو اوسمیں انتخاب کو دخل دینے کو خود قرآن پاک ضلالت فرماتا ہے - مثلاً سورہ الانعام رکوع ۱۴ میں خداوند عالم فرماتا ہے وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ یعنی اے رسول اگر تم دنیا کے جمہور کی پیروی کروگے تو وہ لوگ تم کو خدا کی راہ سے بہکا دیں گے - پھر اوسی رکوع میں آگے چلکر انسان کے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنیکا ذکر کرکے فرماتا ہے وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ یعنی بے شک جمہور بغیر علم کے اپنی نفسانیت سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں - پس اکثریت - جمہوریت اجماع سے خلاف قرآن کیسے انسان حق پا سکتا ہے -

آپ اعتراض کرسکتے ہیں کہ پھر کیسے امریکہ - انگلینڈ - فرانس وغیرہ نے جمہوریت اور انتخاب سے فائدہ اوٹھایا ہے - اور کیسے آج اونکو ایسی ترقی حاصل ہے کہ کسی کو نہیں نصیب ہے - اور کیسے آج دنیا انتخاب اور جمہوریت پر فریفتہ ہے - تو ہم کہیں گے کہ دنیا کی خلقت ہزاروں برس سے ہے - اس طویل زمانہ میں جب جب اور جہاں جہاں ترقی ہوئی ہے وہ بادشاہوں اور سرداروں کے ذریعہ سے حاصل ہوا کی ہے - وہ نہ انتخاب جانتی تھی اور نہ جمہوریت - ہاں بعض بادشاہوں کا حرص و ہوا کی وجہ سے اب دنیا انتخاب اور جمہوریت کے متعلق

تجربہ کر رہی ہے کہ یہ حیات انسانی کے لئے کہاں تک مفید ہے
امریکہ، فرانس وغیرہ کی ترقی صرف سو دوسو برس کے لئے ہے
جو ایک قوم کی حیات کا بہت قلیل عرصہ ہے۔ لیکن اسی قلیل زمانہ
میں عقلاء یورپ کی یہ رائے قائم ہوئی ہے کہ قوم کی ترقی کے لئے
انتخاب وجمہوریت موزوں نہیں ہے۔ بلکہ جیسی ترقی بادشاہت اور
خودسر سردار کے ذریعہ سے ہوتی ہے وہ جمہوریت سے نہیں ہوسکتی۔ یہی
رائے اٹلی کے حکمراں مسولونی کی ہے اور اسکی تصدیق مصطفےٰ کمال پاشا
اور رضا شاہ کر رہے ہیں کہ بادشاہ بنکر اپنے ملک کو ترقی
کے راستہ پر لگا دیا ہے۔ اور قبل کے بادشاہوں سے جو نقصان
ہوا ہے اور جسکی وجہ سے دنیا جمہوریت کی طرف مائل ہو کر اوس کا تجربہ
کر رہی ہے وہ بھی اون بادشاہوں کی وجہ سے جنہوں نے خَلَفَ
مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ کے مصداق بنکر عمل خیر کو ترک کیا اور خواہشات
نفسانی کی پیروی کی۔ اگر زار روس مثل اہلسنت والجماعۃ کے اپنے
پیر کے دھوکہ میں نہ پڑتا تو نہ اوسکی سلطنت جاتی اور نہ اوس کا
خاندان خراب ہوتا۔ بالآخر یہ انتخاب اور جمہوریت جو اس زمانہ میں
مطمح نظر خاص و عام ہو رہا ہے وہ دنیاوی امیر اور سردار کے لئے
ہے نہ کہ دینی رہنما اور ہادی کے لئے۔

ہاں اگر حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان وغیرہ کو ہادی اور رہنما نہ مانا
جاوے۔ بلکہ عقائد اسلامی سے خارج صرف بادشاہ۔ مثل
اکبر بادشاہ۔ جہانگیر۔ اورنگ زیب وغیرہ کے کہا جاوے تو اونکی
بادشاہت میں نہ انکار ہوسکتا ہے نہ جھگڑا ہے۔ صرف تنقیح
طلب بات یہ رہ جائیگی کہ وہ مثل عزیز مصر کے بادشاہ نیکوکار

تھے جو حضرت یوسفؑ کی اطاعت کرتا تھا یا مثل فرعون کے ظالم اور غدار جو خدا کی نافرمانی کرتا تھا اور حضرت موسیٰ اور اونکے خلیفہ حضرت ہارون کی کچھ نہ سنتا تھا۔ بلکہ عوض اطاعت کے اون کے خون کا خواہاں تھا۔ اور جیسے اورنگ زیب و دیگر سلاطین اسلام کا عیب بیان کرنے سے یا تعریف کرنے سے کوئی نہیں جھگڑتا ویسا ہی ان حضرات کی تعریف یا عیب بیان کرنے سے نہیں جھگڑنا چاہیئے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ بات بنانیکو کہہ دیا جاتا ہے کہ خلافت کو اعتقاد میں کوئی دخل نہیں ہے اور نہ اس پر انحصار ایمان ہے۔ اور پھر اونکے اعمال کی تنقیح کرنے والوں سے جھگڑنے کو کمر باندھکر تیار اور بیچاروں کو کافر کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

خلافت کو اگر جزو ایمان قرار دیجئے تو مذہبی مناظرہ شیعوں سے کیجئے۔ یا خلافت کو جزو ایمان نہ کہئے بلکہ ایمان اور اسلام سے خارج اور فاضل کہئے اور شیعوں کو آزاد کر دیجئے کہ جو چاہیں اونکے متعلق تنقیح و تنقید کریں اور جیسے اورنگ زیب و دیگر سلاطین کے متعلق تنقیح اور تنقید ہوا کرتی ہے اور کوئی نہیں جھگڑتا۔ ویسا ہی حضرات ثلثہ کی طرف سے نہ جھگڑا کیجئے۔

ایک اور تاویل عجیب و غریب آیہ تخیر کی مخالفت کیلئے کیجاتی ہے۔ یعنی یہ کہ یہ آیہ مشرکین کے لئے ہے اونکو حق نہیں ہے کہ وہ نبی کو انتخاب سے مقرر کریں۔ تو کیا جو چیز مشرکین کو منع کی گئی ہے اوسکے مسلمان مجاز ہیں؟ مشرکین کو شرک سے منع کیا گیا ہے۔ مشرکین کو بت پرستی سے منع کیا گیا ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے سے روکا گیا ہے اوسی طرح نبی اور ہادی اور رہنما کو

انتخاب سے انکار اور منع کیا گیا ہے۔ پس جو امر مشرکین کے لئے معیوب اور گمراہ کرنے والے ہیں وہ مومنین کے لئے بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہیں۔ کیونکہ اول خداوند عالم نے مسلمانوں ہی کو پیدا کیا جو اپنی خودرائی اور نفسانیت سے مشرک اور کافر ہو گئے۔ لہذا اہل اسلام کو اون چیزوں سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا چاہیئے جن سے کفار اور مشرکین منع کئے گئے ہیں۔

غرض اجماع و انتخاب سے کسی کا ہادی و رہبر جائز ہونا قرآن پاک سے کسی طور سے کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ لہذا خلاف سیرت انبیاء و امم سابقین حضرت ابوبکر کا انتخاب بالکل غلط اور ضلالت تھا اور وہ بھی ایسی ضلالت جس نے رسولخدا کے اول اول معاہدہ کو شکست کر دیا۔ خداوند عالم نے اول ہی آیت سورۃ المائدہ میں اور نیز بہت جگہ فرمایا ہے یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ یعنی اے ایمان دارو عہد اور اقرار کی پابندی کیا کرو اور انذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل میں رسولخدا نے حضرت علی علیہ السلام سے معاہدہ فرمایا تھا کہ اگر تم میری رسالت اور نصرت قبول کرتے ہو تو میری زندگی میں میرے وزیر اور بعد کو خلیفہ ہو گے جسکی تفصیل اور سند اپنے موقع پر آویگی۔ اس معاہدہ کو حضرت ابوبکر کے انتخاب نے یکدم شکست کر دیا اور اس کا وبال اونکی اور اہل اجماع کی گردن پر رہیگا۔ حضرت ابوبکر کی ناقابلیت کا اظہار خداوند عالم نے انکو سورہ برائت کی اول دس آیتیں دیکر چھنوا لینے سے ظاہر فرما دیا تھا۔ پھر اونکے بار بار جنگ سے فرار کا ذکر اور آیہ نجویٰ کی عدول حکمی اور اسکی تعمیل میں بخل اور نماز میں اصحاب کا رسولخدا کو کھڑا چھوڑ کر

سو واسلف۔ کھیل تماشہ کیطرف دوڑ پڑنے کا ذکر فرما کر خداوند عالم نے یہ بتادیا کہ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ کسی کی ہدایت یا رہنمائی انکے متعلق کیجاوے۔ سب پر بالا حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ رسولخداؐ کے بعد خلافت کا معاہدہ ایسا تھا کہ جس کو سوائے نافرمانوں کے دوسرا توڑ نہیں سکتا تھا۔

بہرکیف ان سب مظلموں کو لیکر حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے اور دو برس کے بعد خداوند عالم کے سامنے جانیکو تیار ہو گئے اور اس وقت نازک میں بھی نہ خدا سے ڈرے اور نہ رسولؐ سے شرمائے بلکہ ایک استخلاف نامہ لکھکر حضرت عمر کے حوالہ کردیا۔ اور من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کی تصدیق کردی۔ اگر سقیفہ کے اجماع کے وقت یہ لوگ نیک نیت تھے تو لازم تھا کہ جیسے بخیال خام ہاتھ باندھنے والوں کے رسولخداؐ نے اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ اور امت کو آزاد چھوڑ دیا تھا کہ جس کو چاہیں اپنا امیر اور سردار بنالیں۔ ویسا ہی حضرت ابو بکر بھی کسی کو نامزد نہ کرتے اور امت کو آزاد چھوڑ دیتے۔ برخلاف اسکے حضرت عمر کو انھوں نے اپنا خلیفہ مقرر کردیا۔

افسوس یہی حضرت عمر ہیں کہ جب رسولخداؐ نے اپنے آخر وقت میں دوات اور کاغذ طلب فرمایا کہ ایسی وصیت لکھدوں کہ تم لوگ گمراہ نہ ہو گے تو روک دیا کہ حضرت رسولؐ ہذیان بک رہے ہیں ہمیں کتاب خدا کافی ہے اور ہم کو وصیت رسولؐ کی ضرورت نہیں ہے لیکن حضرت ابو بکر کی وصیت کی یہ قدر کی گئی کہ تلوار

کے زور سے حضرت عمر اوس بند ولا معلوم وصیت پر سب سے بیعت لیتے پھرتے تھے اور جب کافی لوگوں نے اوس لا معلوم وصیت پر بیعت کر لی تو حضرت عمر نے اسکو کھول کر خلافت پر قبضہ کر لیا - کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے جمہوری سلطنت کی بنیاد ڈالی - حالانکہ جمہور کو غیر معلوم شے پر راضی ہونیکو مجبور کیا اور اونکو رائے زنی سے محروم کر دیا - اس ترکیب سے خلافت حاصل کرنے کا نام یا رون نے استخلاف رکھا - یعنی حضرت ابو بکر کے خلیفہ بنانے سے حضرت عمر خلیفہ بنگئے لیکن جب حضرت ابو بکر کا انتخاب ہی غلط تھا تو انکو رسولؐ کی جگہ پر کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا کیونکر صحیح حق ہو سکتا ہے اور کیونکر اونکا خلیفہ ہونا جائز ہو سکتا ہے - جب حضرت عمر نے رسولخداؐ کے مقابلہ میں دعویٰ کیا تھا کہ کتاب خدا ہمارے لئے کافی ہے تو لازم تھا کہ خلافت کا فیصلہ قرآن ہی سے فرماتے - حضرت ابو بکر کے انتخاب کے وقت قرآن کی آیت پیش کر دیتے اور خود اپنے لئے عوض استخلاف نامہ حضرت ابو بکر خود قرآن کی کوئی آیت پیش کر کے خلافت پر قبضہ کرتے رسولخداؐ کی وصیت قبول کرنے سے انکار کرنا اور حضرت ابو بکر کی وصیت پر زور دینا ایمان کی داد دینا ہے -

بہر کیف حضرت عمر نے دس برس تک خلافت کی اور جب ابو لولوٴ کی چھری سے خدا کا سامنا کرنے کو مجبور ہوئے تب بھی امت محمدی کو آزاد نہ چھوڑا - بلکہ چھ شخصوں کو نامزد کیا کہ یہی چھ شخص آپس میں سے ایک آدمی کو خلافت کے لئے نامزد کریں اور اگر آپس میں اتفاق نہ کر سکیں تو سب کے سب قتل کر دیئے جائیں - اور اگر ایک شخص

اس میں سے منتخب ہوجاوے توعدول کرنے والا جو بھی ہو وہ قتل کردیا جائے، وہ چھ شخص حضرت علی۔حضرت عثمان ۔عبدالرحمان بن عوف ۔سعد ابن ابی وقاص۔ طلحہ ابن عبداللہ اور زبیر ابن العوام تھے۔

اس جمعیت میں سوائے حضرت علیؑ کے کسی کو بھی بنی ہاشم سے نہیں رکھا اور زیادہ تر لوگ حضرت کے دشمن یا حضرت عثمانؓ کے قرابتمند ہیں جس کا یقینی نتیجہ یہ تھا کہ جو رسولخداؐ کے عہد و پیمان کے کے ذریعہ سے مستحق خلافت تھا وہ محروم رہے۔ اور یہی ہوا۔ دیکھو ص۳۸ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر۔

اس موقع پر جو حضرت نے خطبہ ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے:۔

لم یسرع احد قبلی الی دعوة حق وصلة رحم وعائدة کرم فاسمعوا قولی دعوا منطقی عسی ان تروا هذا الامر من بعد هذا الیوم تنتضی فیه السیوف وتخان فیه العهود حتی یکون بعضکم ائمة لاهل الضلالة وشیعة لاهل الجهالة یعنی مجھ سے پہلے کسی شخص نے حق کیطرف بلانے، صلہ رحم بجالانے اور بخشش و احسان کرنے میں سرعت سے کام نہیں لیا ہے۔ تم میرے قول کو سنو۔ میرے کلام کو حفظ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ آج کے دن کے بعد تم اس امر خلافت کو ایسی حالت میں دیکھو کہ اس میں تلوار کھینچی جاویں عہد شکنیاں ظہور میں آویں۔ حتی کہ تم میں سے بعض لوگ اہل ضلالت اور گمراہی کے امام بنیں اور بعض اہل جہالت اور نادانی کے پیرو ہو جاویں۔

لیکن امام کی نصیحت کو کون سنتا تھا۔ اس شوریٰ نے حضرتؑ

کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ آپ قرآن، سیرت رسولؐ اور سیرت شیخین پر چلنے کا وعدہ فرماویں تو آپ کو خلیفہ منتخب کرتے ہیں۔ حضرتؑ نے قرآن اور سیرت رسولؐ کی پیروی کو بسر وچشم قبول کیا لیکن سیرت شیخین سے انکار کیا اس لئے کہ سیرت شیخین قرآن اور سیرت رسولؐ کے بالکل خلاف تھی۔ اضداد کیونکر جمع کر سکتے تھے۔ لیکن جب یہی شرط حضرت عثمان کے سامنے پیش کی گئی تو خلافت کی آرزو میں وعدہ کر لیا اور جب خلافت ملی تو قرآن پر اس طرح عمل کیا کہ اوسکو قطع برید کر کے سات حروف سے ایک حرف کر کے باقی کو سپرد آتش کر دیا اور سیرت شیخین پر اس طرح چلے کہ خلافت کو اپنی جاگیر قرار دیدی اور کل عہدوں کو اپنے اقرباء سے بھر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہیجان میں آ گئے اور اونکو قتل کر ڈالا۔ جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں معلوم نہیں اجماع صرف انعقاد خلافۃ ہی کے لئے جائز اور واجب العمل ہے یا انتزاع خلافۃ کے لئے بھی ویسا ہی معتمد اور واجب العمل ہے۔ اگر اجماع کوئی شے ہے اور اوس کا حکم واجب العمل تو جیسے حضرت ابوبکر کی تعریف اسکے انتخاب پر کیجاتی ہے لازم ہے کہ ویسے ہی حضرت عثمان کی معزولی اور اونکے قتل کو بھی حق مانیں۔ اونکی خلافۃ گیارہ برس تھی کہ انکے عمل نے انکو گھیر لیا اور اجماع مسلمین نے انکو خداوند عالم کے سامنے حساب و کتاب کے لئے بھیجدیا۔ واقعی یہ ہے کہ یہ آل رسولؐ ہی کا صبر اور شکیبائی تھی کہ باوجودیکہ ایسی ایسی چالبازیوں سے اپنے حقوق سے محروم کئے جاتے تھے پھر بھی زبان تک نہیں کھولتے تھے۔

جمہوری سلطنت میں اگر ہر انتخاب کے وقت قانون اس طرح بدلا جائے کہ خاص ایک فرقہ یا خاندان محروم رہے تو وہ سلطنت ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ بہرکیف ان تینوں خلافتوں کا لب لباب جناب علی علیہ السلام اپنے مشہور خطبہ شقشقیہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں (بخوف طوالت صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے) اے سننے والے خبردار ہو جا کہ قسم خدا کی فلاں نے پیراہن خلافۃ کو زیب تن کر لیا حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ خلافت کے لئے میرا وہی مقام ہے جو قطب آسیا کو آسیا سے ہے۔ مجھ سے علم کا ایک متلاطم دریا نکل رہا ہے اور میرے علم و منزلت کا پایہ وہ رفیع اور بلند ہے۔ جہاں پرندے نہیں پہونچ سکتے۔ پس میں نے اپنے اور خلافۃ کے درمیان میں پردہ ڈال لیا اوس سے پہلوتہی کی اور اس معاملہ میں غور کرنا شروع کیا کہ اپنے بریدہ اور شکستہ ہاتھ سے اوس پر حملہ کروں یا اس ظلمت اور تاریکی ضلالت پر صبر کروں۔ یہ ایسی مصیبت تھی کہ جسکے صدمہ سے خورد سال بوڑھا ہوا اور بوڑھا ضعیف ہو جائے اور مومن رنج و غم میں گرفتار ہو یہاں تک کہ وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس واقعہ پر میرا صبر کرنا بہتر ہے۔ لہذا میں نے صبر کیا۔ حالانکہ میری آنکھوں میں غبار اندوہ اور خار مصیبت کی خلش تھی اور حلق میں ہچکیوں سے پھندے پڑے جاتے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث کس طرح تاراج و غارت ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ اول اپنے راستہ پر گیا مگر اپنے بعد خلافۃ کو فلاں کے حوالہ کر گیا لیکن

تعجب ہے کہ وہ اول اپنی حیات میں اپنی بیعت توڑ دینے کا حکم
کرتا تھا کہ اوسکو لوگ چھوڑ دیں۔ لیکن مرنے کے وقت دوسرے
فلاں کے حوالہ کر گیا اور واقعی یہ ہے کہ پستان ناقہ خلافت کو دونوں
نے آپسمیں خوب بانٹ لیا۔ افسوس خلافۃ کو ایک درشت مزاج
اور تندخو کے حوالہ کر دیا جس کی زبان کے زخم نہایت کاری تھے۔
اور جس کا چھونا بھی ناگوار تھا۔ جسکے کردار اور گفتار دونوں ناہموار
تھے۔ اور اپنی لغزشوں پر عذرخواہ بھی ہوتا تھا۔ اس شخص کی مثال
ویسی ہی ہے جیسے بوجھ نہ اٹھانیوالے اونٹ پر سوار کی ہے کہ یا
اوسکی ناک پاش پاش کر دے یا اسکو چھوڑ دے تو خود گرے۔
حیات خداوندی کی قسم کہ لوگ اسکے سبب سے خبط میں مبتلا ہو گئے
متلون مزاجیاں دامنگیر ہو گئیں۔ اعتراضوں کی بوچھار ہونے
لگی۔ بہرکیف میں نے اس طول مدت پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ
یہ شخص اپنے راستہ پر گزر گیا اور امر خلافت کو ایک جماعت کے
سپرد کر گیا اور گمان کیا کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ یا اللہ
میں اس شوریٰ کی بابت فریاد کرتا ہوں۔ مجھکو اول کے مثل بنا کب
پسند تھا کہ الیسوں میں سے ایک ہو جاؤں۔ لیکن جب یہ لوگ زمین
کیطرف اوترے تو میں بھی اوترا اور جب یہ اونچے اوڑان گئے تو
مجھکو بھی جانا پڑا۔ پس ان میں کا ایک شخص بغض سے میرا دشمن
ہو گیا اور دوسرا اپنے داماد کی طرف مائل ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔
یہاں تک کہ اس قوم میں سے تیسرا شخص فلاں خلافۃ پر قائم ہو گیا
اور اوسکی یہ حالت تھی کہ اپنے معدہ کو مال دنیا سے بھر لیا اور

اوسکے بھائی بند بھی مال خدا کو اس طرح کھانے لگے جیسے اونٹ
فصل بہار کی گھاس کو چر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ قبیلے اوس پر
ٹوٹ پڑے اور اوسکے عمل نے اوسکو قتل کر ڈالا اور اوس کی
شکم پُری نے اوسکو اوندھا منہ کے بل گرادیا۔ اس وقت بھی کسی
چیز نے مجھے خوف وخطر میں مبتلا نہیں کیا مگر یہ کہ لوگ میری طرف
ہجوم کرکے آتے تھے اور چاروں طرف سے بیعت کے لئے مجھے
گھیر لیا۔ یہاں تک کہ حسنین علیہم السلام اس کش مکش میں پامال
ہوگئے اور میری ردا شگافتہ ہوگئی اور بکریوں کے گلے کی طرح
لوگ میرے گرد جمع ہو رہے تھے۔ جب میں نے امر خلافت کو قائم
کیا تو ایک گروہ ناکثین میں داخل ہو گیا۔ ایک جماعۃ خوارج
اپنے اقوال سے پھر گئی اور کچھ لوگ فاسق ہو کر اطاعۃ خداوندی
سے باہر ہوگئے۔ گویا انھوں نے خدائے بزرگ کا یہ کلام سُنا ہی
نہ تھا کہ تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض
ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین (یعنی یہ آخرت کا مکان ہیں نے اون
لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین پر سرداری۔ جاہ طلبی۔ اور فتنہ
وفساد کا ارادہ نہیں کرتے اور آخرت تو پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے)
نہیں اونھوں نے اس کلام کو سُنا تھا اور اون کے دلوں میں محفوظ
تھا۔ لیکن اونکی آنکھوں کے سامنے دنیا حائل ہوگئی اور اپنے
جمال پر اونکو فریفتہ کرلیا۔ ہاں آگاہ رہو قسم ہے اوس ذات کی
جس نے دانہ کو شگافتہ کیا ہے اور انسان کو مخلوق کیا ہے اگر
حاضرین کی کثرت نہ ہوتی اور ناصرین کا ہجوم قیام حجت کے لئے نہ

ہوتا اور مجھے اس عہد اور میثاق کا بھی خیال نہ ہوتا جو پروردگار نے علماء سے لے لیا ہے کہ ظالم کو مسکینوں اور غریبوں کے مال کھانیکی اجازت نہ دیجائے۔ اور مظلوم ظالم کے ستم سے بھوکا نہ رہے تو بے شک میں خلافت کی مہار کو اوس کے اونٹ کے کوہان پر ڈالدیتا اور مثل قبل کے اس کو ترک کردیتا اور دنیا میرے نزدیک بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ذلیل ہے (تمام ہوا خطبہ)

غرض حضرت کا خلافت کو قبول کرنا تھا کہ امت رسولؐ نے بغاوت وفساد شروع کردیا اور ایک ساعت بھی اسکے روادار نہ ہوئے کہ آل رسول میں خلافت رہنے پائے۔

حضرتؑ نے اپنے بعد کے لئے یہ پیشین گوئی ارشاد فرمائی:۔

"یقیناً میرے بعد تم پر ایک شخص غالب ہوگا جس کا حلقوم کشادہ ہوگا۔ اس کا شکم بہت بڑا ہوگا جس چیز کو پاویگا کھالیگا۔ اور جو چیز میسر نہ ہوگی اسے طلب کریگا۔ چاہئے کہ تم اوسکو قتل کرو مگر تم اس کو قتل نہیں کرسکو گے۔ خبردار ہوجاؤ وہ تم کو مجھے سب وشتم اور مجھ سے بیزاری کرنے کا حکم دیگا۔ لیکن تم صرف سب وشتم کرلینا کیونکہ اسمیں تمہاری حفاظت ہے اور میرے لئے زکوٰۃ ہے یعنی خیرات۔ باقی بیزاری اور تبرا تو ہرگز مجھسے بیزاری نہ کرنا کیونکہ فطرۃً میں دوسروں کو اسلام سکھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں اور ایمان اور ہجرت کی طرف میں نے سبقت کی ہے۔

غرض حضرتؑ کو حالت نماز میں دھوکے سے قتل کردیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے انصار کی قلت دبیدلی پر

نظر فرما کر معاویہ سے صلح کر کے خلافت سے علحدہ ہو گئے اور مسلمانونکی باہمی جنگ اور خونریزی کو موقوف فرمایا۔ اور معاویہ نے حکمراں ہو کر جناب علی علیہ السلام کی کل پیشینگوئیوں کی تصدیق کر دی۔ اوسکے بغاوت کر کے سلطنت حاصل کرنیکا نام قہر واستیلاء رکھا گیا ہے۔ غرض سابقین نے اول خلافۃ کی بنیاد اجماع بتائی ہے۔ دوسری خلافۃ کی بنیاد استخلاف اور تیسری کا نام شوری اور چوتھی خلافۃ معاویہ کی اصل قہر واستیلاء قرار دی ہے۔ ان چاروں کے اصول میں جو فرق ہے وہ اظہر من الشمس ہے لیکن اس الزام کے مٹانے کے لئے کہ خدا کے قانون میں ردو بدل نہیں ہے اور وہ ایک اصول سے ہوتا ہے اور اصول خلافۃ ہر زینہ پر رنگ بدلتا ہے۔ ہواخواہان خلافت تاویل کرتے ہیں کہ اگرچہ اول تین خلافتوں کی بنیاد کی صورتیں مختلف ہیں لیکن واقعاً سب شوریٰ کے ماتحت ہیں اور شوریٰ ایسی چیز ہے کہ اسکے متعلق ایک پوری سورہ خداوند عالم نے نازل فرمادی ہے۔ ماشاءاللہ کیا استدلال ہے۔

یہ استدلال ویسا ہی ہے جیسا ان دنوں قربانی کی نزاع میں ایک شخص نے پوچھا گیا کہ گائے کی قربانی کا حکم قرآن سے ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ یہ ایسی ضروری چیز ہے کہ پوارا ایک سورہ گائے کا یعنی سورۃ البقرہ خداوند عالم نے نازل فرما دیا ہے۔ حالانکہ اس سورہ میں قربانی کا کوئی ذکر بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایک دوسرا ہی قصہ ہے جسمیں خداوند عالم نے ایک باچھی ذبح کرنیکا حکم دیا تھا۔

بہرکیف میں شوریٰ یعنی مشورہ کے حق ہونے سے انکار نہیں کرتا
اس کا حکم ایک ایک آیۃ میں (نہ کہ پورے سورہ میں) دو جگہ ہے اولاً
سورہ آل عمران کے رکوع ۱۷ میں ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ یعنی
اے رسول تم اُن لوگوں سے مشورہ کرلیا کرو۔ پھر دوسری جگہ سورہ
الشوریٰ کے رکوع ۴ میں ہے وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ۔
یعنی اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور
اون کے کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اونھیں
عطا کیا ہے اوس کو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اونھیں کے لئے
خدا کے ہاں پائیدار اور اچھی چیزیں ہیں۔

ان دونوں مشوروں سے مراد وہ مشورہ ہے جو دنیا کے فعل مباح
کے بارے میں ہوتا ہے نہ کہ ہر امر میں۔ کیا خداوند عالم ان آیات سے
یہ اجازت دیتا ہے کہ آپ مشورہ کریں کہ خدا کی پرستش کیجاوے
یا نہ کی؟ کیا اسکی اجازت ہے کہ اسمیں مشورہ کیا جائے کہ حضرت
محمدؐ ابن عبد اللہ کو رسول مانا جائے یا مسیلمہ کذاب کو؟ کیا اس میں
اسکی اجازت ہے کہ مشورہ کیا جائے کہ نماز دو رکعت پڑھی جائے یا چار
رکعت یا چھ رکعت؟ کیا اسمیں یہ اجازت ہے کہ مشورہ کرکے روزہ
کے دِنوں کو گرمی کے زمانہ سے معتدل فصل میں کردیا جایا کرے؟
کیا اسکی اجازت ہے کہ محرمات سے مشورہ کرکے عقد کیا جائے یا
مشورہ کرکے مشرکین سے عقد کیا جائے؟ کیا اسکی اجازت ہے
کہ مشورہ کرکے شراب پی جائے؟ مختصر یہ ہے کہ جن باتوں کا خداوند

عالم نے حکم دیدیا ہے اسمیں مشورہ نہیں ہے صرف جہاں چند امور
ایک طرح کے پیش ہوں اور کل مباح ہوں اُن میں سے ایک کو اختیار
کرنے کیلئے مشورہ کی اجازت ہے وبس۔ اگر خداوند عالم یا رسولخداؐ
امت کو اجازت دیدیئے ہوتے کہ رسولخداؐ کے وصال کے بعد آپس میں
سے کسی ایک شخص کو سردار منتخب کرلینا تو اس بارہ میں مشورہ صرف جائز
نہیں بلکہ واجب ہوتا لیکن جب خداوند عالم نے آیات قرآنی سے
ظاہر فرمادیا کہ اصحاب کبار ایسے تھے کہ وہ ہمیشہ جنگ سے فرار
کیا کرتے تھے۔ نمازی ایسے تھے کہ رسولخداؐ کو نماز میں کھڑا چھوڑ کر
کھیل تماشے سوداسلف میں دوڑ جاتے تھے۔ اور بعد رسولخداؐ نماز
کی ایسی صورت بدلدی کہ وہ رسولخداؐ کے وقت کی نماز ہی نہیں معلوم
ہوتی تھی۔ سخی ایسے تھے کہ ذرہ برابر خیرات کی ڈر سے رسولؐ کی
صحبت سے غائب ہو گئے اور جب تک آیہ نجویٰ منسوخ نہ ہولیا
پاس تک نہ پھٹکے۔ معتمد ایسے کہ رسولخداؐ نے جو دس آیتیں سورہ التوبہ
کی حضرت ابوبکر کو تبلیغ کے لئے دیں انکو خداوند عالم نے چھنوا
لیا۔ فرماں بردار ایسے کہ رسولخداؐ کی زبانی لعنت سنی لیکن لشکر
اسامہ کے ساتھ نہ گئے۔ اور وفادار ایسے کہ رسولخداؐ کو وصیت
لکھنے نہ دی اور گھر سے نکلوائے گئے۔ بامروت ایسے کہ دنیا طلبی
میں رسولؐ کے دفن وکفن کی بھی فکر نہ رہی۔ اور قرآن کے ساتھ
ایسا سلوک کیا کہ رسولخداؐ فریاد کرینگے۔ جیسا سورہ فرقان رکوع
۳ میں ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ۔ یعنی

رسولؐ عرض کرینگے اے میرے پروردگار میری قوم نے تو اس قرآن کو بکواس بنادیا تھا (اس سے مہجوری یعنی کنارہ کشی اختیار کرلی تھی) اور اسی طرح ہر نبی کے لئے ہم نے گنہگاروں کو دشمن بنادیا ہے۔ پس ہزار شوریٰ ہو۔ ہزار اجماع ہو لیکن ان اوصاف کے اشخاص میں سے کسی کو سردار اور ہادی بنا کر انسان خداوند عالم کی خوشنودی ہرگز حاصل نہیں کرسکتا۔ بلکہ ایسوں کا ساتھ پکڑکے قیامت میں ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹنا ہوگا جسکی خبر اُس سورہ کے رکوع ۳ میں یوں ہے:۔ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ۝ یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا۔ یعنی جس دن ظلم کرنے والا اپنا ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہیگا کاش رسولؐ کے ساتھ میں بھی رستہ پکڑتا۔ ہائے افسوس کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا بیشک اور یقیناً اس نے ہمارے پاس نصیحت آنے کے بعد بہکایا اور شیطان تو آدمی کا رسوا کرنے والا ہی ہے۔ یہاں لفظ فلاناً سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ کوئی خاص شخص مراد نہیں ہے۔ قرآن کو رسولِ خدا کی قوم یعنی قریش نے خراب کیا اور یہی رسولؐ کے دشمن تھے۔ قوم کی کس فرد کے ہاتھ میں قرآن کی وہ گت ہوئی جو اوپر عرض ہوئی اور جو ظاہر ہے۔ اور انہیں لوگوں کے واسطے خداوند عالم نے لفظ فلاناً استعمال کیا ہے اور صریح نام نہیں لیا تاکہ مثل اور اسمائے منافقین یہ نام اور آیت بھی نہ نکال دی جائے۔ اس پر بھی اگر تشخیص شخص میں شبہ ہو تو خطبہ شقشقیہ جسکا

کرنے لگے" سورہ الاعراف رکوع ۲۱۔ یہ نظیر خلافت حضرت ابوبکر
عمر و عثمان پر کس قدر چسپاں ہے۔ جسمیں قرآن میں رد و بدل کیا
گیا۔ نام حذف کئے گئے اور بالآخر چھ قرأت کو سپرد آگ کر کے
صرف ایک قرأت باقی رکھی جس کا ذکر مفصل اس رسالہ میں ہے۔
پھر دوسری نظیر قرآن پاک میں یہ ہے " اونکے بعد کچھ لوگ خلیفہ
بن بیٹھے اور نماز کو ضایع کیا اور خواہشات نفسانی کی پیروی
کی جس کا نتیجہ ضرور پائیں گے" سورہ مریم رکوع ۴۔ یہ نظیر معاویہ
اور دیگر خلفاء بنی امیہ پر کس قدر چسپاں ہے۔ جنہوں نے نماز
کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی۔ جس پر کافی روشنی
اس رسالہ میں ڈالی گئی ہے۔
آپ کہیں گے کہ اگر ایسا ہے تو جناب امیر علیہ السلام مشورہ کا ضروری
ہونا اور اوسکی اہمیت کو اپنے خطبہ میں کیوں ارشاد فرماتے ہیں۔
میں نے قبل میں جو حضرت کے خطبات سے کام لیا ہے وہ صرف
اس موقع کے لئے تھا ورنہ مجھکو اسکی ضرورت نہ تھی اکثر حضرات
خطبہ کے ایک فقرہ کو لیکر عوام کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں اُنکی تردید
کے لئے میں نے اوپر خطبوں کا ذکر کیا ہے کہ واقعی حضرت کا جو
خیال تھا وہ معلوم ہو جائے کہ آیا حضرت شوریٰ کو جائز سمجھتے
تھے یا ناجائز۔ جو بزرگ شوریٰ کے متعلق خدا سے فریاد کرے
وہ کیونکر اُس کو جائز فرما سکتا ہے۔
بات یہ ہے کہ کلموا الناس علی قدر عقولھم مشہور مقولہ ہے جس
شخص کی جیسی فکر اور سمجھ ہو اوس سے اوسی طرح کی بات کرنا مناسب

ترجمہ اور پر بحث کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اسمیں بھی حضرت علیؑ اس فلاں اور فلاں کا نشان بتاتے ہیں گویا کہ یہ خطبہ اس آیہ مبارکہ کی تفسیر ہے۔ ورنہ فلاں کے استعمال کی ضرورت نہ تھی۔ آپ نے اونکے اوصاف اور کرتوت ایسے صاف اور کھلے لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو اُنکا نام ظاہر کرنا منظور نہ تھا بلکہ میرے خیال میں لفظ فلاں محض بہ تطابق قرآن پاک استعمال فرمایا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ جس شخص کیطرف خداوند عالم نے لفظ فلاں سے مراد لیا ہے وہ فلاں یہی حضرات ہیں جن کا ذکر اس خطبہ میں ہے۔ غرض جب قوم رسولؐ کی یہ حالت ہے تو اُنکے لئے کسی کا مشورہ کارگر نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسے امر میں جس میں خداوند علم نے مشورہ کی اجازت ہی نہیں دی ہے اور سیرت انبیاء سے بتا دیا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے خلیفہ و جانشین کے لئے خداوند عالم ہی سے استدعاء فرمائی۔ حضرت زکریا نے خداوند عالم ہی سے اپنے خلیفہ اور وارث کے لئے دعا کی۔ حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کی وزارت کے لئے خدا ہی سے درخواست کی۔ حضرت یعقوب کے وارث یوسف کو خدا ہی نے منتخب کیا۔ اور بحکم خداوند عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے آیہ انذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل کے وقت جناب علیؑ سے خلافہ کا معاہدہ فرمایا کہ آپ کے بعد خلیفہ ہونگے۔ اور جو شخص بغیر حکم خداوند عالم و وصیت رسولؐ و نبی خلیفہ بن بیٹھے اسکی طرف قرآن پاک میں یوں اشارہ ہے " انبیاء کے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے جو کتاب خدا کے وارث بنکر کمینی دنیا کا ساز و سامان حاصل

ہے ۔جب تک لوگ اجماع، استخلاف اور شوریٰ کے حیلہ سے حضرت کو خلافت سے محروم رکھے ہوئے تھے اوس وقت تک حضرت برابر اپنے حق کا اظہار فرمایا کئے۔ کبھی انذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل میں جو معاہدہ ہوا تھا اوس کا ذکر فرماتے۔ کبھی غدیر خم پر جو حضرت نے من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ فرمایا تھا اوس کا ذکر فرماتے۔ لیکن کبھی شوریٰ کا لفظ یا اوسکی تعریف زبان پر نہ لاتے۔ جب ان سب حیلوں کا زمانہ گزر گیا اور آپ نے باصرار امت عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لی تو لوگ لگے بغاوت کرنے اور بیعت کرکے اوس سے انکار کرنے۔ اُنکے مقابلہ میں بھی اولاً آپ نے اپنے حق کا اظہار کیا اور بعد کو اجماع کا۔ چنانچہ اُس خطبہ کے بعض بعض فقروں کو نقل کرکے ناظرین سے انصاف طلب ہوں۔

وقد قال قائل انک علی ھذا الامر یا ابن ابیطالب لحریص۔ فقلت بل انتم واللہ لاحرص وابعد وانا اخص واقرب۔ وانما طلبت حقالی وانتم تحولون بینی وبینہ وتضربون وجھی دونہ فلما قرعتہ بالحجۃ فی الملاء الحاضرین۔ ھب کانہ لایدری ما یجیبنی	ایک کہنے والے نے (یعنی حضرت عمر نے) مجھ سے کہا اے ابن ابیطالب تم خلافۃ کیلئے بہت حریص ہو۔ میں نے کہا بلکہ تم بہت زیادہ حریص ہو حالانکہ اوس سے بہت دور ہو اور میں اسکے لئے مخصوص اور قریب تر ہوں۔ بیشک میں نے اپنا حق طلب کیا اور تم میرے اور میرے حق کے درمیان

به نحو اجا بجروا حرمة
رسول الله صلعم كما
تجر الامة عند شرائها
متوجهين بها الى البصرة
فحبسا نسائهما فى بيوتهما
وابرزا حبيس رسول الله صلعم
ايها الناس ان احق الناس
بهذا الامر اقواهم عليه
واعلمهم بامر الله فيه
فان شغب شاغب استعتب
فان ابى قوتل ولعمرى لئن
كانت الامامة لا تنعقد حتى
تحضرها عامة الناس فما الى
ذلك سبيل ولكن اهلها يحكمون
على من غاب عنها ثم ليس للشاهد
ان يرجع ولا للغائب ان يختار

حائل ہوئے اور میرے ارادون
کے منہ پر طمانچہ مارا۔ جب بھری
مجلس میں میں نے حجت اور
دلیل سے اوسکو گوشمالی دی
تو وہ مبہوت ہو گیا گویا کہ اوسکے
پاس کچھ جواب ہی نہ تھا۔ پس وہ
لوگ نکلے اور زوجہ رسولخدا ؐ
کو اس طرح کھینچے ہوئے لیگئے
جیسے لونڈی کو خریداری کے
وقت کھینچا کرتے ہیں اُسے
لیکر بصرہ کیطرف گئے ان دونوں
نے (یعنی طلحہ اور زبیر) اپنی
عورتوں کو تو گھر میں رکھا اور
رسول ؐ کی حرم کو میدان جنگ
میں لے گئے۔ ایہا الناس
خلافت کا سب سے زیادہ مستحق
وہ ہے جو اسکی قوت رکھتا ہو اور اوسکے بارے میں خدا کا حکم
سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اگر کوئی فساد کرنے والا فساد کرے
تو اوسکو راستہ پر لانیکی کوشش کیجاویگی اور اگر وہ نہ مانے گا
تو قتل کیا جائیگا۔ مجھے جان کی قسم اگر خلافت اوسوقت
تک منعقد نہ ہو جبتک کل مسلمان حاضر نہ ہولیں تو پھر امامت کی

کوئی راہ بھی نہیں ہے۔ لیکن انعقاد امامت کرنے والے اس پر بھی حکم لگادیتے ہیں جو غائب ہیں اب حاضر کے لئے (مثل طلحہ و زبیر کے) اپنے قول اور بیعت سے پلٹنے کا موقع ہے اور غائب کو (مثل معاویہ کے) یہ کہنے کا حق ہے کہ میں انعقاد بیعت کے وقت نہ تھا۔ ہم کو اختیار ہے کہ چاہے بیعت کریں یا نہ کریں۔

اس کلام اور تقریر سے کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت خلافت کا انعقاد شوریٰ کے ذریعہ سے بتاتے ہیں۔ اول اپنے حق کا اظہار کرتے ہیں اوسکے بعد طلحہ و زبیر و معاویہ کے فساد کا ذکر فرماتے ہیں اور اُن لوگوں کے افعال کی برائی اور اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ غرض کسی کے قول کے ایک جملہ کو لیکر عوام کو دھوکا دینا مناسب نہیں ہے۔ اگر کسی کے قول سے کوئی سند النسان لائے تو لازم ہے کہ اگر ممکن ہو تو پورا قول نقل کردے یا کم سے کم قبل اور بعد کے اجزاء کو بھی نقل کردے۔

الحاصل امر بالمنکر اور نہی عن المعروف کے بہت سے نمونے پیش ہوگئے اور سب پر بالا انکی علامت کہ مومنین کی نماز کے مقابلہ میں وہ ہاتھ باندھتے ہیں کوئی تاویل کی گنجائش نہیں چھوڑتی کہ کسی طور سے اونکو گروہ منافقین سے نکال کر مومن ظاہر کیا جائے بلکہ بغیر حکم خداوند عالم اور وصیت رسول خود بخود خلیفہ بن بیٹھے تو عذاب خدا کے مستحق ہوئے جیسا قرآن کی آیت سے ثابت کیا جاچکا ہے۔

اب میں تین آیتوں کا اور ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے حضرت ابوبکر

وعمرکی تعریف کی جاتی ہے۔ اول آیۃ یہ ہے سورہ النور رکوع ۷:۔
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔

یعنی خداوند عالم نے اُن لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور عمل صالح کرینگے اُنکو زمین پر ضرور خلیفہ بناویگا جیساکہ قبل لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُس دین کو جو اُن کے لئے پسند فرمایا ہے ضرور قوت دیگا اور اُن کے خوف کو امن اور اطمینان سے بدل دیگا۔

اولاً خلیفہ کے معنی کی تحقیق ضرور ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ شخصی خلافت حضرت ابوبکر و عمر کی یا قومی حکومت کہ مسلمان بحیثیت مجموعی اس قابل ہو جاوینگے کہ کفار اونکو ستا نہ سکیں گے اور وہ آزادانہ اور مہذبانہ زندگی بسر کرینگے۔ چونکہ اس آیہ کریمہ میں ویسی ہی خلافت کا وعدہ ہے جیسا خداوند عالم نے سابقین کو عنایت فرمائی تھی۔ لہذا انکی خلافت پر نظر کرنے سے صحیح مفہوم حاصل ہو سکتا ہے۔ ان خلافتوں کا تذکرہ حسب ذیل آیات میں ہے:۔

سورہ النمل رکوع ۵ میں خداوند عالم اپنی قدرتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے ویجعلکم خلفاء الارض یعنی خدا تم کو زمین کا خلیفہ بنایا کرتا ہے یعنی ایک قوم کو بحیثیت مجموعی دوسری قوم کا جانشین بناتا ہے۔ سورہ یونس رکوع ۸ میں فرماتا ہے:۔ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔
یعنی جب قوم نوح نے اونکو جھٹلایا تو ہم نے اُنکو اور اُنکے ساتھ جو

کشتی میں تھے نجات دی اور اُن سب کو خلیفہ بنایا۔ یعنی اگلی نافرمان قوم کا جانشین بنایا اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اون کو ڈوبا مارا۔ سورہ الاعراف رکوع ۹ میں ہے:۔ وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً یعنی اے قوم عاد یاد کرو جب خدا نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ یعنی جانشین بنایا اور تمہاری خلقت میں بھی زیادتی کردی۔ پھر رکوع ۱۰ میں ہے:۔ وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ یعنی اے قوم ثمود یاد کرو کہ خدا نے تم کو قوم عاد کے بعد خلیفہ یعنی جانشین بنایا۔ سورہ ہود رکوع ۵ میں ہے۔ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ یعنی میرا پروردگار دوسری قوم کو خلیفہ بنادیگا۔ یعنی دوسری قوم کو تمہاری جگہ بٹھادیگا ان سب نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ایک قوم بت پرستی شرک اور دوسرے قبائح میں مبتلا رہتی ہے تو نہ اسمیں قوت ہوتی ہے۔ نہ امن نہ تہذیب۔ لیکن جب یہ لوگ کسی نبی کی ہدایت سے بت پرستی اور شرک سے تائب ہوکر اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لاتے ہیں اور قبائح کو ترک کرکے عمل صالح کرتے ہیں تو خداوند عالم اُنکو قوت دیکر غیروں پر غالب کردیتا ہے اور وہ مہذب زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ پھر ہوا و ہوس میں مبتلا ہوکر پستی کیطرف جاتے ہیں اور دوسری قوم اُن پر غالب ہوجاتی ہے۔ پس اس آیت میں بھی دنیاہی وعدہ ہے۔ کہ اے قوم عرب جو خدائی تعلیم کو بھلاکر وحشی بنے ہوئے ہو اور فسق و فجور میں مبتلا ہو اگر تم لوگ رسولخدا پر ایمان لاؤ اور عمل صالح کرو تو خداوند عالم تم کو زمین کا ویسا ہی مالک بنادیگا جیسا قوم نوح۔ عاد

ثمود وغیرہ کو قبل میں بنایا تھا۔ اس سے خلیفہ صاحب کی خلافت ہرگز مراد نہیں ہے۔ گویا کہ خداوند عالم نے عرب کے اسلام لانے کی یہ جزا اور انعام مقرر فرمایا تھا اور جب اہل عرب ایمان لائے اور عمل صالح کیا تو وہ انعام انکو رسولخدا کی حیات ہی میں مل گیا جسکی خبر خود قرآن پاک سورہ یونس رکوع ۲ میں ہے ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۔ یعنی اگلی قوموں کے بعد ہم نے تم کو انکا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تمہارا عمل کیسا ہوتا ہے۔ پس جب یہ قومی خلافت رسولخدا کے زمانہ ہی میں حاصل ہو گئی تو آیہ استخلاف کے ذریعہ سے حضرت ابوبکر اور عمر کی تعریف کرنی بالکل افتراء اور تحریف ہے۔

اس خلافت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ہر فرد اہل عرب کا ایماندار اور نیکوکار اور مومن خالص بھی ہو گیا۔ خواہ وہ رعیت ہو خواہ تخت کا مالک۔ نہ ایسا کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ صرف اکثریت پر دلالت کرتا ہے کہ جب قوم عرب عموماً کفر ترک کرکے مسلمان ہوئی اور مہذب زندگی بسر کرنے لگی تو کفر مغلوب ہو گئے اور ملک عرب اسلام کی ملکیت میں آ گیا۔ اگر بعض افراد ان میں سے کافر ہی رہ گئے یا بعض منافق رہے تو بھی اس وعدہ میں نقصان نہیں ہوتا۔

ان نظائر سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قومی خلافت جیسی امم سابقین کو خداوند عالم نے عنایت کی تھی ایسی ہی امت محمدی کو حسب وعدہ آیہ استخلاف عنایت فرمائی۔ اور یہ وعدہ رسولخدا ہی کے وقت میں پورا ہوا جسکی شاہد سورہ یونس کی آیت ہے۔ اور پھر سورہ فاطر رکوع ۵ میں فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ

یعنی وہ ہی خدا ہے جس نے تم لوگوں کو زمین کی خلافت بخشی پھر جس شخص نے نافرمانی کی تو اوسکی نافرمانی کا وبال اُس پر ہے۔ غرض آیہ استخلاف سے مراد قومی خلافت ہے اور اس کی تفویض خداوند عالم کے پسند و انتخاب سے ہوا کرتی ہے۔ کوئی قوم خود ارادہ کر کے خود بخود خلافت نہیں حاصل کر سکتی خدا چاہتا تو نبی صلعم کو عجم۔ عراق۔ مصر بلکہ ہند میں مبعوث کرتا اور جس قوم کے لئے خدا رسول صلعم کو پسند فرماتا وہی قوم خلیفہ ہوتی۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کے قصہ میں اسی اصول خلافت اور انتخاب خداوندی کی طرف اشارہ ہے جسکے لئے فرشتے اپنی عصمت۔ تسبیح اور تقدیس کا ذکر کر کے خواہشمند ہوئے تھے۔ اور اوس کا ذکر یوں ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتے بولے کہ کیا تو ایسی قوم کو خلیفہ کریگا جو دنیا میں فساد اور خونریزی کرینگے۔ حالانکہ ہماری قوم تیری تسبیح اور تقدیس کرتی ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم لوگ نہیں جانتے دیکھا فرشتہ ایسی معصوم قوم اپنی خواہش اور ارادہ سے خلیفہ نہیں ہو سکتی اور ہوتی ہے خلیفہ انسان کی قوم جب خداوند عالم اوسکو پسند کرتا ہے۔ حالانکہ حضرت آدم کی اول ہی اولاد نے خونریزی شروع کر دی اور قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا۔ یہ بھی نظائر قرآنی سے ثابت ہے کہ جس قوم کو خداوند عالم نے انتخاب کیا وہاں ہادی بھیجدیا۔ اور جب عموماً اوس قوم کے لوگ ہادی پر ایمان لا کر خدا کی وحدانیت کے قائل ہوئے اور عمل

صالح کرنے لگے تو اونکو خلافت عنایت ہوئی۔ اگرچہ کچھ لوگ اوس قوم کے بدکار اور منافق بھی رہے تو وہ مانع حصول خلافت نہ ہوئے۔ یہ قاعدہ قومی خلافت کا ہے۔ یہی قاعدہ شخصی خلیفہ اور ہادی کا ہے کہ خود بخود کوئی انسان کسی قوم کا خلیفہ اور ہادی نہیں بن سکتا۔ جب تک خداوند عالم اوس کو نہ پسند کرے اور نہ بناوے۔ اس قاعدہ کی مثالیں حسب ذیل ہیں ملاحظہ ہوں۔

سورہ ص رکوع ۲:۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اے داؤد ہم نے تم کو دنیا میں خلیفہ بنایا پس انسان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ پیروی تم کو اللہ کے راستہ سے بہکا دیگی۔

حضرت سلیمان نے بھی اپنی خلافت اور حکومت کے لئے خدا ہی سے درخواست کی اور فرمایا:۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ بَعْدِيْ یعنی خداوندا مجھکو بخش دے اور مجھکو وہ سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔ سورہ انعام رکوع ۱۰ میں حضرت ابراہیم سے لیکر بہت سے انبیاء کا ذکر کر کے ملخص خداوند عالم یوں فرماتا ہے:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوۃ عطا کی ہے۔ یہ سب خلفاء معصومین کی مثال ہے جو نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ اور طالوت کی مثال غیر معصوم بادشاہ کی ہے جو نبی نہ تھے۔ جن کے بارے میں نبی شمویل فرماتے ہیں:۔ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا یعنی حضرت شمویل نے یہودیوں سے کہا کہ بے شک خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے

(سورہ البقرہ رکوع ۲۲) - الغرض شخصی حکومت خواہ انبیاء علیہم السلام کی ہو خواہ بادشاہ غیر معصوم کی - سب کو خدا ہی منتخب کرتا ہے اور مقرر کرتا ہے - اور خود بخود نہ کوئی نبی اور ہادی بنتا ہے اور نہ بادشاہ -

اب خود بخود خلیفہ بن بیٹھنے کے نظائر قرآن پاک سے ملاحظہ ہوں:- یعنی وہ لوگ جن کو نہ خدا نے خلافت کے لئے منتخب کیا اور نہ جنکے بارے میں رسولخداؐ نے وصیت فرمائی -

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِہِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا یعنی صلحاء کے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے اور کتاب خدا کے وارث بنے تاکہ اس کمینی دنیا کا ساز و سامان حاصل کریں اور کہتے ہیں کہ ہم عنقریب بخش دیئے جائیں گے (سورہ الاعراف رکوع ۲۱)

دوسری مثال سورہ مریم رکوع ۴ میں ہے - جہاں خداوند عالم انبیاء و خلفاء معصومین کا ذکر کر کے فرماتا ہے :- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ یعنی یہ انبیاء جنھیں خدا نے اپنی نعمت دی آدم کی اولاد سے ہیں - جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں سے ہیں جن کی ہم نے ہدایت کی اور منتخب کیا - جب اُنکے سامنے خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو زار و قطار

روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ پھر اونکے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور یہ لوگ یقینی گمراہی کا نتیجہ پاوینگے۔

ان نظائر سے تین طرح کی خلافت کا پتہ چلتا ہے جو امم سابقین میں واقع ہوئی ہیں۔ ایک قومی خلافت یعنی جس قوم کو خداوند عالم منتخب کرتا ہے وہاں ہادی اور رہنما بھیجدیتا ہے۔ اور جب قوم اوس ہادی کی ہدایت قبول کر کے عمل صالح کرنے لگتی ہے تو اوسکو فروغ ہوتا ہے یہاں تک کہ کل قوموں پر غالب ہوکر متمکن ہوجاتی ہے۔ دوسری خلافت شخصی ہے۔ خواہ وہ شخص نبی و رسول معصوم ہو مثل حضرت داؤد و سلیمان ابراہیم و محمد مصطفےٰ صلعم کے۔ خواہ وہ بادشاہ غیر معصوم ہو مثل طالوت کے۔ ان خلفاء کا بھی انتخاب خدا ہی کے لئے ہے۔ یہود نے اعتراض کیا کہ طالوت کمزور ہیں مفلس ہیں۔ ہم لوگ قوی ہیں۔ مالدار ہیں۔ ہم میں سے کسی کو بادشاہ ہونا چاہئے لیکن خداوند عالم نے ایک نہ سُنی اونکی اور یہودیوں کی مثال بجنسہ حضرت آدمؑ اور فرشتوں کی مثال ہے تیسری خلافت وہ ہے کہ انسان خود بخود خلیفہ بن بیٹھے۔ نہ خدا ہی کا حکم اوسکے متعلق ہو اور نہ رسول و نبی کی وصیت ہو۔

نہ معلوم ان تین طرح کی خلافتوں میں سے حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان وغیرہ کو کون سی خلافت ملی تھی اور وہ کس نظیر کے مصداق ہیں۔ دیکھئے اول آیت جس میں خود بخود خلیفہ بنکر کتاب خدا کے مالک بننے کا ذکر ہے کس قدر حضرت ابوبکر۔ عمر و عثمان کی خلافت سے چسپاں ہے۔ جسمیں قرآن کی آیات حذف کی گئیں۔ منافقین کے نام غائب کئے گئے اور آل رسولؐ

گے فضائل پر پردہ ڈالا گیا اور قرآن کی وہ گت ہوئی جو اس رسالہ میں واضح کی گئی ہے۔ اور دوسری آیت کے مصداق معاویہ۔ یزید اور دیگر خلفا بنی امیہ ہیں جنہوں نے نماز کو ضائع کیا۔ نفسانیت ایسی کی کہ حضرت علیؑ ایسے خلیفہ برحق سے بغاوت کی اور بزلعنت کی بدعۃ قائم کی خلاف معاہدہ اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد مقرر کیا جو خلیفہ ہو کر کل محرمات شرعیہ کو حلال کر بیٹھا اور سب نے آل رسولؐ کی بیخکنی پر کمر باندھی

الحمدللہ کہ ان خلف میں سے کسی کے متعلق یہ روایت نہیں ہے کہ خداوند عالم نے اونکو منتخب کیا یا رسولخداؐ نے اونکی نسبت وصیت فرمائی بلکہ جیسا اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ خدا اور رسول دونوں نے رسولخداؐ کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت کا حکم دیا تھا اور طرح طرح سے امت کو اولاد رسولؐ کے متعلق وصیت کی تھی۔ اور وقت آخر حضرت ابوبکر اور عمر کو جیش اسامہ کے ساتھ شام جانے کا حکم دیکر بتا دیا تھا کہ ان ہی سے خلافۃ کے متعلق فساد کا خوف ہے اور یہ ہرگز ہرگز قابل خلافت نہیں ہیں۔ اہلسنت والجماعۃ کا یہ کہنا کہ ہم لوگ کیا کرتے جب انکی خلافت اور سلطنت قائم ہوگئی تو کیونکر مخالفت کر کے اپنے کو تہلکہ میں ڈالتے۔ کچھ کام نہ آویگا بلکہ اونکی مثال قوم عاد کی ہے جسکے بارے میں سورہ ہود رکوع ۶ میں خداوند عالم فرماتا ہے:۔ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ یعنی یہ قوم عاد ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں سے انکار کیا اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر دشمن خدا سرکش کے حکم پر چلتے رہے۔ ہر فعل کا نتیجہ یکساں ہوا کرتا ہے۔ اس عمل کے نتیجے کو خداوند عالم

سورہ الاحزاب رکوع ۸ میں ارشاد فرماتا ہے :- یَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِی النَّارِ یَقُوۡلُوۡنَ یٰلَیۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰهَ وَاَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ○ وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِیۡلَا ○ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمۡ ضِعۡفَیۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ وَالۡعَنۡهُمۡ لَعۡنًا کَبِیۡرًا ○ یعنی جس دن جہنم کیطرف اونکے منہ پھیر دیئے جائیں گے تو کہیں گے کاش ہم خدا کی اطاعۃ کرتے ہوتے اور رسول کا کہا مانے ہوتے۔ اور کہیں گے پروردگارا ہم نے اپنے بڑوں اور سرداروں کا کہا مانا تو انھوں نے ہمیں گمراہ کردیا۔ پروردگارا اون لوگوں پر دوہرا عذاب کر اور اُن پر بڑی سے بڑی لعنت کر۔

پس عوض اسکے کہ آخرت میں یہ نتیجہ ہو جہاں نہ پچھتانا کام آویگا اور نہ تبراء نفع بخشیگا۔ لازم ہے کہ ابھی اُن سے تبراء کرکے خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کیجائے۔

یہ مثال سرکش اور ازخود خلیفہ بن جانے والوں کے پیرو کی ہے۔ اب اُن سرکشوں کے مخالف کی بھی مثال قرآن پاک سے دیکھ لیجے جنہوں نے حق کا ساتھ دیا اور طرح طرح کی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔

سورہ الاعراف رکوع ۱۰ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لِلَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ○ قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِیۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ کٰفِرُوۡنَ یعنی حضرت صالح کی قوم کے متکبرین نے اون بیچارے غریبوں سے پوچھا جو ایمان لائے تھے کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ حضرت صالح اپنے پروردگار کے سچے رسول ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ جن باتوں کا وہ پیغام لائے ہیں ہمارا تو ان پر

ایمان ہے۔ تب وہ متکبرین کہنے لگے کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اوسکو نہیں مانتے۔ بس یہی حالت بیچارے شیعے اور اُن کے اماموں کی ہے۔ کہ جیسے حضرت صالحؑ پر لوگ ایمان نہ لائے ویسے ہی آل رسولؐ جنکی ہر فرد حضرت صالحؑ سے کم نہیں ہے اونپر ایمان نہ لائے اور اُنکے خلاف حکومت قائم کرلی۔ اور جو بیچارے چند شیعہ آل رسول کے قدموں سے لگے رہے تو اُن سے پوچھا کیا تم علیؑ اور اولاد علیؑ پر ایمان لائے ہو اور جب اقرار کیا تو اونکو قتل و غارت کیا اور ہر طرح سے ستایا جس کا نقشہ اخطب خوارزمی کے خطبہ میں درج ہے اور جو امن اور اطمینان رسولخداؐ کے وقت مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا جاتا رہا اور حضرت ابوبکر عمر وغیرہ کی خلافت عوض مصداق آیہ استخلاف ہونے کے آیات کریمہ خَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ کے ہوئی۔

المختصر تین قسم کی خلافتوں کا ذکر قرآن پاک میں ہے:۔ اول قومی خلافت جیسے قوم نوح۔ قوم عاد وغیرہ کی۔

دوسری شخصی خلافت جیسی حضرت داؤد سلیمان۔ حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کی یا جیسے طالوت کی۔

تیسری غصبی خلافت جہاں خود بخود خلیفہ بنکر کتاب خدا کے ذریعہ سے دنیا حاصل کیجاتی ہے نماز ضائع کی جاتی ہے اور ہوا و ہوس کی پیروی کرکے جہنم کے مستحق بنتے ہیں۔

اب یہ اہل انصاف و ایمان کی سمجھ پر موقوف ہے کہ وہ حضرات ابوبکر و عمر وغیرہ کی خلافۃ کو جس کا مصداق چاہیں بنادیں۔

ایک اور اعتراض شیعوں پر ہو سکتا ہے کہ اگر اہلسنت والجماعۃ نے

خلاف حکم خدا ورسول عمل کر کے خلافت قومی کو گنوا دیا تو شیعے جو ہمیشہ آل رسول کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کیوں اونھیں کی طرح زوال میں آ گئے اور اونکی دنیاوی حالت اہلسنت والجماعت سے کسی طرح سے بہتر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خلافت عامہ اور قومی کا حصول اور اوس کا زوال عامہ کے عمل سے ہوتا ہے جیسا قرآنی نظائر سے واضح ہے۔ جب رسول خدا کے وقت میں عامہ عرب نے اسلام قبول کیا تو کچھ لوگوں کا کفر پر باقی رہنا اور کچھ لوگوں کا منافق رہنا مانع خلافت مسلمین نہ ہوا۔ اوسی طرح جب خلفار کی پیروی میں عامہ مسلمین نے سرکشی شروع کر دی اور ظلم و فساد کرنے لگے تو خلافت غائب ہو گئی اور کچھ لوگوں کا حق پر باقی رہنا عامہ کے عمل کے نتیجہ کو نہیں روک سکا۔ جیسا خداوند عالم فرماتا ہے :- وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَّاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ یعنی اُس فتنہ سے ڈرتے رہو جو خاص اونھیں لوگوں پر نہیں پڑتا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے اور یہ یقین جانو کہ خدا بڑا سخت عذاب والا ہے (سورہ الانفال رکوع ۳)

بس اسی سنت خداوندی کے مطابق بیچارے شیعے بھی اس دنیا میں عامہ کی لپیٹ میں آ گئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب خدا کسی موقع پر عذاب نازل کرنیکا ارادہ کرتا تھا تو ایمان داروں اور نیکوکاروں کو وہاں سے ہٹ جانیکا حکم کرتا تھا۔ لیکن امت محمدی سے خدا نے وعدہ کر لیا ہے کہ اُن پر مثل امم سالقہ عذاب نہیں نازل کریگا۔ اس لئے یہ عذاب سے محفوظ ہے اور اونکی نافرمانی کی سزا میں صرف خلافت فی الارض کو سلب کر لیا۔

بہر کیف چونکہ قلیل شیعے کثیر اہلسنت والجماعۃ کے ساتھ مربوط ہیں۔ اس لئے شیعے اسکی کوشش کرتے ہیں کہ اہلسنت والجماعۃ کو صراط مستقیم سوجھ جاوے اور وہ اس پر چلے آویں کہ پھر اسلام کے دن پلٹیں۔
دوسرا وعدہ آیہ استخلاف میں دین کو قوت دینے کا ہے۔ تو یہ وعدہ بھی خدا کے فضل سے رسولخدا کے وقت ہی میں پورا ہوچکا تھا اور اسلام کل اہل عرب پر غالب ہوکر دیگر ممالک میں پیغام اسلام بھیج چکا تھا۔ یہاں تک کہ نویں سال ہجرت میں آپکو خبر ملی کہ ہرقل بادشاہ روم عرب پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کر رہا ہے تو نہ آپکو ہراس ہوا اور نہ خوف بلکہ بمصداق علاج واقعہ قبل از وقوع باید کرد خود لشکر تیار کرکے جنگ تبوک کا ارادہ فرمایا یہ مقام سرحد روم پر واقع ہے جہاں مدینہ سے جانے کے لئے فلسطین شام وغیرہ طے کرکے جانا ہوتا ہے۔ حضرت اور حضرت کے لشکر کا رعب ایسا غالب ہوا کہ بادشاہ روم نے صلح کرلی اور ایک ہزار طلائی اوقیہ اور دو سو چہ نفیس جوڑے ہر سال رجب اور ماہ صفر میں مثل خراج دینے کا معاہدہ کیا۔ لہذا وعدہ تقویت اسلام کے پورا ہونے میں خلافہ شیخین کو کوئی دخل نہیں ہے۔
اسی موقع پر دوسری آیت جو تعریف میں خلفاء کے پیش کیجاتی ہے اوس کا بھی ذکر کرنا مناسب ہے۔ سورہ الفتح رکوع ۴ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یعنی یہ وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اوس کو تمام دینوں پر غالب کردے

اور گواہی کے لئے تو بس خدا ہی کافی ہے۔ محمد خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ اونکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تو اونکو دیکھے گا کہ خدا کے سامنے رکوع اور سجدہ میں ہیں۔ انتہی۔

اولاً یہ کہا جاتا ہے کہ اس آیہ سے مراد خلافت شیخین ہے جن کے دور میں اسلام کل دینوں پر غالب ہو گیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ عرب کے جس قدر دین تھے۔ یہود نصاریٰ۔ کافر۔ مشرک۔ بت پرست سب پر رسولخدا صلعم کے زمانہ ہی میں اسلام غالب ہو چکا تھا اور کوئی دین بھی باقی نہیں رہا تھا الا یہ کہ وہ تابع اسلام ہو گیا ہو اور یہی غایت رسولخدا کی بعثت اور تبلیغ کی تھی جو آپ ہی کے ہاتھ اور حضرت علیؑ کی تلوار سے پوری ہو چکی تھی۔ اور آپ ہی کی حیات میں فرمان خداوندی نازل ہو چکا تھا کہ آج سے کافر تمہارے دین کیطرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔ اب تم اون سب سے مت ڈرو بلکہ خدا ہی سے ڈرو۔

لیکن اگر علی دین سے عرب کے علاوہ تمام دنیا کا دین مراد لیا جاوے تو شیخین کے زمانہ کو کون کہے وہ آج تک نہیں واقع ہوا ہے۔ لہذا دین اسلام کا غلبہ کل دین پر جو عرب میں تھا وہ رسولخدا ہی کے وقت میں واقع ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق دوسرے زمانہ کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ جن فتوحات کی جگمگاہٹ میں اس قسم کی تعریف اور توصیف حضرت ابوبکر عمر وغیرہ کی کیجاتی ہے وہ سب خود فتنہ و فساد سے بہتر نہ تھی کوئی حملہ کوئی فتح بحجۃ شرعی نہیں واقع ہوئی۔ لہذا عملوا الصلحٰت کے تحت میں لانے کے لیے اصحاب ثلثہ کے اعمال کو صحیح اور مطابق شریعت ثابت کرنا ہوگا۔ اور اسکے بعد اونکو آیہ استخلاف کا مصداق ٹھہرانا اچھا معلوم

ہوگا۔

بعدہ اس آیۃ میں رسولِ خداؐ کے ذکر کے بعد آپ کے اُن اصحاب کا ذکر ہے جو کفار پر بڑے سخت اور آپس میں رحم کرنے والے اور بڑے نمازی تھے لیکن اس آیۃ کو یاروں نے پہیلی بنادی اور کہہ دیا کہ معہ سے مراد حضرت ابوبکر ہیں جو آپ کے ساتھ غار میں تھے اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے مراد حضرت عمر ہیں رحماء بینھم سے مراد حضرت عثمان ہیں۔ اور تراھم رکعا سجدا سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ کیا خوب تقسیم ہے! قرآن کا ہے کو ہوا حلوائی کی دکان ہوئی۔ یاروں کو یہ نہیں سوجھتا کہ اگر ایسا ہوتا تو حروف واؤ کا قحط نہ تھا جس کے صرف کرنے میں خداوند عالم دریغ کرتا اور اس ایک حرف عطف کو غائب کر کے اپنی مراد اور مقصود کو ناقص چھوڑ دیتا۔ خیر حضرت ابوبکر رسولِ خداؐ کے ساتھ غار میں گئے تو معہ کے مصداق ہوئے لیکن حضرت عمر کس کافر پر سخت تھے اور کس کے ساتھ سختی کی تھی کہ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے مصداق ہوئے؟ اگر کوئی صحیح حدیث سے دکھادے کہ انھوں نے ایک کافر کو بھی قتل کیا تھا تو جانوں۔ قتل کرنا تو درکنار کبھی ایک کافر سے مقابلہ بھی ہوا ہو۔ جہاں دیکھئے یہ حضرت فراریوں کے آگے اور کہے جاویں اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ! معلوم نہیں یار لوگ رحماء بینھم سے کیا مراد لیتے ہیں۔ حضرت عثمان مسلمانوں اور اصحاب کے لئے رحیم تھے یا اپنے پرائے کے لئے رحیم تھے۔ اگر مسلمانوں اور اصحاب کے لئے رحیم کہا جاوے تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ اگر حضرت عثمان مسلمانوں کے لئے رحیم ہوتے تو اُن پر یہ الزام نہ ہوتا کہ چراگاہوں کو اپنا خاص کرلیا

ہے اور اپنے عزیز اقارب سے مال خدا کو اس طرح چرا دیا جیسے اونٹ فصل ربیع میں گھاس چر جاتے ہیں اور نہ مسلمان اجماع کر کے اونکو قتل کرتے۔ ہاں اگر رحماء بینہم سے مراد حضرت عثمان کے عزیز و اقارب ہیں تو صحیح ہو سکتا ہے اور بالکل صحیح ہے۔

غرض یہ معنی بالکل خلاف سیاق اور عبارت قرآن پاک ہے اس آیت میں رسول کے ان اصحاب کا ذکر ہے جو کافروں پر سخت آپس میں ہمدرد اور نمازی تھے اور جو صرف ایک دو دن نہیں اور وہ بھی اتفاقی بلکہ تاحیات رسولخدا کے ساتھ رہے نہ نمازیں ساتھ چھوڑا اور نہ صدقہ کے خوف سے حضرت کے قدموں سے علیحدہ ہوئے اور نہ جنگ میں کفار کے مجمع میں چھوڑا۔ جن اصحاب میں یہ کل اوصاف موجود ہوں وہی مراد ہیں لیکن کل صفت کو کون کہے۔ بعض صفت بھی اس آیہ کریمہ کی خلفاء میں نہیں پائی جاتی کیونکہ جیسا اوپر عرض کیا ہے ان حضرات نے ایک کافر کو بھی نہیں قتل کیا اور ہر لڑائی سے بھاگ گئے۔ اس لئے اشداء علی الکفار تینوں صاحبوں میں سے ایک بھی نہیں کہے جا سکتے۔

افسوس یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا ایک دو دن رسولخدا کے ساتھ رہنا اور وہ بھی اتفاقی۔ یاروں کو سوجھا اور اوس سے وہ معہ کے مصداق بنائے گئے۔ لیکن حضرت علیؑ نے جو بعد ولادت آنکھ کھولی تو اول اول رسولخداؐ کا چہرہ منور دیکھا۔ رسولخداؐ کی گود میں پرورش پائی۔ رسولخداؐ کے ہر کام میں شریک رہے یہ سب واقعات یاروں کو نہیں نظر آتے۔ کفار پر جیسے حضرت سخت تھے اوپر کے غزوات سے ثابت ہے۔ نماز میں اعلےٰ ترین فرد اسلام میں ہونا تو قبول

ہی ہے۔ مسلمانوں پر ایسے مہربان کہ حق سے باز آئے اور خلفاء کے خلاف تلوار نہ اوٹھائی جس سے مسلمان مصیبت میں مبتلا ہوتے اسی کے ہم معنی آیت کا ذکر جنگ خندق کی ضمن میں کیا گیا ہے اوس کو بھی ملاحظہ کیا جاوے اسکے بعد خداوند عالم ایسے اصحاب کی علامت کو بیان فرماتا ہے:۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ یعنی ایسے اصحاب کی پیشانی پر کثرت سجدہ سے گھٹے پڑے ہوے ہیں۔ اب اہل انصاف فرمائیں کہ جو لوگ نرم نرم کپڑے پر سجدہ کرتے ہیں اور وہ بھی چالیس پچاس برس عمر کے بعد اُنکی پیشانی پر گھٹے ملیں گے یا جو لوگ صغرسنی سے کھجور کی ڈالیوں کی سجدہ گاہ پر سجدہ کرتے ہیں اُنکی پیشانی پر گھٹہ ملیگا۔ غرض ہاتھ باندھنے والوں کیلئے خداوند عالم نے پورا انتظام کردیا ہے کہ ایک علامت بھی مومن کی اون میں نہ ملنے پاوے۔

بہر کیف استخلاف کی آیت میں جو ہے کہ خدا تمہارے دین کو قوت دیگا اوس کا مطلب ادیان عرب کے مقابلہ میں ہے جیساکہ اوپر عرض ہوا نہ کہ سارے دنیا کی۔ اگر عرب سے باہر کی دنیا مراد لیجاوے تو جیسا عرض کیا ہے کہ وہ بات آج تک نہیں حاصل ہوئی ممکن ہے کہ خداوند عالم کا یہ وعدہ بعد کو پورا ہو۔ غرض یہ ہے کہ اس وعدے سے اگر صرف عرب مراد لیا جاوے تو رسولخداؐ کے وقت میں حاصل ہو چکا تھا اور اگر کل دنیا مراد لیجاوے تو یہ وعدہ بعد کو پورا ہوگا خلافت کو کوئی سروکار اور تعلق نہ اس سے ہے اور نہ اوس سے۔

دوسرا وعدہ کہ تمہارے خوف کو خداوند عالم امن اور اطمینان سے مبدل کردیگا یہ بھی وعدہ رسولخدا ہی کے وقت میں پورا ہوا جسکی خبر خود

قرآن پاک سورہ المائدہ رکوع ۱ میں موجود ہے:۔ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۝ چنانچہ اہل اسلام بعد فتح مکہ اس قدر مطمئن ہو گئے تھے کہ رسولخدا نے خانہ کعبہ کو بتوں سے صاف کر دیا اور ایک کافر کی بھی مجال نہ ہوئی کہ چوں وچرا کرتا۔ اطراف وجوانب میں پیغام اسلام کے ساتھ وفد روانہ فرمائے اور جو اطمینان اور چین رسولخداؐ کے زمانہ میں اہل اسلام کو حاصل ہو چکا تھا وہ حضرت کی آنکھ بند ہوتے ہی غائب ہو گیا۔ حضرت ابوبکر کا خلیفہ ہونا تھا کہ پھر کشت وخون شروع ہو گیا۔ چنانچہ تاریخ طبری میں انکا حکم اپنے لشکر کے نام یہ درج ہے۔

اے لوگو جب تم کسی کے گھر پہونچو اور اذان سنو تو اُن سے کچھ تعرض نہ کرو مگر وجہ مخالفت ضرور پوچھ لو۔ اور اگر نماز کی اذان نہ سنو تو ان کو لوٹ لو اور قتل کرو اور جلادو۔ دوسرا حکم تاریخ خمیس دیار بکری میں خالد بن ولید کے نام یہ ہے کہ اے خالد اگر خدا تجھے اہل یمامہ پر فتح نصیب کرے اور تو انپر قبضہ پائے تو ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیو۔ زخمیوں کو قتل کریو اور بھاگے ہوؤں کو گرفتار اور قیدیوں کو قتل اور آگ سے جلا دیجیو اور خبردار میرے ان احکام کے خلاف ہرگز نہ کریو اور تو سلامت رہ۔

اس تاریخ میں ذکر خلافت اولیٰ کے واقعات میں یہ ہے کہ جب لشکر خلافت بنی عامر بنی ہوازن اور بنی سلیم کے گھروں پر پہونچا تو ان میں سے بعض کے ہاتھ پاؤں قطع کئے اور بعض کو جلا کر مار ڈالا۔ بعض کو پتھروں سے کچلا۔ بعض کو پہاڑ پر سے لڑھکا کر ہلاک کیا۔ اور بعض کو

پانی میں ڈبو کر مار ڈالا اور ابوبکر کو ان سب عمال کی خبر دیگئی۔ اور تاریخ طبری میں ہے کہ خلافت اولیٰ کی جنگوں کے ایک مقام پر خالد نے بعض قیدیوں کے سر کاٹ کر کھانا پکانے کے لئے چولھے بنائے اور بکثرت گڑھے کھدواکر ان میں آگ روشن کرادی اور اوسکے بعد زندہ عورت اور مرد قیدیوں کو انمیں دفن کردیا گیا۔ فتح الباری میں ہے کہ ابوبکر نے مدینہ میں فجاءۃ اسلمی صحابی کو بکثرت صحابہ کے سامنے لکڑیوں کی چیتا میں جلا کر مار ڈالا۔ کیا کوئی تاریخ داں بخت نصر اور چنگیز خاں کے واقعات میں بھی ایسے جور وظلم دکھا سکتا ہے؟ میرے نزدیک شاید ہی کسی سلطنت کی رعایا پر ایسے مصائب گزرے ہوں جیسے اُمت محمدیہ پر خلیفہ اول کے ایماء وارشاد سے ہوئے (منقول از تادیب الجاہلین حصہ دویم) اور سب سے بڑھکر ظلم یہ ہوا کہ جس گھر سے ان حضرات نے اسلام اور تہذیب حاصل کی تھی اوسی کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا ڈالا۔ حضرت عمر آگ اور لکڑی لیکر آئے کہ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں آگ لگا دینگے۔ یہی معنی رحماء بینھم کے ہیں؟ اور یہی معنی یبدلنھم من بعد خوفھم امنا کے ہیں؟

ان سب ظلم وجور اور بدعت کے بعد یہ خطبہ منسوب بحضرت ابوبکر قابل ملاحظہ ہے۔

"دیکھو میری طرف دیکھو۔ میں حکومت کے بار سے دب گیا ہوں۔ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں۔ میں تمہاری صلاح اور مدد کا محتاج ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو۔ اگر میں غلطی کروں تو صلاح ومشورہ دینے سے دریغ نہ کرو۔ کسی خلیفہ کی یہی حمائت اور وفاداری حق گوئی

ہے۔میری نظر میں طاقتور اور کمزور یکساں ہیں۔میں دونوں سے انصاف کرنا چاہتا ہوں۔جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تم بھی میری بات مانو۔اگر میں احکام خدا اور رسول سے کوتاہی کروں تو میرا کوئی حق نہیں ہے کہ تم میری بات تسلیم کرو"۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ افعال جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ خطبہ ایک ہی شخص کا ہے؟ یا یہ کہ مثل ہاتھی کے کھانیکے دانت اور ہیں اور دکھانے کے دانت اور۔جو صفت نفاق مستحق کی ہے۔یا یہ کہ کسی ہوا خواہ نے یہ خطبہ تصنیف کرکے حضرت ابوبکر کیطرف منسوب کردیا ہے۔

اللہ اور رسولؐ کی اطاعت یوں کی کہ حضرت رسولخداؐ نے جو حضرت علیؑ سے وَاَنذِرْ عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِینَ کی تبلیغ کے وقت معاہدہ خلافت کیا تھا اوس کو شکست کردیا۔حق و باطل کی تمیز کرنے والے ایسے کہ رسولخداؐ کا لکھا ہوا ہبہ نامہ چاک کرڈالا اور حضرت فاطمہ کو فدک دینے سے انکار کیا اور لکڑی اور آگ لے کر حضرت عمر کو بھیجا کہ اُنکے گھر میں آگ لگادیں۔غرض جس شخص کے اعمال اور اطوار ایسے ہوں جیسا اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے۔اوس کا خطبہ خلوص دل سے ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ ویسا ہی ہے جیسا خداوند عالم سورہ المنافقون میں فرماتا ہے کہ "اے رسول جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً خدا کے رسول ہیں اور خدا بھی جانتا ہے کہ آپ یقیناً رسول ہیں مگر خدا گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے اور اس ذریعہ سے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔بے شک یہ لوگ جو کام کرتے ہیں بُرے ہیں"۔

حضرت عثمان نے ایسی ہلچل مچادی کہ خود اپنے گھر میں کئی روز بھوکے رہے اور اوسکے بعد اجماع مسلمین نے اونکو قتل کر ڈالا۔

غرض یہ کہ ان آیات میں سے کوئی بھی زمانہ خلافت سے سروکار اور تعلق نہیں رکھتی بلکہ انکی خلافت مصداق خَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ کے ہے جیسا اوپر عرض ہوا۔ یا انکا حاکم اور بادشاہ بننا مصداق اس آیہ کریمہ کے ہے کہ فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ ۞ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمۡ وَاَعۡمٰٓى اَبۡصَارَهُمۡ ۞ یعنی قریب ہے کہ اگر تم لوگ حاکم بنے تو روے زمین پر فساد پھیلانے لگو اور اپنے رشتے ناتے توڑنے لگو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور انکو اندھا بہرا کردیا ہے۔ (سورہ محمد رکوع ۳) اس آیۃ کی تفصیل انشاء اللہ بعد کو آتی ہے لیکن خود یہ آیت ایسی صاف اور صریح پیشینگوئی تینوں خلافۃ کی ہے کہ کسی تفصیل اور شرح کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا سوا اونکے اس آیہ کریمہ کا مصداق ہوسکتا ہے۔ اسکے بعد بھی خلاف آیات قرآنی کسی کا دعویٰ ہو تو صرف مدح سرائی اور لمبے لمبے الفاظ سے کام نہ لیں۔ تاریخ اور احادیث صحیحہ سے دکھادیں کہ جو امن رسولخدا کے زمانہ میں حاصل ہوگیا تھا وہ مسلمانوں کے لئے بعد کو بھی باقی رہا۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ دوران خلافۃ میں صرف حضرت علیؑ ہی کے عہد سے امن وامان غائب ہوگیا تھا۔ بلکہ چونکہ انصاف نہ تھا کوئی جاندار شخص مطمئن نہ تھا۔ چنانچہ خلافت سے جو اطمینان اور امن غائب ہوگیا اوس کا نقشہ اخطب خوارزمی نے خوب کھینچا ہے اور وہ یہ ہے

"اے شیعیان نیشاپور! تم کو اور ہم لوگوں کو خدا تعالیٰ صلاح خیر اور توفیق نیک دے۔ ہم وہ مصیبت زدہ قوم ہیں جنکے لئے خدا نے دولت دنیا نہیں قرار دی ہے بلکہ دار آخرت میں ہمارے لئے ذخیرہ فرمایا ہے اور ثواب عطا کرنے کی جگہ ایک وقت خاص پر اون کے ثوابوں کو عطا فرمائے جانیکا وعدہ فرمایا ہے۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا و علیٰ ابیہا کی میراث آبائی اونکے اور اونکی اولاد کے مقابلہ میں انعقاد سقیفہ کے دن غصب کر لی گئی۔ حضرت علیؑ کو سب کے آخر میں خلافت دی گئی امام حسنؑ کو مخفی طور سے زہر دیکر شہید کیا اور اُن کے بھائی حسینؑ مظلوم کو علانیہ طور پر قتل کر ڈالا زید ابن علیؑ کی لاش کو کناسہ میں سولی دی اور معرکہ جنگ میں اُنکا سر کاٹا اور اُنکے دونوں بیٹوں محمد اور ابراہیم کو عیسیٰ ابن موسیٰ العباسی کے ہاتھوں قتل کرایا۔ اور حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے ہارون کے قید خانہ میں انتقال فرمایا اور حضرت علی رضاؑ کو مامون نے زہر دلوایا۔ حضرت عثمان ابن عفان نے حضرت عمار ابن یاسر صحابی کے شکم پر لات ماری اور حضرت ابوذر غفاری صحابی کو مدینہ سے ربذہ میں جلا وطن کیا۔ اسی طرح عامر بن قیس التمیمی کو جلا وطنی پر مجبور کیا اور اشتر نخعی اور عدی ابن حاتم کو اونکے گھر سے نکال دیا اور عمر ابن زرارہ کو بھی شام کی طرف بھیجدیا اور کمیل ابن زیاد نخعی کو عراق میں داخل ہونیکی ممانعت کر دی۔ اور اُبی ابن کعب پر ایسے اہم ستم کیے کہ اونکو خاتمہ تک پہونچا دیا۔ اونکے بعد بنی امیہ نے اونھیں کی تقلید کی جو لوگ اُن سے لڑے تھے (یعنی طرفداران علی جنگ جمل اور صفین میں) اونکو قتل کر ڈالا۔

جو بچگئے تھے اُنکے ساتھ غدر و فساد کیا نہ اونکو مہاجرین نے پناہ دی اور نہ انصار نے اونکی اعانت کی اور نہ دنیا والوں نے اونکی قدر و منزلت کی مختصر یہ ہے کہ بنی امیہ میں جب کوئی ضلالت کا مرتکب ہوتا تھا تو اسکے بدلے میں اسکو کوئی سزا اور تکلیف نہیں پہنچائی جاتی تھی۔ اور بیجرم و قصور بنی ہاشم خصوصاً اولاد علی قید کیجاتی تھی اور قتل و غارت کیجاتی تھی معویہ نے عمرو بن حمق خزاعی اور حجر ابن عدی الکندی کو بخلاف قسمہاے شرعیہ اور وعدہ ہا صحیحہ قتل کرڈالا اور زیاد ابن سمیہ نے ہزاروں شیعیان کوفہ و بصرہ کو قتل کیا اور انکی کثیر تعداد کو مدتہائے دراز تک قید رکھا۔ یہاں تک کہ معویہ اپنی بد اعمالی کی سزایابی کیلئے خدا کے دربار میں بلایا گیا معویہ کی تبعیت اوسکے بیٹے یزید نے اختیار کی۔ جو کچھ اوس کے باپ نے چھپا کر کیا تھا یزید نے اوسے علانیہ کھلا کھلا کیا۔ ہانی ابن عروہ المرادی اور مسلم ابن عقیل الہاشمی کو سب علانیہ طور پر قتل کرایا۔ اسکے بعد حر ابن یزید ریاحی ابو موسیٰ بن قرظہ الانصاری حبیب ابن مظاہر الاسدی ابو سعید ابن عبد اللہ نخعی وغیرہ شیعیان امام حسین علیہ السلام بہتر نفوس کو معرکہ کربلا میں قتل کرایا پھر اوسکے بعد عبید اللہ ابن زیاد نے شیعیان قرب و جوار کو درختوں کی شاخوں پر سولیاں دلوائیں اور انواع و اقسام کے ساتھ قتل کرایا۔ (مختصر بقدر ضرورت)

یہ وہ امن و اطمینان ہے جو رسول خدا کے بعد اہل اسلام کو نصیب ہوا۔ اور انھیں کے بارے میں خداوند عالم سورہ آل عمران رکوع ۳ میں فرماتا ہے:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ - یعنی جو لوگ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور انکو قتل کرتے ہیں جو انصاف کرتے ہیں تم ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دو - اسکے بعد فرماتا ہے :- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ یعنی ان لوگوں کا سارا کیا کرایا دنیا و آخرت میں اکارت گیا اور کوئی انکا مددگار نہیں - اس حکم کے بعد بھی کیا مہاجرین کی ہجرت کا ثواب اور صحابیت کی عظمت باقی رہیگی اور خلفاء کے متعلق خداوند عالم کے یہ وعدے غلط ہونگے؟ نہیں نہیں بلکہ خداوند عالم کے ہر قول کی تصدیق ہوتی ہے - چنانچہ ایک شق آیہ کریمہ کی لتركبن طبقا عن طبق یعنی بے شک تم لوگ اگلی اُمتوں کے قدم بقدم چلوگے اور واضح کریگا کہ کیسا امت محمدی نے قرآن میں تحریف کرنیکا ارادہ کیا - اور اگرچہ اسکے سیاق اور خاص شان کے اضافہ نہ کرسکے تو کتنا حصہ قرآن کا غائب کردیا - دوسری شق یہ ہے کہ جیسا سابقین میں کچھ لوگ بغیر حکم خداوند عالم خلیفہ بن بیٹھے اور کتاب خدا کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا - نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی - ویسے ہی امت محمدی میں کچھ لوگ بغیر حکم خداوند عالم و وصیت رسولخدا خلیفہ بن کر رسولخدا کی پیشینگوئی کے مصداق بنے - اب تیسری شق یہ ہے کہ جیسا قبل کی امت انبیاء کو قتل کیا کرتی تھی اور جسکی خبر سورہ آل عمران رکوع ۱۱ میں ہے :- ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ یعنی یہ اس سبب سے ہے کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور

پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اسی طور سے امت محمدی نے بھی قتل ناحق کیا۔ اگر انبیاء نہ ملے تو حوصلہ پورا کرنے کے لئے اولاد رسول صلعم کافی مل گئے۔ حضرت علیؑ حضرت حسنؓ حضرت حسین علیہم السلام مع اٹھارہ بنی ہاشم انھیں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ حالانکہ یہ حضرات سوائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دوسری بات کبھی کہتے بھی نہ تھے۔ خیر ممکن ہے کہ جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا وجود اُس وقت کی سلطنت کے مخالف تھا آل رسول کا وجود انکی سلطنت اور خلافت کے لئے مخل ہو لیکن بیچارے منصور حلاج اور شیخ محی الدین کا کیا قصور تھا کہ ایک کو دار پر کھینچا اور دوسرے کو قتل کیا اور پھر انکی پرستش بھی کرتے ہیں سوائے اسکے کہ خدا کا قول پورا ہو کہ یہ امت اگلی امتوں کے قدم بقدم چلیگی اور اولیاء اللہ کو ناحق قتل کریگی۔

غرض آیہ استخلاف اور لیظہرہ علی الدین میں جو وعدہ تھا وہ رسولخدا صلعم کے زمانہ میں پورا ہوا یا بعد کو کسی زمانہ میں پورا ہوگا۔ خلافت نے جو جو اصول قائم کئے تھے اوس بناء پر اوسی وقت اور اوسکے زمانہ میں جو امن رسولخدا صلعم کے وقت میں نصیب ہوا تھا وہ غائب ہوگیا۔ ہر شخص کو ہوس سرداری اور امارت نے گھیر لیا اور اسلام تباہ ہو کر رہ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر معاویہ نے قہر و استیلا کے ذریعہ سے خلافت حاصل کرکے جسکی لاٹھی اوسکی بھینس کے مقولہ کی تصدیق کردی تو بیچارے مسلمانوں کا کیا۔

اوسکی اطاعت اور بیعت ضروری تھی جیسا کہ ہم لوگ اس وقت
انگریزوں کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ مگر اسکو نہیں دیکھتے کہ آخر
ہندوستان میں انگریز آئے کیسے۔ جب مسلمان آپس میں لڑنے
لگے کہیں صوبہ دار بادشاہ بنتا ہے تو کہیں فوج کا سپہ سالار بغاوت
کرتا ہے کہیں باپ کو قید کرکے سلطنت حاصل کی جاتی ہے تو کہیں
بھائی کو جو قوت بازو ہے قتل کرکے سلطنت قوی کی جاتی ہے
ایسی حالت میں اگر انگریزوں نے آکر اوس خونی طوفان کو روکا
تو احسان کیا اور جب تک ہم میں حسد رشک کینہ اور بغض ہے
اوس وقت تک اون کا قیام رحمت ہے۔ اس پر بھی ملک جارج
وغیرہ کو نہ کوئی خلیفہ رسول کہتا ہے اور نہ اپنے دین کا سردار کہتا
ہے بلکہ جیسے حبشہ کے بادشاہ نصرانی لیکن عادل کے زیر سایہ مسلمان
ہجرت کرکے گئے ایسے ہی ہم اس نصرانی حکومت کے تحت میں ہیں
اور جیسے حضرت یوسف نے عزیز مصر کی نوکری کی۔ حضرت موسیٰ ؑ
نے حضرت شعیب کی نوکری کی۔ حضرت محمد مصطفےٰ ؐ نے حضرت خدیجہ
کی نوکری کی۔ حضرت علی ؑ نے کفار عرب کی اُجرت پر دیوار بنائی۔
کھیت میں پانی بٹایا اوسی طرح اگر کوئی نصاریٰ کی نوکری کرے تو
عیب نہیں ہے۔ سیرت انبیاء اسکے جواز کے لئے کافی ہے۔ لیکن
مسلمانان سابقین کو کیا ہوگیا تھا کہ حق کو چھوڑ کر باغی کا ساتھ
دینے گئے۔ اور جب باغی مسلمانوں کی اعانت اور امداد سے اپنے
فسق و فجور میں کامیاب ہوگیا تو اب عوض اسکے کہ اوس سے نفرت
کی جاتی اوسکو معزز خطاب صحابی رسول ؐ اور امیر سے سرفراز کیا جاتا

ہے۔ اگر حضرت ابوبکر خلافت پر قبضہ کر کے آل رسول کو محروم نہ کرتے تو پھر کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ اپنے آقا اور بادشاہ سے نمک حرامی کر کے سلطنت حاصل کرنے کی آرزو کرتا۔ اگر اجماع۔ استخلاف۔ شوریٰ۔ اور سب پر بالا قہر و استیلاء کا اصول قائم نہ کیا گیا ہوتا تو نہ کوئی بیٹا باپ کو قتل کر کے خود تخت پر بیٹھتا اور نہ کوئی بھائی بھائی کو قتل کر کے اپنی سلطنت مضبوط کرتا۔ اور نہ کوئی صوبہ دار بغاوت کر کے بادشاہ بنتا۔ اس طرح کی مثال سوائے اہل اسلام کے دوسری قوموں میں ناپید ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ ابتداء عالم سے خونریزی اور فساد ہوا کیا ہے اور ہوتا رہیگا لیکن اس طرح کی مثال جو اسلام میں ہوئی ہے میرے خیال میں ایک بھی دوسری قوم میں نہیں مل سکتی۔

تیسری آیہ جس سے خلفاء اور دیگر صحابہ کی تعریف کی جاتی ہے اوسمیں تو اور بھی بلند پروازی کیگئی ہے۔ صرف و نحو کو بالائے طاق رکھکر صاف صاف تحریف معنوی سے کام لیا گیا ہے۔ اور یہ سب جرم شیعوں کے سر تھوپا گیا ہے کہ شیعے اس آیہ کریمہ میں تحریف کرتے ہیں۔ وہ آیہ کریمہ یہ ہے:۔ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (سورہ آل عمران رکوع ۱۲)۔ اس آیہ کریمہ کا ترجمہ النجم جلد ۷ نمبر ۱۵ تا ۱۸ ۱۳۴۸ھ میں یوں کیا گیا ہے۔ "تم ان سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہیں۔ تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

صرف اور نحو کے خلاف اس طرح ترجمہ کرکے صاحب النجم تحریر کرتے ہیں کہ "اس آیۃ میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو بہترین امت فرمایا اور انہیں تین منقبتیں بیان فرمائیں۔ اچھے کاموں کا حکم دینا۔ بُرے کاموں سے روکنا۔ اللہ پر ایمان رکھنا۔ مگر از روئے مذہب شیعہ یہ آیت بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ مذہب شیعہ نے صحابہ کرام کو دو گروہ پر تقسیم کیا ہے۔ ایک گروہ تینوں خلیفہ اور ان کے ساتھیوں کا جو بہت بڑا گروہ تھا اور دوسرا گروہ حضرت علیؓ اور اونکے ساتھیوں کا جس میں بقول شیعہ گنتی کے پانچ آدمی تھے۔ تینوں خلیفہ اور اُنکے ساتھیوں کو تو شیعہ اس آیۃ کا مصداق نہ مانتے ہیں اور نہ مان سکتے ہیں۔ اب رہے حضرت علیؓ اور اُنکے ساتھی وہ بھی از روئے مذہب شیعہ اس آیۃ کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ کمزور اور خائف اس قدر تھے کہ عمر بھر تقیہ میں رہے حتی کہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی اپنا اصلی مذہب ظاہر نہ کر سکے۔ لہٰذا امر معروف اور نہی منکر کا سایہ ان میں نہ تھا۔ انھوں نے ڈر کر ظالموں کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کے سامنے قرآن میں تحریف کی گئی اصلی قرآن جلا کر معدوم کر دیا گیا۔ فدک غصب ہوا حضرت فاطمہؓ کی سخت بے عزتی کی گئی۔ معاذ اللہ مار پیٹ تک نوبت پہونچی۔ متعہ جیسی عمدہ اور بہترین عبادت حرام کر دی گئی۔ نماز تراویح کے ایسا بُرا کام رائج کیا گیا مگر حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں بھی ان امور کی اصلاح نہ کی۔ پس وہ بھی مصداق اس آیۃ کے نہ ہوئے اور آیۃ غلط ہو گئی۔

یہ وہ استدلال تھا کہ شیعوں کے اولین و آخرین مل کر اس کا جواب نہیں دے سکتے یا آیۃ قرآنی معاذ اللہ غلط ہے یا مذہب شیعہ باطل ہے۔ کوئی تیسری صورت نکل ہی نہیں سکتی۔

شیعہ کی رد میں ایک بات یہ بھی لکھی گئی تھی کہ اس آیۃ میں صیغے حاضر کے ہیں لہذا وہی لوگ مراد ہو سکتے ہیں جو نزول آیۃ کے وقت موجود تھے۔ امام مہدی نہیں مراد ہو سکتے۔ کیونکہ حاضر کے صیغہ سے حاضر ہی مراد ہوتا ہے غائب ہرگز مراد نہیں ہو سکتا اور اس کی نظیر تو کسی زبان میں نہیں مل سکتی کہ حاضر کا صیغہ بول کر حاضرین سے کوئی مراد نہ ہو اور محض غائب مراد ہوں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آیت میں صیغے جمع کے ہیں لہذا شخص واحد یعنی حضرت علی کو مصداق آیت قرار دینا خلاف لغت بھی ہے انتہیٰ

یہ ہے تقریر النجم کی اور یہ ہے اوس کا استدلال جسکے ذریعہ سے آیت مذکورہ سے اصحاب کی تعریف کیجاتی ہے۔

اس آیۃ سے اصحاب کی تعریف ثابت کرنے کے لیے صرف و نحو کے ساتھ پابندی کا دعویٰ کر کے اوس کا خون کیا گیا ہے اور قرآن کی تصدیق کے دعوے کے ساتھ اوسکی تکذیب کی گئی ہے۔ یہ وہ ترکیب ہے کہ اوائل سے مذہب اہلسنت والجماعۃ میں برتی گئی ہے۔ حضرت عمر نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ حسبنا کتاب اللہ لیکن حضرت ابوبکر کی خلافۃ اور اپنی خلافۃ اور حضرت عثمان کی خلافت کسی کا فیصلہ قرآن سے نہیں کیا بلکہ اپنے اصول یا حرفت ایجاد بندہ سے کام لیا۔ حضرت ابوبکر نے نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث کہہ کر

بدیہی قرآن کی تکذیب کر کے حضرت فاطمہؑ کو فدک سے محروم کر دینا حضرت عثمان نے قرآن و سیرت رسولؐ پر چلنے کا وعدہ کر کے قرآن مجید کے سات حروف سے چھ کو جلا کر غائب کر دیا جسکے عوض مسلمانوں نے اونکو قتل کر ڈالا - تو پھر ایسوں کے تابعین سے دوسری کیا امید ہو سکتی ہے ۔ اس اصول کو آگے انشاء اللہ بوضاحت ثابت کرتا ہوں۔

رہا آیہ زیر بحث میں جو صرفی ۔ نحوی خون کیا گیا ہے اور قرآن کی تکذیب کی گئی ہے اوسکی تفصیل یہ ہے۔

۱- صرفی و نحوی نقص ۔ کُنْتُمْ صیغہ جمع حاضر تو ضرور ہے لیکن مضارع نہیں ہے بلکہ خالص ماضی مطلق کا صیغہ ہے جس سے زمانہ گزشتہ ہی مراد ہوا کرتا ہے نہ حال اور نہ آئندہ الا یہ کہ شرط وغیرہ کے ساتھ آوے جو اس موقع پر نہیں ہے ۔ لہذا کُنْتُمْ کا صحیح ترجمہ "بود ید" یعنی تم تھے کے ہوئے نہ کہ تم ہو ۔ ہاں اَنْتُمْ کے معنی البتہ تم ہو کے ہیں ۔

اُمَّةٍ وَّاحِدٌ ہے اس کا ترجمہ امت یعنی ایک گروہ یا ایک نبی کی امت ہے نہ کہ "سب امتوں" ۔ خداوند عالم کو امت کی جمع اُمَمْ معلوم تھی اگر اُسے امت محمدی کا کل انبیاء کی امتوں سے مقابلہ کرنا منظور ہوتا تو اُمَمْ کا لفظ استعمال کرتا نہ کہ امت واحد جیسے سورہ الرعد رکوع میں فرماتا ہے كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِىْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ یعنی جس طرح قبل کی امتوں میں تم ا رسول بھیجے اُسی طرح اس امت میں تم کو بھیجا ہے ۔

سورہ العنکبوت رکوع ۲ میں فرماتا ہے :- وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ یعنی اگر تم لوگ رسول کو جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلی امتوں نے جھٹلایا ہے اور رسولؐ کے ذمہ تو بس احکام کا پہونچا دینا ہے۔ لہذا خَيْرَ اُمَّةٍ کا ترجمہ "سب اُمتوں سے بہتر ہو" کرنا تحریف معنوی کی داد دینا ہے۔ خَيْرَ اُمَّةٍ کا صحیح ترجمہ "ایک امتہ کے اچھے لوگ" ہے۔ اس فقرہ سے امت کے کچھ لوگوں کا اچھا ہونا مراد ہے نہ کہ ساری امت کا جیسے خَيْرُ الْبَرِيَّةِ سے بہترین خلائق مراد ہے اور خیر النساء سے عورتوں میں بہترین عورت مراد ہے۔ اسی طرح خیر امة سے امت میں جو بہترین فرد ہیں وہ مراد ہیں۔ اگر کل امت محمدی کو دوسری اُمتوں سے بہتر کہنا منظور ہوتا تو خَيْرُ اُمَمٍ کہا جاتا۔

الحاصل صحیح ترجمہ اس آیۃ کا یہ ہوگا "تھے تم امت کے اچھے لوگ یعنی بہترین فرد امت کے جو پیدا کئے گئے تھے کہ آدمیوں کو اچھے کام کا حکم کرو۔ بُرے کام سے منع کرو اور خدا پر ایمان رکھو۔

۲- آیات قرآنی کی تکذیب۔

اس ترجمہ سے امت محمدی کی دو گروہ معلوم ہوتی ہے۔ ایک اچھوں کی گروہ جو ہدایت کے لئے پیدا کی گئی ہے اور باقی دوسری گروہ جنکی ہدایت کی جائیگی۔ لیکن اہلسنت والجماعۃ کے معنی سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ امت محمدی ایک گروہ ہے اور اونکے اعتقاد کے مطابق حضرت علیؑ اور اونکے چند ہمراہی جن کو شیعے

مخالف خلافت کہتے ہیں وہ بھی خلفاء کی بعیت کر کے اوسی گروہ میں داخل ہو گئے تھے اور یہ ساری گروہ یعنی امت محمدی کل امم سابقین سے بہتر ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ یہ معنی قرآن پاک کی تکذیب کرتا ہے یا تصدیق۔

ایک آیتہ سے بھی خلفا کی کوئی ایسی تعریف نہیں بنا سکتا جسکی تکذیب دوسری آیتہ نہ کرے۔ جیسا اوپر ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک ہی امت اور گروہ خیر ہونے کے عوض خداوند عالم امت محمدی میں دو گروہوں کا ذکر فرماتا ہے۔

سورہ النحل رکوع ۱۲: وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ یعنی اُس روز کو یاد کرو جب ہم ہر امت میں اونھیں سے ایک گواہ اون پر لاوینگے اور تم کو ان گواہوں پر گواہ بلائیں گے یعنی رسول اور امت کے درمیان کچھ ایسے لوگ ہیں جو امت کے حال پر نگراں ہیں اور رسول اُن لوگوں پر نگراں ہیں۔ یعنی ہر زمانہ میں تا قیام قیامت اُمت کے حال پر نگراں رہنے والا ایک شخص چاہیئے جو امت کی نگرانی کرے۔ اور یہو نخدا جنت سے اُن کل شہدا یعنی نگراں پر گواہ رہیں گے۔ اس آیہ کریمہ کی تصدیق بغیر مذہب شیعہ اختیار کئے نہیں ہوسکتی۔

اس سے واضح تر سورہ آل عمران کے رکوع ۱۱ میں خداوند عالم فرماتا ہے:۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ یعنی تمہارے درمیان ایک گروہ ہے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور بُرے کام سے منع کرتا ہے ایسے ہی لوگ فلاح یافتہ ہیں۔

اس آیۃ کے ملاحظہ کے بعد کہ امت محمدی میں سے ایک گروہ ہے جو لوگوں کو نیک کام کی طرف بلاتا ہے۔ اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور بُرے کام سے منع کرتا ہے یہ کہنا کہ ساری امت محمدی یہ کام کرتی ہے کس قدر غلط اور قرآن پاک میں اختلاف پیدا کرنا ہے اتنے ہی پر خداوند عالم نے اکتفا نہیں فرمائی ہے بلکہ حسب قاعدہ اور عادت قرآن پاک اس ایک ہی مطلب کو کہ امت محمدی میں دو گروہ ہے مختلف طریقوں سے بیان فرمادیا ہے تاکہ حق واضح ہو جاوے اور کسی کے خلل ڈالنے سے مشتبہ نہ ہو۔ جیسا سورہ الانعام رکوع ۱۳ میں فرماتا ہے:۔ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ یعنی ہم آیتوں کو یوں ہی اُلٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ کہدیں کہ تم نے پڑھا دیا اور تاکہ علم رکھنے والوں پر مطلب پوری طور سے واضح ہو جاوے۔ پس اگر جاہل کی سمجھ میں بات نہ آوے تو ع

زجاہل گریزندہ چوں تیر باش

چنانچہ ان دونوں گروہوں کے اوصاف خداوند عالم بیان فرماتا ہے تاکہ حق جو انکو پہچانیں۔

سورہ آل عمران رکوع ۱۷:۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا۔

یعنی جنگ احد میں جب جماعتیں آپس میں گتھ گئیں تو اے اصحاب رسول تم پر جو مصیبت پڑی وہ خدا کے حکم سے تھی تا کہ مومن پہچانا جاوے اور منافق بھی پہچانا جاوے۔

اب جنگ احد میں دیکھیے کہ دو گروہ ہے کہ نہیں ایک مومن کا اور دوسرا منافق کا۔ مومن کا گروہ تو بس وہی حضرت علیؑ کے ساتھ چار پانچ آدمیوں کا ہے اور باقی سب دوسرے گروہ میں ہیں۔ ان کے اوصاف اور انکے حشر کا پتہ ذیل کے دونوں کالم سے دریافت کیجئے:۔

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ یعنی خدا اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اوسکی راہ میں اس طرح صف باندھکر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔ سورۃ الصف رکوع ۱ یعنی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے۔

۲۔ سورہ الفتح رکوع ۲ میں فرماتا ہے:۔ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ اَجْرًا حَسَنًا یعنی اگر اطاعۃ

۱۔ وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰىہُ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ یعنی جنگ کے وقت جو پیٹھ پھیرے الا داؤ پیچ کے لئے وہ یقینی خدا کے غضب میں آگیا اور اُسکا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ سورہ الانفال رکوع ۲

۲۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ اور اگر جیسا تم لوگ پہلے

کردگے اور جنگ میں ثابت قدم رہوگے تو خدا تم کو اچھا بدلہ دیگا۔

۳۔ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا
یعنی اوسکی محبت میں محتاج یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں
سورہ الدھر

پیٹھ پھیرا گئے ہو ویسا ہی اب بھی پیٹھ پھیروگے تو اللہ تم کو دردناک عذاب کی سزا دیگا۔

۳۔ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ج فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ۔ یعنی تم وہی لوگ تو ہو کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائے جاتے ہو تو تم میں سے لوگ بخل کرتے ہیں۔ سورہ محمد رکوع ۴

ان دونوں آیتوں میں حاضر ہی کا صیغہ ہے اور اصحاب رسول مخاطب و مراد ہیں۔

سورہ العنکبوت رکوع ۱:۔ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ٥ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ یعنی کیا لوگوں نے یہی سمجھ لیا ہے کہ صرف اتنا کہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جاویں گے اور اونکا امتحان نہ ہوگا۔ حالانکہ جو اُن سے قبل تھے اونکا ہیں نے امتحان لیا ہے۔

۴۔ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا
پس جو صادق ہیں وہ یقیناً پہچانے جاوینگے۔

۴۔ وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ
اور جو جھوٹے ہیں وہ یقیناً پہچانے جاوینگے۔

غرض خداوند عالم فرماتا ہے کہ جنگ احد کے واقعہ سے اس نے سچے مومنوں کو پہچنوا دیا۔ اور منافقوں کو پہچنوا دیا۔ سورہ العنکبوت میں فرماتا ہے کہ صرف آمنا کہنے سے انسان چھوڑ نہیں دیا جاویگا بلکہ خداوند عالم ضرور پہچنوا دیگا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے اور جنگ میں ثابت قدم رہنے والے کو اپنا محبوب بتا کر اور خیرات کرنے والے کا ذکر کر کے حضرت علیؑ اور اُن کے چند ساتھیوں کو مومن صادق۔ محبوب۔ اچھے بدلہ کا مستحق فرماتا ہے۔ دوسرا بڑا گروہ وہ ہے جو ہمیشہ جنگ سے فرار کرنے میں ممتاز رہا ہے۔ آیہ نجویٰ کے نازل ہونے کے بعد بخل ثابت کر کے اونکو منافق بتایا گیا ہے جن کو خداوند عالم ایک جگہ منافق اور دوسری جگہ کاذب فرماتا ہے۔ اور ان سب آیتوں سے وہی اصحاب رسول مراد ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔

داہنے کالم میں جو اوصاف دیئے ہیں ان میں ایک فرد بھی اس گروہ کی شامل نہیں ہو سکتی جو جہاد سے فرار کیا کرتی تھی اور جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائی جاویں تو بخل کرتی تھیں۔ اور نہ بائیں کالم کے اوصاف سے اس بڑے گروہ کی ایک فرد مستثنیٰ ہو سکتی ہے۔ اس دو گروہ کی تقسیم کسی طور سے مٹ ہی نہیں سکتی اور خدا کا فرمان سچا ہے کہ اس نے دونوں گروہوں کو پہچنوا دیا ہے۔

اگر اہلسنت والجماعۃ کی خاطر سے میں ان سب آیات کو بھول جاؤں اور کُنتُم کی جگہ اَنتُم اور خیر اُمّۃٍ کی جگہ خیرُ اُمَمٍ پڑھوں اور ترجمہ اونکی خواہش کے موافق کروں کہ تم ان

سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہیں۔ تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو بُرے کاموں کو منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ تب بھی خداوند عالم اسکی اجازت نہیں دیتا کہ اس آیہ کریمہ کے مصداق وہ خلفاء بنائے جائیں۔ جنہوں نے حکومت پر قبضہ کرلیا اور حاکم بن گئے اور بزعم اہلسنت والجماعت وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اختیار رکھتے تھے کیونکہ خداوند کریم سورہ محمد رکوع ۳ میں فرماتا ہے:۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۝ یعنی یقینی قریب ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین میں فساد پھیلانے لگو اور اپنے رشتے ناتے توڑنے لگو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور اونکو اندھا بہرا کردیا ہے۔

دیکھئے اس آیة میں سب صیغے جمع حاضر کے ہیں:۔ عَسَيْتُمْ۔ تَوَلَّيْتُمْ۔ تُفْسِدُوا۔ تُقَطِّعُوا۔ أَرْحَامَكُمْ غرض کل کے کل صیغے جمع حاضر کے ہیں اور انھیں پر دلالت کرتے ہیں جو نزول آیة کے وقت موجود تھے یعنی اصحاب رسول۔ اور چونکہ صیغہ جمع کا ہے لہذا اس سے صرف ایک یا دو مقصود نہیں ہو سکتا بلکہ کم سے کم تین۔ پس اصحاب رسول صلعم سے کم تین ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن پر یہ آیت صادق آوے۔ لہذا قرآن کی تصدیق کے لئے اہل اسلام پر واجب ہے کہ ان تینوں اصحاب کو پہچان کر اونکو اور اون کے گروہ کو آیہ سابقہ خیر امة سے خارج سمجھیں ورنہ

ایک ہی گروہ کی تعریف اور خدمت قرآن پاک میں نہیں ہو سکتی اگر
اتنے صاف اور واضح اشارہ پر بھی آپ اونکو نہیں پہچان سکتے
تو آئیے میدان احد میں دیکھیے کہ کون لوگ پہاڑ پر چڑھے جا رہے
ہیں اور رسول اونکو پکارتے ہیں اور وہ نہیں سُنتے
اور خدا نے اونکو پہاڑ کی بلندی سے سمجھوا دیا کہ یہ لوگ منافق
ہیں۔ اُسکے بعد میدان احزاب میں آئیے تو دیکھیے کہ عمرو بن
عبدود کے سامنے وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں اور حضرت علیؑ بار
بار کہتے ہیں کہ مجھکو اجازت ہو تو میں جا کر اس کو قتل کروں۔
رسول فرماتے ہیں کہ تم کمسن ہو اور وہ نوّے برس کا تجربہ کار ہے
جناب علی مرتضیٰؑ اور رسولخداؐ کے بار بار اس گفتگو سے اون صحابہ
پر اتمام حجة کرنا تھا جو بڑے اور بوڑھے بنکر خلیفہ بن بیٹھے تاکہ
وہ دیکھیں کہ ادلیاء اللہ کے کمسن اور بوڑھے میں فرق نہیں ہے۔
اور موقع پر حضرت علیؑ کو کمسن کہکر اُن کے رتبہ اور منزلت سے اونکو
نہ گھٹایا۔ اوسکے بعد جنگ خیبر میں آئیے جہاں خداوند عالم نے
متنبہ کر دیا تھا کہ منھ پھیر کے پیٹھ پھیرنا ورنہ عذاب الیم کے
مستحق ہو گے لیکن وہاں بھی حکومت حاصل کرکے فساد کرنے
والے اصحاب پیٹھ پھیرے سے نہ ترسانے - اور رسولؐ نے کم سے کم انکی
دو فردوں کو یکے بعد دیگرے بھیجکر امتحان کرا دیا کہ مومن ہیں یا
منافق اور صادق ہیں کہ کاذب۔
لیکن اصحاب نے اس امتحان خصوصی میں بھی وہی کیا جو عادت تھی
اور دشمن کی صورت دیکھتے ہی پیٹھ پھیر دیا نہ بھی اس طرح کہ

لشکری ایک صاحب کو نامرد کہتے ہیں - اور وہ لشکری کو - بعض
ہوا خواہان خلافت کہتے ہیں کہ جب اسلام کا لشکر کل کا کل فرار
کرتا تھا تو یہ بیچارے دو تین شخص کیا کرتے وہ بھی ان کے ساتھ
ہمت ہار کر چل دیتے تھے - اسکے جواب کے لئے رسولخدا نے
خیبر میں دو صاحبوں کو سردار بنا کر بھیجا تاکہ کوئی حیلہ باقی نہ رہے
یہ عمل رسولخدا کا نہایت خطرناک تھا - آپ جانتے تھے کہ یہ
حضرات کیا کرینگے اور جان بوجھکر دو صاحبوں کے فرار کا منظر اہل
اسلام کو دکھا کر ان کا امتحان کرا کے منافق اور کاذب کو چھڑوادیا
لیکن اوسکے ساتھ ہی تیسرے سردار کے مومن اور صادق ثابت
کرنے کے لئے اوسکی مہم کو اور بھی سخت کر دیا - اس لئے کہ دو
سرداروں کو بھگا کر کفار کی ہمت بڑھگئی اور خیال کیا کہ رسول کے
سب ہمراہی ایسے ہی ہیں - اور فطرۃً مسلمانوں کی ہمت کم ہو گئی -
باوجود اس کے تیسرے سردار نے جو کیا وہ معلوم ہے کہ مرحب
کو قتل کر کے خیبر فتح کیا اور خدا و رسول سے رجلًا کراراً
غیر فرار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کی بے مثل
سند حاصل کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ مومن خالص اور صادق ایسے
ہوتے ہیں -

اس کے بعد جنگ حنین میں تو ایسا بھانڈا پھوٹا کہ کوئی بات
بنانے کا موقع نہ رہا - اس لئے کہ حضرت رسول اپنی صداقت
جتا کر اونکو بلا رہے ہیں اور حضرت عباس یا اصحاب شجرہ
کہکر پکارتے ہیں اور وہ لوگ نہیں سنتے - اس خطاب نے پکار نیکا

مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ تمہارے فرار سے دوسرے بھی ہمت ہار کر فرار کر رہے ہیں۔ اگر تم فرار کا نمونہ بن کر اصحاب کے سامنے پیش نہ کرو تو دوسرے بھی نہ بھاگینگے۔ لہذا عام بھگدڑ اور فرار کے باعث یہی اصحاب ہوا کرتے تھے نہ کہ عام بھگدڑ کی ہوائیں پڑ کر یہ حضرات دل چھوڑ دیتے تھے۔ غرض اب لازم ہے کہ خدا کی تصدیق کیجئے کہ اوس نے منافق کو پہچنوا دیا اور امتحان لے کر کا ذہین کی شناخت کرادی اور دل مضبوط کر کے اون تینوں کا نام زبان پر بھی ظاہر کر دیجئے جنہوں نے حکومت حاصل کر کے فساد کیا ورنہ سورہ السجدہ کے رکوع ۲ کی آیت کا مصداق ہونا پڑے گا۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ط اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ یعنی اُس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو اپنے پروردگار کی آیتیں یاد دلائے جانے پر اُن سے منہ پھیر لے۔ ہم گنہگاروں سے ضرور انتقام لیں گے۔

آیہ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ کے مصداق جب سوائے تین خلفاء کے دوسرا کوئی نہیں مل سکتا تو ممکن ہے کہ یار لوگ اس آیۃ کے معنی بگاڑنے کی کوشش کریں اور واضح اور صریح امر کو مشتبہ کرنیکی غرض سے کہدیں کہ میں نے آیت کے غلط معنے لکھے ہیں اور تَوَلَّيْتُمْ کے معنی حاکم اور حکمراں ہونے کے نہیں ہیں۔ تَوَلَّيْتُمْ قرآن میں تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حکمراں ہونا۔ پیٹھ پھیرنا۔ اور ہدایت کی بات نہ ماننا۔

تینوں خلفاء کے حکمراں ہونے میں تو شک ہی نہیں ہے اور نہ

جہاد میں ان کے پیٹھ پھیرنے سے کوئی انکار کر سکتا ہے اور جنگ حنین کے واقعات اور خیبر کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فراریوں کے امام یہی لوگ ہوا کرتے تھے۔ پھر رسولخدا کے آخر وقت میں ان کا ہدایت کی بات سے انکار کرنا طشت از بام کا مضمون ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے کہ رسولخدا کی زبانی لعنت سُنی اور جیش اسامہ کے ساتھ نہ گئے۔ رسولخدا کو آخری وصیت نہیں لکھنے دی اور گھر سے نکلوائے گئے۔ غرض تولیتم کے جو بھی معنی لیجئے ہر معنی میں اس آیت کے مصداق یہ لوگ ٹھہرتے ہیں اور اونکے ساتھ وہ بڑا گروہ جو فرار میں اونکے ساتھ رہا اور جو خلافت میں اونکی قوت کا باعث ہوا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس آیۃ میں حکمراں ہونے کا معنی زیادہ چسپاں اور سیاق سے موزوں ہوتا ہے۔

غرض مجھکو کسی معنی پر خاص زور دینے کی ضرورت نہیں ہے اِلّا یہ کہ قرآن کے لفظوں کے صحیح معنی مسلمانوں کے سامنے پیش کر دوں اور حق جو کو دکھا دوں کہ کس طرح ان دنوں اہل غرض قرآن میں تحریف معنوی کرنے پر تلے ہیں۔ لہذا میں اہلسنت والجماعۃ کے مستند ترجموں کو پیش کئے دیتا ہوں کہ معلوم ہو جائے کہ میں نے وہی ترجمہ اختیار کیا ہے جس کو حضرات اہل سنت کے علماء دمیشوایان دین نے اختیار کیا ہے۔

۱۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی مطبوعہ نولکشور ص ۲۴۴ پس کیا ہو تو نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے یہ کہ

فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قرابتیں اپنی۔
۲۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی ص۸۶۶
پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت ہو کہ خرابی ڈالو ملک میں اور توڑ و اپنے ناتے۔
۳۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔
پس اے ضعیف ایمانان اگر متولی امور مردمان شوید البتہ نزدیکید از انکہ تباہکاری کنید در زمین وقطع قبیلہ داری نمائید۔ ایں جماعت انانند کہ لعنت کرد ایشاں را خدا۔
الغرض اس آیہ کریمہ سے خداوند عالم نے آئندہ کی خبر دی ہے کہ اصحاب محمد صلعم کیا کرینگے یعنی حکومت حاصل کرکے دنیا میں فساد کرینگے اور قطع رحم کرینگے اور خدا نے ان پر لعنت کی ہے۔ اب اس آیہ کریمہ کی تصدیق کے لئے ضرور ہے کہ وہ اصحاب جنہوں نے حکومت حاصل کی پہچانے جاویں اور اونکو اور اُن کے ساتھ دینے والے کو خیر امۃ سے خارج سمجھا جائے اور وہ سوائے حضرت ابوبکر عمر و عثمان کے جو تھا نہیں ہے۔
اہلسنت والجماعۃ کہتے ہیں کہ امت محمدی کل کی کل سوائے دو چار شخصوں کے ایسی ہی تھی کہ منافق اور کاذب کا ساتھ دیتی اور مومن۔ صادق۔ محبوب خدا ورسولؐ کو چھوڑ دیتی۔ مگر یہ سوال اس وقت اچھا معلوم ہوتا جب آپ حضرت عثمانؓ کو ویسا ہی کہتے جیسا حضرت عائشہ نے کہا اور جیسا امت محمدی نے اون کو کہکر قتل کر ڈالا۔ قرآن کا جو جی چاہے سو کہے۔ امت

محمدی جو چاہے سو کہے اور کہے آپ کو تو حاکم اور بادشاہ سے کام ہے خواہ وہ حاکم عادل ہو۔ خواہ حاکم غدار ہو۔ پس جو شخص بھی حاکم ہوا اوسکی تعریف میں حدیثیں وضع کی گئیں۔ قرآن میں تحریف کیا گیا اور حق گو سے لڑنے کو تیار اور صحابہ کا اجماع اور فیصلہ اگر اون کے خلاف ہو تو وہ سب ردی۔

بہر کیف جب یہ بڑا گروہ یعنی اصحاب ثلثہ جو حاکم ہوئے اور اون کے ہوا خواہ پہچان لئے گئے اور او نکو خیر امتہ سے خارج کر لیا تو چھوٹے گروہ کا پہچاننا نہایت ہی آسان ہے اور وہ وہی کمسن اور اوسکے چند ساتھی ہیں جو ہر جہاد میں مثل سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے جم کر لڑنے سے محبوب خدا بن رہے ہیں۔ جو رسول صلعم کی اطاعت کرکے جنگ احزاب میں عمرو بن عبدود کو قتل کرکے نیک اجر کے مستحق ہو رہے ہیں جو جنگ خیبر میں اللہ و رسول کے محبوب اور اللہ و رسول کے چاہنے والے کہے جاتے ہیں جنکو خداوند عالم نے بھجوا دیا کہ سچے مومن ہیں اور امتحان لے کر دکھا دے کہ یہ صادق ہیں اور انھیں کو اور انھیں کے ایسے اور اولیاء اللہ کو جن کے بوڑھے اور کمسن میں فرق نہیں ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے اے تم امت کی بہترین فرد تھے جو پیدا کئے گئے کہ لوگوں کو اچھے کام کا حکم دو بُرے کام سے منع کرو اور خدا پر ایمان رکھو۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ بڑا گروہ تمہاری قدر نہ کریگا۔ تم کو قتل و غارت کریگا اور تمہاری ہتک و حرمت کریگا۔ اور مصداق سورہ آل عمران کے رکوع ۳ کی اس آیت کا ہوگا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یعنی بے شک جو لوگ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں .... اور اُن لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو انصاف کے ساتھ حکم کرتے ہیں تو اے رسول اُن لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو۔ جناب رسولخدا کو قاتلین انبیا، ورسل سے تو ملاقات ہوئی نہیں کہ اونکو خدا کا حکم سُناتے لیکن انصاف سے حکم کرنے والوں کے قاتلوں کو ضرور حکم خداوندی سُنادیا کہ دیکھو یہ بہترین امت ہیں جو تمہاری ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان کی اطاعت کرنا اور اگر خدا کی آیتوں سے انکار کرکے انکو قتل کیا تو دردناک عذاب کے مستحق ہوگے۔ اب ان قاتلوں کو تلاش کرکے اُن سے تبراء کرنا چاہئے ورنہ اونکا ساتھ دینے اور اونکی غلط و مہمل تعریف کرکے اون کو اولیاء اللہ کہنے سے اللہ اور رسول کی مخالفت ہوگی۔ حضرت معین الدین چشتی صاحب نے ایک قطعہ میں اونکو بھیجوادیا ہے اور وہ قطعہ یہ ہے ؎

کفر در دل برزباں اللہ اکبر داشتن — آل احمد کشتن و ہم حب حیدر داشتن

مرمرا باور نیاید زروے اعتقاد — حق زہرا خوردن و دین پیمبر داشتن

یہاں اہلسنت والجماعۃ کا یہ اعتراض ہے کہ بارہ اماموں میں آخر الزمان امام مہدی علیہ السلام نزول آیت زیر بحث کے وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اسلئے وہ صیغہ حاضر کُنْتُمْ تَامُرُوْنَ وغیرہ کے مخاطب نہیں ہوسکتے اور باقی گیارہ اماموں میں دس کو

نہ حکومت حاصل ہوئی اور نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اونہیں صلاحیت تھی۔ صرف حضرت علی علیہ السلام اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے تو ذات واحد کے لئے صیغہ جمع استعمال کرنا خلاف قاعدہ ہے۔ اور حضرت بھی باوجود حصول خلافت امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ البحم کے منقول خطبہ سے اونکے خیال میں ثابت ہوتا ہے۔ وہ خطبہ یہ ہے:- قَدْ عَمِلَتِ الْوُلَاةُ قَبْلِي اَعْمَالاً خَالَفُوا فِيهَا رَسُولَ اللّٰهِ مُتَعَمِّدِينَ لِخِلَافِهِ نَاقِضِينَ بِعَهْدِهٖ مُغَيِّرِينَ لِسُنَّتِهٖ وَلَوْ حَمَلْتُ النَّاسَ عَلٰى تَرْكِهَا وَحَوَّلْتُهَا اِلٰى مَوَاضِعِهَا وَاِلٰى مَا كَانَتْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ لَتَفَرَّقَ عَنِّي جُنْدِي (الی ان قال) لَوْ رَدَدْتُ فَدَكَ اِلٰى وَرَثَةِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَاَقْطَعْتُ قَطَائِعَ اَقْطَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ لِاَقْوَامٍ لَمْ تُمْضَ لَهُمْ وَلَمْ تُنْفَذْ وَرَدَدْتُ قَضَايَا مِنَ الْجَوْرِ قُضِيَ بِهَا وَنَزَعْتُ نِسَاءً تَحْتَ رِجَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَرَدَدْتُهُنَّ اِلٰى اَزْوَاجِهِنَّ وَحَمَلْتُ النَّاسَ عَلٰى حُكْمِ الْقُرْاٰنِ وَمَحَوْتُ دَوَاوِيْنَ الْعَطَايَا وَاَعْطَيْتُ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يُعْطِي بِالسَّوِيَّةِ وَحَرَّمْتُ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ اِذًا لَتَفَرَّقُوا عَنِّي وَاللّٰهِ لَقَدْ اَمَرْتُ النَّاسَ اَنْ لَا يَجْتَمِعُوا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ اِلَّا فِي فَرِيضَةٍ وَاَعْلَمْتُهُمْ اَنَّ اجْتِمَاعَهُمْ فِي النَّوَافِلِ بِدْعَةٌ فَتَنَادٰى بَعْضُ اَهْلِ عَسْكَرِي مِمَّنْ يُقَاتِلُ مَعِي

يَا أَهْلَ الْاِسْلَامِ غُيِّرَتْ سُنَّةُ عُمَرَ يَنْهَانَا عَنِ الصَّلٰوۃِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ تَطَوُّعًا۔ یعنی تحقیق کہ میرے قبل کے خلفاء نے ایسے کام کیئے ہیں کہ انمیں رسول اللہؐ کے خلاف کیا ہے عمداً انکی مخالفت کی ہے ان کے عہد کو توڑا ہے انکی سنت کو بدلا ہے اور اگر میں لوگوں کو ان کاموں کے ترک پر آمادہ کرتا ہوں اور انکو پھر انکی اصلی حالت پر لیجاتا ہوں۔ یعنی اس حالت پر جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں تھی تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جاتا ہے اور اگر میں فدک کو وارثان فاطمہؑ کے حوالہ کردوں اور جو جاگیریں رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ نے کچھ لوگوں کو دی تھیں اور وہ ان کو نہیں دی گئیں انکو دیدوں اور جو کچھ ظلم سے فیصلے کیئے گئے ہیں۔ انکو رد کر دوں اور جو عورتیں ناحق لوگوں کے قبضہ میں ہیں انکو نکال کر ان کے شوہروں کے حوالہ کر دوں اور لوگوں کو قرآن پر عمل کرنے کی ترغیب دوں اور وظائف کے رجسٹروں کو مٹا دوں اور جس طرح رسولؐ سب کو برابر دیا کرتے تھے میں بھی سب کو برابر دیا کروں اور موزوں کے مسح کو ناجائز کر دوں تو عمر ور لوگ مجھ سے جدا ہوجاویں گے۔ اللہ کی قسم میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان میں سوا فرض کے جماعۃ نہ کریں اور میں نے ان کو بتلایا کہ نوافل میں جماعۃ کرنا بدعۃ ہے۔ تو میری فوج کے بعض افراد جو میرے ساتھ ہو کر لڑتے تھے چلائے کہ اے اہل اسلام عمر کی سنت بدل دی گئی ہم لوگ کو رمضان میں نفل نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔

یہ ہے خطبہ جناب علی علیہ السلام کا جسکی بنا پر اہلسنت والجماعۃ
کہتے ہیں کہ جناب علی علیہ السلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کا سایہ بھی نہ تھا حالانکہ اس میں آیہ کریمہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ
تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ
کی صرف تفسیر اور تصدیق ہے اور حضرت نے تولیتم کی
مناسبت سے اولو الامر یعنی حاکم و حکمران کا لفظ استعمال فرمایا ہے
اور خلیفہ وغیرہ نہیں کہا ہے تا کہ معلوم ہو کہ قرآن کس قدر سچا
ہے کہ جو بات اسنے کہی تھی وہ رسولخدا کے بعد فوراً ہی پیش
ہو کر رہی جو فساد تینوں دلاۃ یعنی حکمرانی نے کیا ہے اوسکی تفصیل
پوری دیدی ہے۔ جو قطع رحم کیا ہے اوسکی طرف بھی اشارہ ہی
کہ رسولخدا کی خلافۃ پر قبضہ کر کے آپ کے ذوی الارحام حضرت
علیؑ۔ فاطمہؑ اور حسنینؑ علیہم السلام کو اونکے حقوق سے محروم کر دیا۔
اور سب سے بڑھکر امت کی عادت ایسی خراب ہوگئی ہے کہ حق بات
نہ مانیگی اور کہتی ہے کہ حضرت عمر کی سنت نہیں چھوڑیگی۔ یہ وہ
شکایت ہے جو اکثر انبیاء کی امت کے متعلق ہے۔ مثلاً سورہ البقرہ رکوع
۲۱ میں ہے:۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا
بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ط أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ
لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ٥ یعنی جب اُن سے کہا جاتا
ہے کہ جو حکم خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اوسکو مانو تو کہتے ہیں
کہ ہم تو اوسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں
کو پایا اگرچہ اونکے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں: نہ نہ ہدایت یافتہ

ہوں - ایسی ہی آئت سورہ المائدہ کے رکوع ۱۴ میں ہے
اور پھر سورہ الاعراف رکوع ۳ میں ہے :- وَاِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَۃً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَا اٰبَاءَ نَا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا ط
قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ط یعنی اور وہ لوگ جب کوئی
بدکاری کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طریقہ پر اپنے باپ
دادا کو پایا اور خدا نے یہی حکم دیا ہے۔ اے رسول کہہ دو کہ خدا
ہرگز بُرے کام کا حکم نہیں دیتا۔

غرض دوسری اُمتوں کی عادت اور طریقے اگر سیکڑوں برس
میں خراب ہوتے تھے تو امت محمدی کی عادت صرف ۲۵ برس
میں تینوں خلافتوں کے دور میں خراب ہوگئی اور جیسی بدکاری
اور بدعۃ کی ممانعت پر امم سابقین نبیوں کا جواب دیتی تھی کہ میرے
بزرگ ایسا کرتے تھے میں اسکو ترک نہیں کرونگی - ویسا ہی اُمت
محمدی بدعۃ کی ممانعت پر کہتی تھی کہ حضرت عمر ایسا کرتے تھے میں
اسکو ترک نہیں کرونگی۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں جو لوگ تھے
اور جن کی یہ سب شکایت ہے وہ سب کے سب اصحاب رسولؐ
تھے کیونکہ ۲۵ برس کے زمانہ میں زیادہ تر اصحاب رسولؐ
رحلت کر چکے تھے - اور حضرت علیؑ سے جن سے سروکار ہوا
یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ہوش سنبھالتے ہی خلافۃ حضرت
ابوبکر - عمر و عثمان اور اوس کے چال کو دیکھا ورنہ حضرت علیؑ کو
اصلاح میں اتنی دقت نہ ہوتی۔

اس خطبہ مبارکہ سے سب سے پہلے اوس اتہام اور بہتان کی رد ہوتی
ہے جو کہا جاتا ہے کہ شیعوں سے حضرت علیؑ اپنی خلافت کے
زمانہ میں حیران اور پریشان رہے۔ شیعے ہمیشہ حضرت فاطمہؑ
کی طرف سے فدک کے دعویدار تھے وہ اوسکو وارث فاطمہؑ کے
واپس دینے سے کبھی ناراض نہ ہوتے۔ یہ بھی بات معلوم ہے کہ جو
لوگ تینوں خلافتوں کے خلاف تھے اونکے وظائف اور جاگیریں
ضبط ہوگئی تھیں اور جو ہوا خواہ خلافت تھے اونکو وظیفہ اور جاگیریں
ملی تھیں اور اسکے رجسٹروں کے مٹانے سے اہلسنت والجماعۃ
ناراض ہوتے نہ شیعے۔ اور تراویح کا ذکر فرما کر حضرت علیؑ نے
بالکل صاف کردیا کہ جو کچھ تکلیف آپکو تھی وہ تراویح پڑھنے والوں
سے تھی۔ غرض شیعے وہی دوچار لوگ تھے جو بعد رسولخدا ص
حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل سمجھا کئے اور تینوں خلافتوں سے
ناراض رہے اور اونکی پرواہ نہ کی۔ اور اہلسنت والجماعۃ کا وہ
بڑا گروہ تھا جو حضرت رسولخداؐ کے بعد آل رسولؐ کو چھوڑ کر خلافت
کے ساتھ ہوگیا اور اونکی اولاد جنہوں نے خلافت کے زمانہ میں
ہوش سنبھالا یا پیدا ہوئے۔ اور جب حضرت علیؑ کو خلافت ملی تو
خلافت اور سلطنت کے پاس سے حضرت علیؑ کے تو ساتھ رہے
اور اونکو چوتھا خلیفہ مانا کئے اور سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ حضرت ابوبکر
و عثمان کے حکم سے خدا و رسولؐ کی مخالفت کی اور دوسری راہ
اختیار کرلی لیکن حضرت علیؑ کے ارشادات سے سنت خلفا کو ترک
کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ورنہ انکے ارشادات ترک پر راضی ہوتے

اس لئے کہ اوسی کے مطابق وظیفہ کھاتے تھے۔ جاگیریں قبضہ میں تھیں عزت وجاہ دنیاوی حاصل تھا اور ڈرتے تھے کہ اگر آج حضرت علیؑ کا ایک حکم مانا تو کل دوسرا حکم ماننا پڑیگا۔ لہذا ابتدا ہی سے نافرمانی شروع کردی یہاں تک کہ جب سمجھایا گیا کہ صرف نماز فرض جماعۃ کے ساتھ ادا کرنا چاہئے نوافل کا جماعۃ کے ساتھ پڑھنا بدعۃ ہے تو وہ لوگ جو آپ کے ساتھ لڑتے تھے چلائے کہ اے اہل اسلام عمرؓ کی سنت بدل دی گئی۔

اس ارشاد سے حضرت کا یہ مطلب ہے کہ عبادت کی اصلاح میں جو کسی کا مالی نقصان نہ تھا اوسکو امت محمدی نہیں مانتی تھی تو ناحق کے وظیفہ اور جاگیر وغیرہ کی اصلاح پر کیونکر راضی ہوتی اور اوسکی اصلاح کا یقینی نتیجہ یہ تھا کہ ہمارا لشکر ہی نہیں جو اہلسنت تھا بلکہ امت محمدی ہم سے علحدہ اور متفرق ہوجاتی۔

اس خطبہ کی بناپر یہ کہنا کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی خلافۃ کے جاتے رہنے سے ڈرتے تھے بالکل غلط ہے۔ اور خطبہ شقشقیہ میں حضرت کا قول موجود ہے کہ میں خلافۃ اور دنیا کو بکری کی چھینک سے بھی کم سمجھتا ہوں اور اگر حجۃ خدا مجھ پر نہ قائم ہوجاتی تو میں کبھی اوسکو نہ قبول کرتا۔" پس جس بزرگ کے ایسے خیالات ہوں وہ خلافۃ اور سلطنت کی کیا پرواہ کرتا۔ حضرت کو اپنی زندگی میں جو کچھ بھی پرواہ تھی وہ اطاعۃ رسول اور خوشنودی خدا کی اور آپ کو اون ہی چیزوں کا ڈر رہتا تھا جن سے انبیاء و رسل ڈرا کرتے تھے چنانچہ اس افتراق اور تفرقہ سے حضرت ہارون علیہ السلام نے ڈرکر بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے نہ روکا جس کا ذکر رکوع ۵ سورہ طٰہٰ میں ہے:-

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ ....

قَالَ ..... اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے گوسالہ پرستی دیکھا تو حضرت ہارون سے پوچھا کہ جب تم نے دیکھا کہ وہ لوگ گمراہ ہوگئے تو میری پیروی میں اون سے قتال کرنے کو کیا مانع ہوا۔ جواب دیا کہ میں تو اس سے ڈرا کہ آپ فرمائے کہ ہم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالدیا اور میری بات کا بھی خیال نہ رکھا۔ دیکھئے شرک اور بت پرستی اور گوسالہ پرستی سے کوئی شے خدا کے نزدیک زیادہ بُری نہیں ہے۔ سب قصور اور گناہ معاف ہوسکتا ہے لیکن شرک نہیں معاف ہوسکتا۔ مگر تفرقہ کے خوف سے حضرت ہارون بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے ترک پر مجبور نہیں کرتے۔ حق و باطل کو سمجھا دیا اور جب وہ نہ مانے اور زیادہ اصرار پر لڑنے کو آمادہ ہوگئے تو صبر کیا۔ وہی حالت حضرت علی علیہ السلام اپنی اور امت محمدی کی ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر اونکو قرآن اور سنت رسولؐ پر واپس لانا چاہتا ہوں تو مجھ سے متفرق ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح کے خوف سے جناب سرور کائنات وقت وفات وصیت لکھنے سے باز رہے۔ وہ بھی کیسی وصیت جس سے گمراہی اور ضلالت کا سد باب ہوتا تھا۔ حضرت کا دعویٰ تھا کہ یہ ایسی وصیت ہے جسکے لکھنے کے بعد امت محمدی ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگی لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ لیکن حضرت عمر اور اونکے ہم خیال دیگر اصحاب مانع ہوئے کہ ہم کو اس وصیت کی ضرورت نہیں۔ ہم کو کتاب خدا کافی ہے اور نزدیک تھا کہ اگر حضرت اصرار کریں تو امت خود رسول ہی سے علحدہ ہوجاوے لہذا رسولِ خدا ایسی بے مثل وصیت لکھنے سے باز رہے۔

پس جب حضرت ہارون گوسالہ پرستی نہ روک سکے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ وہ وصیت نہ لکھ سکے جو امت کو قیامت تک گمراہی سے بچاتی اور پھر بھی ان

حضرات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وصف تھا تو جناب علیؑ کا اظہار حق کردینا۔ کتاب خدا کے احکام و سنت رسولؐ کو بیان فرمادینا کافی تھا۔ اور ہر شخص کے ساتھ تلوار نہیں کھینچنے سے آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے قاصر نہیں کہے جاسکتے۔

ایسا کہنے والے منصب رسالت و منصب امامت سے بالکل ناواقف اور جاہل ہیں۔ خداوند علام نے ان کے منصب کو بہت صاف اور واضح قرآن میں ارشاد فرمادیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

۱۔ سورہ البقرہ رکوع ۳۷: لَیْسَ عَلَیْکَ هُدٰهُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی اے رسولؐ تمہارا فرض ان کو ہدایت یافتہ کردینا نہیں ہے بلکہ خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنادیتا ہے۔

۲۔ سورہ المائدہ رکوع ۱۲: فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔ یعنی اس پر بھی اگر تم نے خدا کے حکم سے منہ پھیرا تو سمجھ لو کہ ہمارے رسول پر صرف پیغام پہونچانا فرض ہے۔

ایسی بے شمار آیتیں ہیں اور صاف صاف حکم ہے کہ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین میں کسی طرح زبردستی نہیں ہے۔

غرض یہ بات بالکل واضح ہے کہ رسول اور امام کیلئے حکم خدا کو سنادینا ہے ماننا نہ ماننا انسان کے اختیار میں ہے۔ جناب علی علیہ السلام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسا تھا کہ اپنی خلافت کے زمانہ کا کیا ذکر پہلے ہی خانہ نشینی اور مجبوری کی حالت میں بھی اوس سے دریغ نہیں فرماتے تھے دربار خلافت میں جب مجبور کرکے حاضر کئے گئے تو وہاں بھی امر بالمعروف سے نہ رُکے۔ خلیفہ دوم صاحب تو اکثر کہا کرتے لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَکَ عُمَرُ

یعنی اگر حضرت علیؓ کی ذات نہ ہوتی تو عمر ہلاک ہو جاتے یعنی گمراہی میں پڑ جاتے۔ حضرت عثمان کو جو تعلیم اور نصیحت فرمایا گئے اوس سے تواریخ بھری ہیں۔ اگر حضرت عثمان مثل حضرت عمر حضرت علیؓ کی کچھ بات مانتے تو ہلاکت میں نہ پڑتے اور نہ قتل ہوتے۔ اپنی زمانہ خلافت میں آپ نے بیت المال کو برابر انصاف کیساتھ تقسیم کرنے سے طلحہ اور زبیر نے بگڑ کر بغاوت کر دی اور آپ کے حکم و فرمان کو اپنی نفس پرستی کا خارج پاکر معاویہ باغی ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ حضرت نے اپنے زمانہ خلافت میں جو خطبے ارشاد فرمائے ہیں وہ حضرت کی حق جوئی اور حق کوشی کو ثابت کرتے ہیں۔ غرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صفت سے موصوف ہونے کے لئے خلافت اور سلطنت ضرور نہیں ہے، بلکہ سچے مومن کے لئے ہر حالت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا موقعہ ہے خواہ وہ سلطنت کا مالک ہو یا نہ ہو۔ خواہ وہ آزاد ہو۔ خواہ قیدی ہو۔

چنانچہ حضرت داؤد و حضرت سلیمان کی مثال ایسے حکمرانوں کی ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتے تھے۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت شعیبؑ۔ حضرت صالحؑ وغیرہ پیغمبروں کی مثال اونکی ہے جو حکمراں نہیں ہیں اونکی قوم اونکو سنگسار کرنے کو ہوتی ہے لیکن وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے دریغ نہیں کرتے۔ حضرت موسیٰ فرعون وقت سے بھاگے پھرتے ہیں جان کا ڈر ہے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز نہیں آتے۔ حضرت یوسفؑ قید ہیں لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سرگرم ہیں۔ حضرت یحییٰ اور حضرت یونس پیغمبران حضرت عیسیٰ [illegible] قید ہو جاتے ہیں لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہیں رکتے۔ خود حضرت عیسیٰ گرفتار کئے جاتے ہیں۔ قید ہوتے ہیں اور بالآخر سولی پر لٹکا دیئے جاتے ہیں لیکن

انبیاء خدا قتل کئے جاتے ہیں۔ حضرت زکریا کے سر پر آرا چلایا جاتا ہے اونکے صاحبزادے حضرت یحییٰ قتل کئے جاتے ہیں لیکن کوئی صاحب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کوتاہی نہیں فرماتے۔ پس علیؑ اور اولاد علیؑ (بارہ امام) کی حالت بھی انھیں انبیاء اور مرسلین کی سی تھی کہ جس حالت میں رہے خواہ خلافت کے مالک رہے خواہ گلے میں رسی باندھکر دربار خلافت میں حاضر کئے گئے۔ خواہ زنجیروں میں جکڑ کر دربار یزید میں کھڑے کئے گئے۔ خواہ قید میں رکھے گئے خواہ قتل کئے گئے ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کئے۔ جنکی تعلیم احادیث تواریخ وغیرہ بھری ہوئی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے خطبات و مقولے حضرت زین العابدین علیہ السلام کا صحیفہ کاملہ اور موعظے۔ جناب امام محمد باقر و امام جعفر صادقؑ و امام رضا علیہم السلام وغیرہم کی تعلیمات وغیرہ وغیرہ اب بھی دنیا کو صراط مستقیم کا پتہ دیتی ہیں۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ کا بہت بڑا فخر یہ ہے کہ یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔

یہ بارہ نفوس مقدسہ ایسے ہی حق گو اور خلافت کے ظلم وجور کو ناحق کہنے والے تھے کہ اولاد رسولؐ گرچہ سیکڑوں۔ ہزاروں کی شمار میں تھی لیکن انھیں بارہ حضرات کو ہمیشہ قید یا نظر بند رکھا گیا گرچہ ان حضرات نے نہ کبھی فساد کیا اور نہ فساد کا ان سے خوف تھا لیکن انکا وجود اونکے ظلم وجور کے احکام میں حارج و مخل ہوا کرتا تھا اس لئے اونکو برملا شہید کیا یا مکر سے مارا۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام کے متعلق حضرت معین الدین چشتی فرماتے ہیں ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ　　دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید　　حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

انھیں بزرگوں کے قاتلوں کو حضرت رسولخداؐ کے ذریعہ سے خدا نے

عذاب الیم کی خوشخبری دی ہے۔ المختصر شیعے انھیں بارہ نفوس مقدسہ کو مصداق آیہ کریمہ کُنتُم خَیرَ اُمَّۃ کا جانتے ہیں۔ جنمیں حضرت علی حضرت حسن حضرت حسین علیہ السلام نزول آیہ کے وقت موجود اور اس آیۃ کے مصداق تھے۔ اور انکے بعد جو نفوس انھیں کے ہم صفت اور ہم آہنگ تھے وہ بھی اس خطاب میں شریک ہیں۔ اور وہی امت محمدی پر نگراں رہے ہیں اور تا قیام قیامت نگراں رہیں گے۔ اس معنی کو خود آیہ کریمہ زیربحث بتلا رہا ہے اور دوسری بے شمار آیتیں اسکی تصدیق کرتی ہیں۔ جنکے بعض کا ذکر انشاء اللہ آیندہ آتا ہے۔ یہ وہ آیت ہے جس کا صحیح معنی بغیر مذہب شیعہ کے تسلیم کئے کوئی بتا ہی نہیں سکتا۔ جب رسولخدا کے زمانہ میں جس وقت آیہ نازل ہوا ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو اچھے کام کا حکم دیں۔ برے کام سے منع کریں اور خدا پر ایمان رکھیں تو بعد رسول تا قیام قیامت ایسے معلم اور استاد کی اور زیادہ ضرورت ہے جسکے متعلق خدائی حکم او پر عرض ہوا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الخ یعنی اے امت رسولؐ تم میں ایک گروہ ہے اور رہیگا جو کار خیر کیطرف بلاتا ہے اور اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے منع کرتا ہے اور یہی لوگ فلاح یافتہ ہیں۔

اہلسنت والجماعۃ ہرگز ہرگز آیہ کریمہ زیربحث کے معنی نہیں بتا سکتے اور نہ اونکا مذہب ایک منٹ کے لئے اس آیہ کریمہ کے مقابلہ میں ٹھہر سکتا ہے۔ خداوند عالم نے کہیں ایک جگہ بھی قرآن میں امت محمدی کو دیگر امتوں سے بہتر نہیں فرمایا ہے بلکہ لَتَرکَبُنَّ طَبَقاً عَن طَبَقٍ یعنی اے امت رسول ضرور تم اگلی امت کے قدم بقدم چلوگے فرما کر بتا دیا کہ یہ لوگ گذشتہ اور ہلاک شدہ امت کے قدم بقدم چلیں گے۔ اس آیہ کی مفصل تفسیر ص ۱۸ و ۱۹

رسالہ ہذا میں ملاحظہ ہو۔ اس کے بعد کیونکر خداوند عالم اونکو بہترین امت فرما سکتا ہے اور جس امت کے متعلق یہ فرماوے کہ قریب ہے کہ یقینی تم لوگ حکمراں نبکر فساد کروگے۔ قطع رحم کروگے اور خدا تم پر لعنت کریگا اوس امت کو خداوند عالم کیونکر بہترین امت فرما سکتا ہے۔ سب پر بالا یہ امر ہے کہ اہلسنت و الجماعۃ کا یہ اصول کہ کل اصحاب عدول ہیں۔ ہماری کیا مجال کہ اونکے مناقشہ جھگڑے اور دیگر قبائح پر نظر کرکے زبان کھولیں ٹوٹ کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم سورہ العنکبوت میں فرماتا ہے کہ امتحان لے کر صادقین کو پہچنوا دونگا اور کاذبین کو پہچنوا دوں گا اور جنگ اُحد میں فرماتا ہے کہ مومن کو پہچنوا دیا اور منافق کو پہچنوا دیا اور امت محمدی کا دو گروہ ہے تو پھر کس کی مجال ہے کہ امت محمدی کا ایک گروہ جنکو اور وہ بھی کُل کا کُل خیر اُمّۃ کا مصداق ع این خیال است و محال است جنون

ایک لطیفہ:۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ الخ کے معنی اہلسنت والجماعۃ کہتے ہیں کہ تم لوگ ان سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہیں۔

اور خداوند عالم سورہ آل عمران رکوع ۴ میں فرماتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوْحاً وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ یعنی بے شک خدا نے آدم اور نوح اور پیرو حضرت ابراہیم اور پیرو حضرت عمران کو سارے جہان سے برگزیدہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ اس بنا پر کیا گیا ہے کہ اہلسنت والجماعۃ آل کے معنی اولاد اور اہل خاندان ہونیسے انکار کرکے پیرو اور دینی تعلق رکھنے والا بتاتے ہیں۔ پس جب حضرت ابراہیم اور حضرت عمران کے پیرو اور امت سارے جہاں سے برگزیدہ ہوئے تو پھر امت محمدی سب امتوں سے کیونکر بہتر ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے جیسا

میں نے صہ رسالہ ہذا میں لکھا ہے کہ ابن مسعود کے قرآن میں اس طرح تھا اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ وَ اٰلَ مُحَمَّدٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ یعنی بے شک خدا نے آدم۔ نوح اور آل ابراہیم و آل عمران و آل محمدؐ کو سارے جہان سے برگزیدہ کیا اور یہی صحیح ہے اور اس سے آیہ زیر بحث کے بھی معنی بنتے ہیں لیکن جامع قرآن نے اپنی کج فہمی سے آل محمدؐ کے معنی اولاد رسولؐ خیال کرکے اسکو قرآن سے حذف کردیا کہ اب خیرامۃ کے معنی بھی حسب خواہش اہل سنت والجماعت نہیں بنتے ہیں اگر اب بھی آل رسولؐ سے بارہ اماموں کے برگزیدہ اور بہترین خلق ہونے اور یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور یَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ سے کسی کو انکار ہو اور یہ دعوی ہو کہ خلفاء راشدین امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے تو ایک کتاب بھی نہج البلاغۃ کی ایسی یا ایک صحیفہ صحیفہ حضرت زین العابدین کے صحیفہ کاملہ ایسا یا چند نصائح مثل تعلیم امام محمد باقرؑ۔ امام جعفر صادقؑ۔ امام رضا علیہم السلام وغیرہ کے دنیا کے سامنے پیش کردیں۔ میں تو یہاں تک دعوے کے ساتھ کرسکتا ہوں کہ ان خلفاء راشدین کی ایک تعلیم بھی ایسی نہ ملیگی جس میں انھوں نے جھوٹ کو منع کیا ہو۔ مال ناحق۔ مال غصب اور رشوت کھانے کو منع کیا ہو۔ بلکہ انکی ایک تعلیم بھی ایسی نہ ملیگی جس میں انھوں نے اطاعۃ خدا و رسولؐ کا حکم دیا ہو یا قرآن کی پیروی کی تاکید کی ہو۔ اس پر دعوی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر! خدا کی شان اسی کو کہتے ہیں۔ برعکس نہہند نام زنگی کافور۔

ان سب کے بعد یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آخر صحابہ کی مدح خصوصاً حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان اور معاویہ کی تعریف میں رسول خداؐ نے کیوں اس قدر

حدیثیں ارشاد فرمائیں کہ دفتر کا دفتر اوس سیاہ ہے۔ میں بار بار عرض کرتا ہوں کہ کل حدیثوں کو قرآن پر پیش کیجئے قرآن جس کی تصدیق کرے اوسکو مانئے باقی سب افتراء ہے۔ مثلاً حضرت عمر کی جو تعریف شجاع۔ اشداء علی الکفار اور فاروق اعظم وغیرہ کا خطاب بکثر گیجاتی ہے۔ ان کو قرآن پر عرض کیجئے اور دیکھئے کہ کیا قرآن انکے فرار کی خبر نہیں دیتا کہ کسی ایک جنگ میں بھی قرار نہیں پکڑتے تھے۔ جنگ احد سے فرار کرکے پہاڑ پر چڑھ گئے اور رسولخدا کے پکارنے کی پرواہ بھی نہ کی۔ خیبر سے ایسا بھاگے کہ لشکری انکو نامرد کہتے تھے اور یہ لشکری کو۔ جنگ احزاب میں عمرو بن عبدود کے سامنے ایسا سر جھکالیا کہ گویا سر پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔ جنگ حنین میں ایسا بھاگے کہ حضرت رسولؐ اور حضرت عباس آواز دے رہے ہیں اور کچھ نہیں سنتے۔ پھر ایسے شخص کے لئے وصف شجاعت کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ ان حضرات کی تعریف کی حدیثیں بھی وہی معویہ کی مکر کا نتیجہ ہے جسکی شہادت علامہ ابو الحسن مدائنی نے اپنی کتاب الاحداث میں یوں تحریر فرمائی ہے:۔ کتب معاویة الی عماله فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعة علی شهادة وکتب الیهم ان انظروا من قبلکم من شیعة عثمان ومحبیه واهل ولایته الذین یروون فضائله ومناقبه فادنوا مجالسهم وقربوهم واکرموهم واکتبوا الی بکل ما یروی کل رجل منهم واسمه واسم ابیه وعشیرته ففعلوا ذلک حتی اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبه لما کان یبعثه الیهم معاویة من الصلات والکساء والحباء والقطائع ولیقیضه فی العرب منهم والموالی فکثر ذلک فی کل

مصر وتنافسوا فی المنازل والدنیا فلیس یجد امرؤ من الناس عاملا من عمال معویة فیروی فی عثمان فضیلتہ اومنقبتہ الا کتب اسمہ وقربہ وشفعہ فلبثوا بذلک حینا۔ ثم کتب الی عمالہ ان الحدیث فی عثمان قد کثر وفشا فی کل مصر وکل وجہ وناحیۃ فاذا جاءکم کتابی ہذا فادعوا الناس الی الروایۃ فی فضائل الصحابۃ والخلفاء الاولین ولا تترکوا خبراً یرویہ احد من المسلمین فی ابی تراب الا واتونی بمناقض لہ فی الصحابۃ فان ہذا احب الی واقر لعینی وادحض لحجۃ ابی تراب وشیعتہ واشد علیہم من مناقب عثمان وفضلہ فقرئت کتبہ علی الناس فرویت احادیث کثیرۃ فی مناقب الصّحابۃ مفتعلۃ لاحقیقۃ لہا وجد الناس فی روایۃ ما یجری ہذا المجری حتی اشادوا بذکر ذلک علی المنابر والقی الی معلمی الکتاب فعلموا صبیانہم وغلمانہم من ذالک الکثیر الواسع حتی رووہ وتعلموہ کما یتعلمون القران وحتی علموہ بناتہم ونسائہم وخدمہم وحشمہم (از کتاب النصائح الکافیہ مؤلفہ السید جلیل محمد بن عقیل منہ) یعنی معویہ نے اپنے ممالک محروسہ کے تمام عمال کو یہ فرمان لکھ بھیجا کہ حضرت علی اور اونکے اہلبیت کے کسی شیعہ کی گواہی نہ قبول کیجاوے اور یہ بھی تاکید لکھ بھیجی کہ عثمان کے شیعہ اور اونکے ساتھ محبت رکھنے والوں کے اقوال برابر قبول کئے جاویں۔ اور ایسے جو لوگ فضائل ومناقب عثمان بیان کریں اونکو اپنی خلوت اور جلوت میں قربت خاص کا مرتبہ دیا کرو اور اونکا اکرام کیا کرو اور اُن میں سے جو کوئی جو کچھ بیان کرے اون میں سے ہر ایک کے نام معہ ولدیت

اور قومیت لکھ بھیجو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ فضائل
و مناقب عثمان میں کثرت سے حدیثیں جمع ہو گئیں اور معویہ نے اون تمام
اشخاص کو انواع و اقسام کے صلہ جات۔ خلعات۔ عطیات۔ آراضیات
جاگیرات و غلام دیگر تمام عرب میں اونکو مالا مال کر دیا۔ پھر ایسے لوگ
تمام دیار و امصار میں پھیل گئے اور کثرت سے ہو گئے اور ان عمالان
معویہ میں کوئی عامل ایسا نہیں چھوٹا ہو گا جس نے معویہ کے اس
فرمان کے موافق کسی ایسے شخص کو جس نے عثمان کے فضائل و مناقب
میں روایت کی ہو اور عمالین معویہ نے اوس کو درجہ قربت نہ دیا ہو یا
اُس کا نام لکھکر دربار معویہ میں اوکی سفارش نہ کی ہو۔ یہی حالت قائم
رہی تا اینکہ معویہ نے اپنے عمال کو دوسرا حکم نامہ لکھا کہ چونکہ فضائل
عثمان میں حدیثیں زیادہ ہو گئیں اور ہر بلاد و امصار میں کثرت سے پھیل
گئیں اسلئے بفور رسید حکمنامہ ہذا تم لوگ فضائل صحابہ اور خلفاء اولین
کے متعلق حدیثیں مرتب کرنے کی فرمایش کرو اور مجھکو اس امر کی فوراً
خبر کرنے سے کسی وقت غافل نہ ہو کہ جب کوئی شخص امت اسلام میں کوئی
حدیث یا روایت ابو تراب کی شان میں بیان کرے تو اوسی وقت اسکے
مناقض حدیث صحابہ کی شان میں تیار کر لیجاوے کیونکہ یہ امر مجھکو سب سے زیادہ
محبوب ہے اور اس سے میری آنکھوں میں ٹھنڈک پہونچتی ہے۔ ان کو
بیان فضائل ابو تراب سے سخت منع کرو اور اون فضائل کا بطلان کر دیا
اوس کا دوسرا مقصود بنا دو اور فضائل عثمان کے لئے سخت تاکید کرو
الغرض یہ فرمان معاویہ پڑھکر سب کو سُنایا گیا اور لوگوں نے کثرت سے
فضائل صحابہ میں ایسی حدیثیں تیار کیں جن کی کوئی حقیقت نہ تھی ایسی

حدیثوں کو ان لوگوں نے شارع عام پر اجرا کیا یہاں تک کہ مسجد کے منبروں پر یہ حدیثیں بیان کی گئیں اور معلمین نے ان کو کتب درسیہ میں لکھکر لڑکوں اور جوانوں کو پڑھائیں۔ پھر تو اس تعلیم کو اتنی ترقی ہوئی کہ قرآن مجید کی تعلیم کے برابر ہو گئی۔ اور مسلمانوں کی تمام لڑکیوں عورتوں اور گھر کے غلام اور کنیزوں تک کو پڑھائی اور یاد کرائی گئیں۔ الخ

دیکھا اولاً معاویہ نے جناب امیر علیہ السلام سے فعلی جنگ اور بغاوۃ کی اسکے بعد قولی بغاوۃ رسولخدا سے کی کہ اس طرح وضعی حدیثوں کا انبار تیار کردیا کہ اس وقت حق جو کو حق ملنا مشکل ہو رہا ہے۔

اس فرمان کی تعمیل میں جو حدیثیں وضع کی گئی ہیں اونیں سے جو اہلسنت والجماعۃ کے خیال میں متواتر اور بالکل صحیح ہے پیش کرکے ناظرین سے انصاف طلب ہوں کہ جب اس حدیث کی یہ حالت ہے تو اور حدیثوں کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

نہایت ہی تعجب کی بات ہے کہ جن اصحاب نے ملکر حضرت عثمان کو قتل کیا پھر وہی انکی مدح سرائی کی حدیثیں روایت کریں۔ نہیں نہیں اصحاب حضرت عثمان کی بداعمالیوں کو جانتے تھے اور بعد غور وفکر اونکے گھر کا محاصرہ کیا اور خلافۃ سے علحدہ ہونیکو کہا۔ جب خلافۃ سے علحدگی منظور نہ کی تو مجبوراً اونکو قتل کیا۔ اس کے بعد وہ کبھی اونکی تعریف اور توصیف کرنے والے نہ تھے اور ایک حدیث بھی اُن لوگوں نے انکی تعریف میں بیان نہیں کی لیکن معاویہ کے فرمان کی بدولت اوسکے زمانہ کے لوگوں نے طمع میں پڑکر حدیثیں گڑھ گڑھکر اصحاب کی طرف منسوب کردیں اور حضرت عثمان کی تعریف کا انبار اتنا زیادہ کردیا کہ خود معویہ گھبرا گیا اور لکھا کہ

حضرت عثمان کے فضائل کی حدیثیں بہت ہوگئیں اب زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ ان حدیثوں کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ ان کی تعریف میں بہت مشہور تعریف ذوالنورین کی ہے۔ اگر اسی ایک تعریف کی جانچ کیجاوے تو اسکی کچھ بھی اصلیت نہیں معلوم ہوتی۔ شیعوں نے اس کے متعلق کوئی جانچ پرتال نہیں کیا اسلئے کہ وہ جانتے تھے کہ وصف اضافی اوسی وقت سودمند ہو سکتا ہے۔ جب خود موصوف میں کوئی ذاتی وصف بھی ہو۔ بنی کی آل و اولاد ہونا باعث افتخار جب ہی ہے کہ وہ اولاد نیکوکار ہو۔ زن و شو ایک دوسرے پر اوس وقت فخر کر سکتے ہیں جب دونوں نیکوکار اور قابل تحسین ہوں ورنہ بی بی کا بنی کی بیٹی ہونا شوہر کے لئے کچھ بھی سودمند نہیں ہے۔ اگر خود بدکار ہے اور کسی کا بنی کی زوجہ ہونا سودمند نہیں ہے اگر خود نیک بخت نہ ہو جیسا خداوند عالم سورہ تحریم میں فرماتا ہی لہذا شیعوں نے حضرت عثمان کے افعال و اعمال ہی پر نظر کیا۔ اور اس صفت و اضافی کی تنقید نہیں فرمائی ورنہ اسکی قلعی بہت قبل کھل گئی ہوتی۔ لہذا میں اس رسالہ میں جانچنا چاہتا ہوں کہ حضرت عثمان کہاں تک ذوالنورین کے خطاب کے مستحق ہیں۔

اس خطاب سے مراد یہ ہے کہ حضرت عثمان دو انوار مقدسہ کے شوہر تھے یعنی یکے بعد دیگرے رسولخداؐ کی دو صاحبزادیوں سے عقد کیا اور انکو اپنی زوجیت میں لائے۔ اس قصہ کو صاحب منتخب التواریخ جو شیعہ تھے بغیر تعقل و تدبر اور تحقیق اس امر کے کہ یہ دونوں عقد عقلاً ممکن ہیں کہ نہیں صرف حضرت عثمان کے ظلم و جور ثابت کرنے کے لئے یوں تحریر فرماتے ہیں " رقیہ بنت رسولخدا حضرت عثمان کی زوجیت میں آئیں ان کے

زمانہ میں رسولخدا صلعم نے حضرت عثمان کے چچا مغیرہ کا خون بحل کر دیا تھا اور اوسکے قتل کا حکم فرمایا تو حضرت عثمان نے مغیرہ کو اپنے گھر میں چھپالیا۔ حضرت جبرئیل نے رسولخدا کو مطلع کیا کہ مغیرہ عثمان کے گھر میں پوشیدہ ہے تو رسولخدا نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ حضرت عثمان کے گھر میں جا کر مغیرہ کو قتل کریں۔ جب حضرت عثمان کو اسکی خبر ہوئی تو مغیرہ کو حاضر کر دیا اور تین روز کی مہلت لی کہ مدینہ چھوڑ دینگے۔ رسولخدا نے منظور فرمایا اور ارشاد کیا اَللّٰھُمَّ الْعَنْ مُغِیْرَۃَ بْنَ اَبِی الْعَاصِ وَالْعَنْ مَنْ یَّحْمِلُہٗ وَالْعَنْ مَنْ یُّطْعِمُہٗ وَالْعَنْ مَنْ یَّسْقِیْہِ وَالْعَنْ مَنْ یُّجَھِّزُہٗ وَالْعَنْ مَنْ یُّعْطِیْہِ شَفَاعَۃً اَوْ حِذَاءً اَوْ رِشَاءً اَوْ دِعَاءً یعنی خداوندا لعنت کر مغیرہ بن ابو العاص پر اور جو اوسکو سواری دے۔ جو اوسکو کھانا دے جو اوس کو پانی دے۔ جو اوس کو سامان سفر مہیا کرے اور لعنت کر اوسپر جو اوسکی سفارش کرے اور جو اوس کو پناہ دے اور جو اوسکے لڑکون بالون کو دے۔

اس کے بعد بھی حضرت عثمان نے یہ سب کچھ اپنے چچا کے لئے کیا اور سازو سامان دیکر چوتھے دن مدینہ سے باہر کیا۔ پھر وحی آئی اور جناب علیؑ اور عمار یاسر کو رسولخدا نے اوسکے تعاقب میں بھیجا کہ جاکر مغیرہ کو قتل کیا۔ حضرت عثمان نے رقیہ کو یہ تہمت لگائی کہ اسی نے مغیرہ کا راز رسولخدا سے فاش کیا ہے اور نہایت بیرحمی سے زدو کوب کیا کہ اوس بیچاری نے آکر رسولخدا کو پیٹھ کھول کر دکھائی اور چوتھے روز اوس صدمہ سے انتقال کیا۔ اور رسولخدا نے بد دعا فرمائی کہ مَنْ قَتَلَکِ قَتَلَہُ اللّٰہُ یعنی جس نے تجھکو مارا ہے خدا اوسکو ہلاک کرے۔

ان کے انتقال کے بعد فوراً رسولخداؐ نے دوسری بیٹی ام کلثوم کو جن کا نام آمنہ تھا حضرت عثمان سے بیاہ دیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ذوالنورین ہوا۔ حضرت رقیہ کا انتقال ۲ھ میں ہوا اور ام کلثوم کا انتقال ۹ھ میں ہوا یعنی ایک برس قبل وفات سرور کائنات"

یہ ہے خلاصہ منتخب التواریخ کا۔ اب کوئی عاقل اسکو قبول کر سکتا ہے کہ جب حضرت عثمان رقیہ کو مار ڈالیں اور رسولخداؐ حضرت عثمان پر لعنت کریں پھر دوسری بیٹی اونکے عقد میں دیویں وہ بھی بعد ہجرت مدینہ منورہ میں جہاں مسلمانوں کی کمی نہ تھی۔ میرے خیال میں کوئی بھی مہربان باپ اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا عمل نہیں کر سکتا۔ بیٹی کو کون کہے کوئی شخص جس کو حضرت عثمان کا رقیہ کے ساتھ برتاؤ معلوم ہو دوسرے کو بھی مشورہ نہیں دے سکتا کہ حضرت عثمان کو لڑکی دیدے نہ کہ رسولؐ ایسا رحمۃ للعالمین حضرت عثمان پر لعنت پر لعنت کہنے کے بعد پھر کسی مومنہ یا مسلمہ کو اونکے حوالہ کریں۔ یہ بالکل بعید از قیاس ہے۔

شاید صاحب منتخب التواریخ نے دھوکا کھایا ہے کہ بر بناء روایات دوران خلافت معاویہ حضرت عثمان کا عقد رسولخداؐ کی دو لڑکیوں سے لکھدیا اور واقعات پر نظر نہ کی۔ میرے خیال میں یہ دونوں لڑکیاں حضرت خدیجہ کے پہلے دونوں شوہروں سے تھیں۔ جناب خدیجہ کے اول شوہر کا نام ابی ہالہ ابن ذرارہ تھا اور دوسرے شوہر کا نام عتیق بن عائذ تھا اور یہ دونوں لڑکیاں اپنے اپنے باپ کے گھر ایک دوسرے کے حال سے ناواقف تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ام کلثوم نے حضرت عثمان سے عقد کو قبول کیا اگر وہ حضرت رسولؐ کے گھر میں رہتی ہوتیں اور اپنی بہن کی مجروح

بیٹھ دیکھے ہوتیں اور حضرت عثمان کے ظلم سے واقف ہوتیں تو کبھی اُنسے عقد منظور نہ فرماتیں۔ چونکہ رسولخداؐ نے اونکی والدہ گرامی جناب خدیجہ سے عقد کیا تھا اس لئے آپ بھی اُن لڑکیوں کے باپ کی جگہ پر ہوئے لیکن کسی کے حال سے خبر نہیں رکھتے تھے۔ پہلے حضرت عثمان نے رقیہ بنت ابی ہالہ سے عقد کیا اور جب وہ بیچاری انکے زدوکوب سے مرگئی تو عتیق کے گھروالوں نے ام کلثوم کا عقد اُن سے کر دیا اور ام کلثوم نے بوجہ ناواقفیت حال رقیہ اس عقد کو قبول کیا۔ بعض روایت میں ہے کہ یہ دونوں لڑکیاں حضرت خدیجہ کی بھی نہ تھیں بلکہ اونکی بہن کی بیٹی تھیں۔ اور معاویہ کے فرمان کی بجا آوری میں راویوں نے ان دونوں لڑکیوں کو رسولخداؐ کی لڑکی بنا کر حضرت عثمان کو ذوالنورین کا لقب دیکر حضرت علیؑ کی فضیلت کو دبانا چاہا ہے۔ لیکن ؎

چراغے راکہ ایزد بر فروزد ⁂ ہر آنکس پف زند ریشش بسوزد

کا مضمون ہے۔ دنیا نے ایک قبول نہ کیا۔ اور جو حضرات میری عرض پر غور کرینگے وہ صحیح فیصلہ کرسکتے ہیں کہ عثمان کی بیبیوں کو رسولخداؐ سے کوئی تعلق تھا کہ نہیں۔

کیا غضب ہے کہ رسولخداؐ حضرت علیؑ کے بارے میں فرماویں اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ یعنی میں اور علی نور واحد سے ہوں اور آپکی زوجہ کے متعلق فرماویں کہ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ مَنْ اٰذَاهَا اٰذَانِیْ یعنی فاطمہ میری پارہ جگر ہے جس نے اوس کو ستایا اوس نے مجھکو ستایا اور حضرات اہلسنت والجماعت نہ حضرت فاطمہؑ کو نور کہیں نہ حضرت علیؑ کو ذوالنور کا خطاب دیں اور نہ حضرت علیؑ ہی کو نور کہیں۔ بلکہ اُنکا درجہ بعد حضرت ابوبکر۔ عمر و عثمان کے قرار دیں

اور غلط سلط بات بنا کر حضرت عثمان کو ذوالنورین کا خطاب دیویں۔ لیکن دروغ راجہ فروغ کا مضمون ہے۔ اسلئے کہ جو برتاؤ اللہ۔ رسولؐ اور امت کا جناب فاطمہؑ اور علی مرتضیٰؑ کے ساتھ ہوا ہے اور ہے اوس کا ہزار میں ایک حصہ بھی حضرت عثمان یا اونکی ازواج کے ساتھ نہ ہوا اور نہ ہے۔

(۱) اللہ کا سلوک اور برتاؤ

۱۔ جب آیہ مباہلہ نازل ہوا (جس کا مفصل بیان آئندہ آویگا) کہ اے رسول آپ اپنے لڑکوں اور اپنی عورتوں اور اپنی نفسوں کو ساتھ لے کر نصارائے نجران سے مباہلہ فرماویں اور جھوٹوں پر لعنت کریں تو رسولخدا صلعم نے حضرت فاطمہؑ اور آپکے صاحبزادے حسنؑ اور حسینؑ اور آپ کے شوہر حضرت علیؑ کو ساتھ لیا لیکن حضرت عثمان کی نہ کسی زوجہ کو ساتھ لیا نہ کسی اولاد کو اور نہ خود اونکو۔ اگر حضرت عثمان اور اونکی زوجہ کسی طور سے حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے مدمقابل ہوتے یا حضرت عثمان ذوالنورین کے خطاب کے مستحق ہوتے تو ضرور رسولخداؐ اونکو بھی ہمراہ لیتے اور اونکی خاطر شکنی نہ فرماتے۔

۲۔ دوسرا واقعہ قرآن سے نزول آیہ تطہیر ہے (جس کا ذکر انشاءاللہ آئندہ آتا ہے) اس موقع پر بھی رسولخداؐ نے صرف انھیں چار نفوس مقدسہ پر اکتفا کیا اور نہ حضرت عثمان کو شریک کیا نہ اونکی زوجہ کو اور نہ انکی کسی اولاد کو۔

۳۔ زکوٰۃ اولاد فاطمہؑ اور علیؑ پر حرام فرمایا اور اونکو خمس کا مستحق کیا اور حضرت عثمان اور اونکی اولاد کو یہ شرف نہ ملا۔

ان تین واقعات قرآنی سے صاف ثابت ہے کہ حضرت عثمان کی کوئی بی بی بھی نور کہلانے کی مستحق نہ تھی ورنہ اُس پر بھی زکوٰۃ حرام ہوتی۔ اور حضرت عثمان کو ذوالنورین کا خطاب دینا خدا اور رسولؐ پر افترا باندھنا ہے۔

(۲) رسولخداؐ کا برتاؤ وسلوک

۱۔ بعد ہجرت جب رسولخداؐ اور کل اصحاب نے اپنا اپنا گھر مسجد کے قریب بنایا

اور دروازہ سب نے اپنے اپنے گھر کا مسجد کی جانب رکھا تو بحکم خداوند عالم رسولخدا نے سب کے گھر کا دروازہ بند کرادیا۔ الا خود اپنے مکان کا دروازہ اور حضرت علیؑ کے گھر کا دروازہ مسجد کیطرف کھلا رکھا اور مثل اور اصحاب کے حضرت عثمان کے گھر کا بھی دروازہ بند کرادیا گیا حالانکہ حضرت علیؑ کا عقد ابھی جناب فاطمہؑ سے نہیں ہوا تھا۔ اگر حضرت عثمان کی بی بی رسولخدا صلعم کی بیٹی تھی اور نور رہے جانے کی مستحق تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اون کے گھر کا دروازہ بند کیا جاوے اور حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا جاوے۔ بعض اصحاب نے حضرت علیؑ سے رشک بھی کیا اور شکایت بھی کی لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی۔

۲۔ رسولخدا پر جب فاقہ ہوتا تھا تو نہ حضرت عثمان کے گھر جاتے تھے اور نہ کسی زوجہ کے پاس جاتے تھے بلکہ جناب سیدہؑ کے پاس جاکر فرماتے تھے کہ گھر میں کچھ کھانا ہے تو لاؤ میں بھوکا ہوں۔

اس طرح کے واقعات بکثرت مروی ہیں لیکن ایک مرتبہ بھی حضرت عثمان کے ہاں جانا ثابت نہیں ہے۔

۳۔ رسولخدا کا حضرات حسنینؑ کو کاندھے پر چڑھانا متواترات سے ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا لیکن ایک مرتبہ بھی حضرت عثمان کے کسی لڑکے کو کاندھے پر چڑھانا تو در کنار پیار کرنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اگر کوئی زوجہ حضرت عثمان کی رسولخدا کی بیٹی ہوتی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ سب سے چھوٹی بیٹی کے لڑکوں کو تو کاندھے پر چڑھاویں۔ وعظ کے درمیان منبر سے اُتر کر گود میں لے لیں اور حضرت عثمان کے بچوں کیطرف متوجہ بھی نہ ہوں۔

۴۔ حضرت فاطمہؑ کے بارہ میں رسولخدا یہ فرماویں فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا اذانی اور رقیہ اور ام کلثوم کے بارہ میں کبھی اپنی طرف نسبت نہ دیں

اور کسی کو اونکی ایذا رسانی سے باز رہنے کو بھی نہ کہیں۔

کیا اسی کے معنی عمل رسول ہیں اور کیا یہی صلہ رحم ہے؟ دیکھئے قطع رحم منافق کی ایک علامت ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ۔ یعنی اے منافقو کیا تم سے دور ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین میں فساد پھیلاؤ اور قطع رحم کرو (سورہ محمد رکوع ۳)

پس اگر حضرت عثمان کی کوئی بی بی بھی رسولخدا کی بیٹی ہوتی تو اوس کو بالکل بھول نہ جاتے اور حضرت فاطمہ اور اونمیں اس قدر فرق فرماتے۔

۵۔ جب جناب رسولخدا کا انتقال ہوا ہے تو جو ہم و غم جناب علی کو ہوا ہے اس کے ذکر سے احادیث مملو ہیں اور خود حضرت علی کے دیوان میں مرثیہ موجود ہے کہ کس قدر آپ کے لئے یہ حادثہ جانکاہ تھا۔ اور حضرت ہی نے کفن و دفن کا انتظام کیا۔ اگر حضرت عثمان کو کوئی خاص قرابت ہوتی تو یہ بھی انتقال کے وقت موجود ہوتے۔ تکفین و تدفین میں شریک ہوتے اور اگر حضرت علی کی طرح مہموم اور مغموم نہ ہوتے تو دو چار قطرہ آنسو ہی کا گرائے ہوتے۔ لیکن ان سب سے کیا واسطہ۔ غرض رسولخدا صلعم نہ حضرت عثمان اور اون کے گھر سے کوئی خصوصیت ظاہر فرماتے تھے اور نہ حضرت عثمان کی بی بیاں نہ بچے نہ خود حضرت عثمان رسولخدا کے ساتھ کوئی خصوصیت ظاہر کرتے تھے۔ جس سے قرینہ غالب یہ ہے کہ یا اونکی کوئی بھی بی بی رسولخدا کی بیٹی نہ تھی یا حضرت عثمان ایسے نااہل تھے کہ باوجود ایسی قرابت ہونے کے اونکے ساتھ کسی رشتہ کا برتاؤ کرنا جائز نہیں خیال فرماتے تھے۔

۶۔ حضرت فاطمہ کو خیر النساء۔ سیدہ عالمین۔ سیدۃ النساء۔ خاتون جنت زہرا النسیم۔ حورا وغیرہ کا خطاب ملا اور آپکی سیادت ایسی مخصوص صفت ہے کہ جہاں سیدہ کہا اور آپ کی ذات متصور ہوگی اس کے خلاف حضرت عثمان کی بی بی یعنی

رقیہ اور ام کلثوم کے ساتھ حضرت کا معمولی لفظ بھی کسی کتاب میں نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر یہ رسولخداؐ کی بیٹیاں ہوتیں تو بوجہ بڑی ہونے کے ان خطابات کی زیادہ مستحق ہوتیں۔

(۳) ازواج نبیؐ کا برتاؤ

(۱) حضرت عائشہ کو جناب خدیجہ سے رشک و حسد تھا اس سے دنیا واقف ہے اور احادیث بالامال ہیں۔ اگر کسی صاحب کو اس سے انکار ہو تو روضۃ الاحباب مصنفہ علامہ مولانا عطاء اللہ ابن فضل اللہ المشتہر بجمال الحسینی محدث قدس سرہ جلد اول ص ۴۰۷ مطبوعہ اثنا عشری لکھنؤ ملاحظہ ہو۔ جہاں یہ عبارت موجود ہے "از عائشہ صدیقہ رضؓ مرویست کہ گفت غیرت سر زدم من بر ہیچ زنے مثل غیرتے کہ بر خدیجہ بردم با وجود آنکہ ندیدہ کہ من بشرف فراش حضرت مشرف شدم وے در حیات نبود از بسیاری یاد کردن حضرت مر او را۔ وگاہ بود کہ گوسفندی میکشت و قطعہ قطعہ میساخت و بزنانے کہ دوستاں خدیجہ بودند میفرستاد من از غیرت با او میگفتم کہ گویا ہیچ زن غیر خدیجہ نبودہ در دنیا و آنحضرتؐ میفرمودے بسیار صفات خوب داشت و فرزندان مرا از وے حاصل شدہ است ہالہ خواہر خدیجہ بر در خانہ آمد و بر سبیل استیذان در خانہ را جوفت پس استیذان خدیجہ را یاد کردہ مضطرب دفعۃً ناک شد۔"

غرض اس حسد و بغض کی بدولت وہ نہ جناب فاطمہؑ کو دیکھ سکتی تھیں اور نہ جناب علیؑ کو۔ چنانچہ حضرت فاطمہؑ کو اپنے حجرہ کا دروازہ جو حجرہ رسولؐ سے ملحق تھا بند کر دینا پڑا لیکن حضرت عثمان کی آپی بی کے ساتھ حضرت عائشہ نے بغض و عداوت نہیں کی۔

۲۔ جب جناب فاطمہؑ نے انتقال بھی فرمایا تو جناب عائشہ کا بغض و عناد جناب علیؑ سے باقی رہا لیکن حضرت عثمان سے کبھی مخالفت اور بغض نہیں کیا بلکہ انکے خلیفہ ہونے کے بعد مدینہ میں قیام پذیر رہیں اور جب انکی بداعمالیاں طشت از بام ہو گئیں

تب بھی صرف بد دعا پر اکتفا کی لیکن اونکی خلافت سے مخالفت نہ کی مگر حضرت علیؑ سے ایسا بغض تھا کہ باوجودیکہ حضرت نے اونکے باپ کی اطاعت کی اونکے نوشتہ کے مطابق حضرت عمر کی خلافت میں رخنہ انداز نہ ہوئے اور حضرت عثمان کی خلافت پر بھی صبر کیا اتنی رضا جوئی کے بعد بھی جب حضرتؑ خلیفہ ہوئے تو حضرت عائشہ اپنے کینہ اور بغض کو نہ دبا سکیں اور بول اٹھیں کہ اب مدینہ رہنے کے قابل نہ رہا وہاں سے ہجرت کر گئیں اور بالآخر بغاوت کر کے خلافت کو درہم و برہم کرنا چاہا اگر حضرت عثمان کو حضرت خدیجہ سے ویسا ہی واسطہ اور تعلق ہوتا جو حضرت علیؑ کو تھا تو کوئی وجہ اس تغلق کی نہ تھی اور دونوں کے ساتھ ایک طور کا برتاؤ ہوتا۔

۳- انکے خلاف حضرت ام سلمہ جن کو جناب رسولخداؐ نے نیک بی بیوں میں شمار کیا ہے ہمیشہ علیؑ اور اولاد علیؑ سے مربوط رہیں اور کبھی انکا دامن نہ چھوڑا اور حضرت عثمان کیطرف کبھی نظر بھی نہ کی۔

(۴) امت کا برتاؤ

۱- شیعہ فرمان رسولخداؐ کو یاد رکھتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ میری اولاد اور قرابا کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ جو اولاد اور قرابتمند نیکوکار ہیں اونکو اونکی نیکی کی وجہ سے اور جو اولاد اور اقربا نیکوکار نہیں ہیں اونکو ہماری وجہ سے۔ لہذا وہ ہمیشہ رسولؐ کی اولاد اور اقربا کے ہوا خواہ رہے اور ہمیشہ انکے دامن سے لپٹے رہے اور عاقبت بھی اُنھیں کے زیر سایہ چاہتے ہیں اور اولاد نیکوکار پر ہمیشہ درود و سلام بھیجتے ہیں۔ انکے خلاف حضرت عثمان سے تبرا کرتے ہیں اور جیسا رسول اللہؐ نے اونپر لعنت کی ہے اس سے دریغ نہیں کرتے۔ اگر حضرت عثمان کو کوئی قرابت رسولخداؐ سے ہوتی تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے بلکہ جیسا حضرت علیؑ کو خلافہ ملنے پر خوشیاں مناتے ہیں حضرت عثمان کی خلافہ پر بھی خوشیاں مناتے۔ عوض خوشیاں منانیکے

ہمیشہ ان کی خلافۃ سے ناراض رہے۔

۲۔ اہلسنت والجماعۃ ہمیشہ حضرت علیؑ کی خلافۃ کے خلاف رہے۔ حضرت عمر نے حضرت علیؑ کی خلافۃ کو ناپسند کر کے حضرت ابوبکر کی بیعۃ کر لی اور انکو خلیفہ بنادیا۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کے خلاف حضرت عمر کو استخلاف نامہ لکھدیا۔ پھر حضرت عمر نے اپنے انتقال کے وقت ایسی بندش سے شوریٰ قائم کیا کہ حضرت علیؑ کو خلافۃ نہ ملی اور حضرت عثمان خلیفہ ہوئے ان سب خلافتوں پر اہلسنت والجماعۃ راضی وخوشنود تھے اور ابھی تک اوسکے ہوا خواہ وثناخواں ہیں لیکن حضرت علیؑ کا خلیفہ ہونا تھا کہ اہلسنت والجماعۃ نے بھچال مچادی ایک طرف بسر کردگی حضرت عائشہ بغاوت کردی۔ دوسری طرف بسر کردگی معاویہ بغاوت کی اور حضرت علیؑ کو ایک منٹ کے لئے بھی آرام کرنے نہیں دیا۔ اگر حضرت عثمان کو حضرت رسولؐ سے وہی تعلق ہوتا جو حضرت علیؑ کو تھا تو اس تفریق کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

۳۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ میں شیعہ آل سے مراد حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ علیہم السلام اور اون کی اولاد کو لیتے ہیں۔ اہلسنت والجماعۃ کو یہ معنی پسند نہیں ہے وہ آل کے معنی عام مسلمان قرار دیکر حضرت علیؑ کو درود سے محروم کرانا چاہتے ہیں اور درود میں اصحابہ جوڑ کر حضرت عثمان ودیگر صحابی پر درود بھیجنا پسند کرتے ہیں۔ اگر حضرت علیؑ اور عثمان کو رسولؐ کے ساتھ ایک ہی رشتہ ہوتا تو اس تفریق کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

۴۔ ان سب اعمال کی مثال ویسی ہی ہے جیسے جھوٹا موتی بنانے والا اوس کو سچے موتی سے زیادہ چمکا دیتا ہے لیکن پھر بھی عاقل بلکہ ساری دنیا سچے ہی موتی کی خریدار ہوتی ہے۔ چنانچہ دنیا نے جو اولاد فاطمی کے ساتھ برتاؤ کیا ہے اور جو انکی قدر ومنزلت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ سادات کی مشہور جملہ ہے

اور سادات فاطمی کی قدر و منزلت اظہر من الشمس ہے اونمیں جو فقیر اور نادار بھی ہیں وہ بھی مستحق عزت سمجھے جاتے ہیں۔ فقرا اور مساکین سادات کی یہ عزت اور خاطرداری دیکھکر اہلسنت والجماعۃ سے نہ رہا گیا اور اونکے مقابلہ میں درویش مجذوب قطب۔ ابدال وغیرہ کھڑا کیا لیکن سب اپنی راہ گئے اور سادات فاطمی کو اونکی جگہ سے نہ ہٹا سکے۔ لیکن حضرت عثمان کی کسی بی بی کی اولاد کو سادات کا خطاب نہ ملا اور نہ کسی نے اونکی خصوصیت کا ذکر کیا ہے نہ کوئی سادات عثمانی کہتا ہے نہ سادات رقیوی اور نہ سادات ام کلثومی۔ اگر ان کی کسی بی بی میں نور رسالت ہوتا یا اوس کا پرتو بھی پڑ گیا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جو برتاؤ خدا و رسول اور دنیا کا حضرت فاطمہؑ کے ساتھ تھا اور اونکی اولاد کے ساتھ ہے وہ اوس بی بی اور اوسکی اولاد اور اوسکے شوہر کے ساتھ نہ ہوتا۔

ان حالات اور واقعات کی بنا پر تین نتیجے نکلتے ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان کی دو بی بیاں حضرت خدیجہ کی بہن کی بیٹیاں تھیں اونکو رسولخداؐ سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

۲۔ یا اگر وہ دونوں بی بیاں حضرت خدیجہ کی بیٹیاں تھیں تو اونکے پہلے دو شوہروں سے اور دونوں دو گھر میں رہتی تھیں اور ایک دوسرے کے حال سے ناواقف۔

۳۔ اگر یہ دونوں بی بیاں حضرت خدیجہ کے بطن سے اور رسولخداؐ کے صلب سے تھیں تو حضرت عثمان کی نااہلیت ایسی تھی کہ دنیا نے اونکو اور اونکے گھر کو قابل ذکر بھی نہ سمجھا اور جس سلوک اور برتاؤ کے اولاد رسولؐ مستحق ہیں اون سے اون کو محروم کر دیا اور خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف جو احادیث معاویہ کے حکم سے وضع کی گئیں انکا کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا! اور جب ذوالنورین کا خطاب بے اصل اور

بے بنیاد ثابت ہو اتو دوسری تعریف کیا صحیح ہو سکتی ہے۔

غرض یہ چند نمونے ہیں صحابہ کی اُن تعریفوں کے جو قرآن کے معنی بگاڑ کر اور غلط مقصود بتا کر اہلسنت والجماعۃ بیان کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن کی دوسری آیات اوسکی تکذیب کرتی ہیں اور قرآن میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور حدیثوں کا انبار جو قرآن کے خلاف صحابہ کی تعریف میں ہے اوسکے چشمہ کا نشان بھی دیدیا گیا کہ کہاں سے نکلا۔ کیونکر جاری ہوا اور اون احادیث نے کیونکر احکام قرآن کو خراب کیا کہ جنکی مدح تھی ان پر پردہ ڈالا اور جن کی مذمت تھی اونکی تعریف اور تحسین کی۔ اتنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ جیسے امام وخلیفہ برحق کو چھوڑ کر اپنا امام وخلیفہ دوسرا بنا لیا ہے ویسا ہی قرآن پاک کو جس کو باوجود قطع وبرید اور الٹ پلٹ کے اپنا ہم آہنگ نہ بنا سکے اوسکو چھوڑ کر اپنے لئے دوسرا قرآن گڑھ لیا ہے اور جیسا امام حق کے مقابلہ میں اپنے خلیفہ اور امام کی جھوٹی تعریف کر کے آسمان پر چڑھاتے ہیں اوسی طرح اپنے قرآن کی تعریف کر کے کلام اللہ کی تحقیر کرتے ہیں اور اوسکی تعلیم کو بھلا کر خلفاء کے ظلم۔ جور۔ مکرو فریب کو تعلیم خداوندی بتاتے ہیں۔

اہلسنت کا دوسرا قرآن یہ دوسرا قرآن مثنوی مولوی جلال الدین رومی ہے جسکے بارہ میں خود مصنف کا یہ قول ہے ؎

من ز قرآن مغز را برداشتم — استخواں پیش سگاں انداختم

یعنی جو کچھ مثنوی روم میں ہے وہ قرآن کا مغز اور لب لباب ہے اور اوس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے وہ مثل ہڈی کے ہے کہ جیسے ہڈی درمیان کتوں کے جھگڑا پیدا کرتی ہے اوسی طرح قرآن غربا جھگڑا اور اختلاف پیدا کرتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ مولوی جلال الدین صاحب کا اپنی تصنیف کے متعلق غلو ہے

اہلسنت والجماعۃ اس کو نہیں مانتے تو شہادت موجود ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں ؎ شعر مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

اب تو انکار نہیں ہوسکتا کہ اہلسنت والجماعۃ نے اپنا دوسرا قرآن قائم کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ ایک شہادت کافی نہیں ہے تو میں دوسری شہادت دیکر نصاب کو پورا کئے دیتا ہوں ؎

آں فریدوں جہان معنوی بس بود برہان قدرش مثنوی
من چہ گویم وصف آں عالیجناب نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

اب تو اس امر کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہ رہا کہ اہلسنت والجماعۃ نے ایک قرآن فارسی بمقابلہ قرآن عربی تیار کرلیا ہے اور وہ بھی ایسا زبردست قرآن ہے کہ اوسکے ماسوا جوکچھ بھی قرآن عربی میں ہے وہ بیکار و بے سود اور جھگڑا اور اختلاف پیدا کرنے والا ہے۔

ذرا اس قرآن فارسی کی تعلیم ملاحظہ ہو۔

قرآن عربی میں فرماتا ہے لا الٰہ الا اللہ۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ اور لیس کمثلہٖ شیٔ لیکن قرآن فارسی کہتا ہے کہ انا الحق کہنا جائز و صحیح ہے یعنی میں خدا ہوں۔ شداد۔ نمرود۔ فرعون وغیرہ کو خدائی کا دعویٰ کرنے کے عوض خداوند عالم نے ہلاک کرڈالا اور اونکی مذمت قرآن عربی میں مذکور ہے لیکن قرآن فارسی دلائل اور براہین سے اس دعوےٰ کی کہ میں خدا ہوں تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ اونکے الفاظ یہ ہیں ؎

اے خنک زشتے کہ خوبش شد حریف وائے گل رُوئے کہ جفتش شد خریف[1]
کیا ہی خوش قسمت وہ بدصورت ہے جو خوبصورت کا ساتھی ہے اور بدنصیب وہ گلرو ہے جسکا ساتھی بدصورت ہوا
ہیزم تیرہ حریف نار شد تیرگی رفت و ہمہ انوار شد
سیاہ لکڑی جب آگ کی ساتھی ہوئی تو سیاہی سب زائل ہوکر وہی نور ہو گئی

[1] فصل خزاں

در نمکسار ار خر مُرده فتاد — آن خری و مردگی یکسو نهاد

نمکسار میں اگر مُردہ گدھا پڑ گیا تو اُس کا گدھا پن اور مردگی سب جاتا رہا

صبغۃ اللہ است رنگ خم ہو — پیسہ ہا یک رنگ گردد اندرو

ہُو (یعنی خدا) کے خم کا رنگ اللہ کا رنگ ہے ہر چیز اُسکے اندر ایک رنگ ہوجاتی ہے

چوں در آں خم افتد گوئیش قم — از طرب گوید منم خم لا تلم

اگر اس خم میں کوئی چیز پڑے اور اسکو کہو کہ وہ نکل آئے تو وہ خوشی میں کہتی ہے کہ میں خم ہوں مجھکو ملامت نہ کر

آں منم خم خود انا الحق[1] گفتن است — رنگ آتش دارد الا آہنی است

یہ "میں خم ہوں" کا کہنا انا الحق (یعنی میں خدا ہوں) کا کہنا ہے خم کا رنگ آگ کا ہے لیکن واقعی وہ لوہا ہے

رنگ آہن محو رنگ آتش است — ز آتشی میلافد آتش وش است

لوہے کا رنگ آگ کے رنگ میں چھپ گیا ہے آگ کا مقابلہ کرتا ہے اور آتش مزاج ہے

چوں بسرخی گشت ہمچو زر کاں — پس انا النار است لافش بے زباں

جب لوہا سرخ ہو کر مثل سونے کی کان کے ہو گیا پس بغیر زبان کے وہ "میں آگ ہوں" کہہ رہا ہے

شد ز رنگ و طبع آتش محتشم — گوید او من آتشم من آتشم

رنگ اور مزاج میں آگ کا ہم جنس ہو گیا اور وہ کہتا ہے کہ "میں آگ ہوں" میں آگ ہوں"

آتشم من گر ترا شک است وظن — آزموں کن دست را بر من بزن

میں آگ ہوں اگر تم کو شک اور وہم ہو تو تجربہ کرو اور ہاتھ مجھ پر رکھو

آتشم من بر تو گر شد مشتبہ — روئے خود بر روئے من یک دم بنہ

میرا آگ ہونا اگر تمہارے نزدیک مشتبہ ہے تو میرے منہ پر اپنا منہ رکھکر ذرا دیکھو

---

[1] مولوی صاحب نے مخلوق و خالق میں فرق نہیں کیا ہے۔ ایک مخلوق رنگ بدل سکتا ہے دوسرے مخلوق سا ہو سکتا ہے لیکن خالق ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا مثلاً لکڑی جلکر آگ اور آگ سے کوئلہ اور کوئلہ سے راکھ ہو سکتی ہے لیکن کوئی مخلوق خالق کی صفت نہیں حاصل کر سکتا۔

دیکھا کہ جیسے لوہا آگ میں پڑکر آگ کا کام کرتا ہے اوسی طرح انسان فنافی اللہ ہو کر خدائی کرسکتا ہے اور اُس کا انا الحق یعنی میں خدا ہوں کہنا بالکل جائز و درست ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو بیچارے منصور حلاج کو اس کلمہ کی بدولت کیوں قتل کیا؟ لیکن ایک بات بدیہی یہ ہے کہ آہن گرم واقعی آگ کا کام کرتا ہے اور اُس کا یہ کہنا کہ میں آگ ہوں صحیح ہے لیکن بیچارے منصور کا انا الحق کہنا کام نہ آیا اور اوسکو خلیفہ وقت نے دار پر کھینچ ہی دیا۔ اب اسکا فیصلہ قرآن پہلوی کریگا کہ انا الحق کہنے والا قوی اور قادر ہے یا اہلسنت والجماعت کے خلفاء زبردست ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

خدا پر ایمان لانے کے بعد فرشتوں پر ایمان لانا اور نماز پڑھنا فرض ہے۔ دیکھئے قرآن فارسی کیا تعلیم دیتا ہے اسکے افسانہ کو ملاحظہ فرمائیے

بیدار کردن ابلیس معویہ را کہ وقت نماز شد

در خبر آمد کہ آں معویہ
خفت بد در قصر در یک ناویہ

قصر را از اندروں در بستہ بود
کز زیارتہائے مردم خستہ بود

ناگہاں مردے ورا بیدار کرد
چشم چوں بکشاد پنہاں گشت مرد

گفت اندر قصر کس را رہ نبود
کیست کایں گستاخی و جرأت نمود

در پس در او یکے را دید کو
در پس پردہ نہاں میکرد رو

گفت ہے تو کیستی نام تو چیست
گفت نامم فاش ابلیس شقی است

گفت بیدارم چرا کردی بجبد
راست گو با من مگو برعکس ضد

گفت ہنگام نماز آخر رسید
سوے مسجد زود میباید دوید

عجلوا الطاعات قبل الفوت گفت
مصطفیٰ چوں در وحدت را بسفت

ـــــــــ
۱؎ جیسی روح ویسے فرشتے۔

گفت نے نے ایں غرض نبود ترا — کہ بخیرے رہنما باشی مرا
دزد و پنہاں رہ کند در مسکنم — گویدم کہ پاسبانی میکنم
من کجا باور نمایم دزد را — دزد کے داند ثواب مزد را
پس عزازیلش بگفت اے میر راد — مکر خود را اندر میاں[۱] بدنہاد
گر نمازت فوت می شد آں زماں — می زدی از درد دل آہ و فغاں
آں تاسف آں فغاں واں نیاز — در گزشتے از دو صد ذکر نماز
من ترا بیدار کردم از نہیب — تا نسوزاند چنیں آہے حجیب[۲]
تا چناں آہے نباشد مر ترا — تا بداں راہے نباشد مر ترا
من حسودم از حسد کردم چنیں — من عدوم کار من مکراست وکیں
گفت اکنوں راست گفتی[۳] صادقی — از تو ایں آید تو ایں را لائقی

کل قصہ کا مختصر یہ ہے کہ معاویہ کو نماز کا اس قدر پاس تھا کہ اگر ایک وقت نماز قضا ہو جاتی تو اوسکے آہ و نالہ سے حجاب آسمان جل جاتا اور اوس آہ و نالہ کا ثواب اوسکو ادائے نماز سے زیادہ ملتا لہذا شیطان نے ایک روز صبح کے وقت اوسکو بیدار کیا کہ نماز پڑھکر اوس کا ثواب حاصل کرلے لیکن قضا ہونے سے جو افسوس اور رنج کا ثواب گراں بہا ملتا اوس سے محروم رہے یہ ہے اہلسنت والجماعۃ کے قرآن فارسی کی حکایت - اب اس حکایت کو قرآن عربی پر عرض کیجئے کہ کہاں تک موافقت کرتی ہے اور کہاں تک مخالفت قرآن عربی سورہ الحجر رکوع ۲ میں فرماتا ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ۝ یعنی ہم نے آسمان میں بروج بنائے

[۱] اندر میان نہاد یعنی ظاہر کردیا۔ [۲] حجیب یعنی حجاب آسمان [۳] من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو یعنی تو مجھکو نمازی کہہ میں تجھکو راست باز کہوں۔

ہیں اور دیکھنے والوں کیلئے انکو مزین کیا ہے اور ہر شیطان مردود سے
انھیں محفوظ رکھا ہے۔ مگر جو شیطان چوری سے کان لگا کر سننا چاہتا ہے تو
شہاب کا دہکتا ہوا شعلہ اوسکے پیچھے پڑجاتا ہے۔ اس سے زیادہ صاف سورہ
الشعراء رکوع ۱۱ میں ہے وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ○ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ
وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ○ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ یعنی اس قرآن کو
شیاطین لیکر نہیں نازل ہوئے اور نہ یہ کلام انکے لئے مناسب تھا اور نہ
وہ کر سکتے تھے۔ بلکہ وہ وحی سننے سے محروم ہیں۔
غرض آسمان شیطان سے محفوظ رکھا گیا ہے اور وہاں کی بات چوری سے بھی
نہیں سن سکتا اور نہ قرآن کی بات کی اوس کو خبر ہے اور نہ وحی سے واقف ہے
اور جو ثواب ابنیاء صلحاء وغیرہ کو مل گیا اوسکی حد و مقدار کسی کو نہیں معلوم۔ تو
پھر اوسکو کیا خبر کہ حضرت معاویہ کی نماز قضا اور اُسکے افسوس کرنیکا کیا ثواب
ملا اور کس کے حکم سے نازل ہوا۔ آج تک کسی نبی۔ کسی ولی۔ کسی خلیفہ کسی
صحابی کے متعلق نہیں سنا گیا کہ ایک امر واجب کے فوت ہونے پر جو انھوں نے
افسوس کیا اوس کا ثواب اصل عمل سے بڑھ گیا ہو۔ دوسرے حضرت معاویہ
نماز کے فوت پر کیا افسوس کرتے۔ نماز کے ساتھ اونکی لاپروائی اوپر
دکھائی گئی ہے کہ صحابہ نے اونکے ساتھ نماز پڑھا تو کہنے لگے کہ اے معاویہ
تونے نماز میں چوری کی بسم اللہ کیا ہوا۔ تکبیرات کیا ہوئیں۔ پھر بقول قرآن
خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ کے مصداق بنکر نماز کو ضایع کیا اور خواہشات
نفسانی کی پیروی کی جسکی نماز ایسی ہو اوسکے ضایع ہونیکا اوس کو کیا افسوس
ہو سکتا ہے اور اوس افسوس کا کیا ثواب مل سکتا ہے۔ حاجت بیان نہیں
غنیمت یہی ہے کہ مولوی روم صاحب نے اس بشارت کا حامل کسی فرشتہ

کو نہیں بنایا ہے اور جیسی روح ویسا فرشتہ کی تصدیق کر کے معلوم نہیں کہ ہجو ملیح کیا ہے یا کیا؟

ایمان باللہ و الملئکۃ اور صلوۃ کے بعد انسان کے اعمال ہیں۔ مگر قرآن فارسی کی تعلیم ملاحظہ ہو کہ کس قدر خلاف خدا اور رسولؐ خلفاء کے عمل کی مطابقت کرتا ہے اور کس طرح اونکے فسق و فجور۔ مکر و فریب کی تعریف کرتا ہے۔

مثنوی

بود شاہے در زمانے پیش از زمیں ملک دنیا بودش و ہم ملک دیں[۱]

زمانہ قبل میں ایک بادشاہ تھا جو دنیا اور دین دونوں کا مالک تھا

یک کنیزک دید شاہ بر شاہراہ شد غلام آن کنیزک جان شاہ[۲]

ایک لڑکی کو بادشاہ نے راستے میں دیکھا اور دل و جان سے اس کا غلام ہو گیا

مرغ جانش در قفس چوں می طپید داد مال و آں کنیزک را خرید[۳]

اپنے دل کی بیتابی اور تڑپ سے مال دے کر اس لڑکی کو خرید لیا

چوں خرید اور ا و برخوردار شد آں کنیزک از قضا بیمار شد

جب اس لڑکی کو خرید کر مزا کرنے لگا تو قضا کار وہ لڑکی بیمار ہوئی

شہ طبیباں جمع کرد از چپ و راست گفت جان ہر دو در دست شماست

بادشاہ نے ہر طرف سے طبیبوں کو جمع کیا اور کہا کہ اس لڑکی کی جان اور میری جان تملوگوں کے ہاتھ میں ہے

ہر چہ کردند از علاج و از دوا گشت رنج افزوں و حاجت ناروا

لیکن جو کچھ بھی علاج اور دوا کیا گیا بیماری بڑھتی گئی اور مراد پوری نہ ہوئی

شہ چو عجز آں حکیماں را بدید پا برہنہ جانب مسجد دوید[۴]

بادشاہ نے جب دیکھا کہ حکماء عاجز ہیں ننگے پیر مسجد کی طرف دوڑا

۱۔ جب بادشاہ ہو اور دیندار کہنا ضرور ہے ۲۔ یہ اہل دین بادشاہ کی حالت ہے۔
۳۔ یہ دنیاوی ثروت اور اختیار ہے ۴۔ یہ بادشاہ کی دینداری کا ثبوت ہے

رفت در مسجد سوے محراب شد سجدہ گاہ از اشک شہ پُر آب شد
مسجد میں جاکر محراب میں گیا اور سجدہ گاہ بادشاہ کے آنسوؤں سے تر ہوگئی

در میان گریہ خوابش در ربود دید در خواب او کہ پیرے رو نمود
روتے روتے بادشاہ سوگیا تو خواب میں ایک مرد پیر کو دیکھا

گفت اے شہ مژدہ حاجاتت رواست گر غریبے آیدت فردا ز ماست
کہا اوس نے کہا خوش ہو تمہاری مراد پوری ہوئی۔ اگر ایک مسافر کل تمہارے پاس آئے تو وہ ہم سے ہے

چونکہ آید او حکیم حاذق است صادقش داں کو امین صادق است
جب وہ تمہارے پاس آئے تو وہ حکیم حاذق ہے۔ اوسکو سچا جاننا اس لئے کہ وہ سچا اور امین ہے

در علاجش سحر مطلق را ببیں در مزاجش قدرت حق را ببیں
اوسکے علاج میں تو معجزہ دیکھے گا اور اوسکی ترکیب میں خدا کی قدرت نظر آویگی

چوں رسید آں وعدہ گاہ روز شد آفتاب از چرخ اختر سوز شد
جب اوس وعدہ کی صبح ہوئی اور آفتاب کی آمد سے ستارے غائب ہوگئے

دید شخصے فاضلے پر مایہ آفتابے در میان سایہ
تو بادشاہ نے ایک شخص فاضل و کامل کو دیکھا گویا کہ گھر میں آفتاب اوتر آیا

آں خیالے را کہ شہ در خواب دید در رخ مہماں ہمیں آمد پدید
جس صورت کو بادشاہ نے خواب میں دیکھا تھا وہی صورت اس آنے والے کی تھی

شہ بجائے حاجیاں در پیش رفت پیش آں مہمان غیب خویش رفت
بادشاہ دروازہ تک خود گیا اور اوس مہمان غیبی سے جا ملا

ا یہ غیبی امداد ہے ۲ امین اور صادق کی صفت کو آگے ملاحظہ فرمایئے۔ ۳ یعنی معجزہ ۴ قدرت خدا آگے ملاحظہ ہو کہ ایک بیگناہ کو اوسکے گھر سے بلا کر دھوکے سے زہر پلایا اور بیجرم وقصور اُسکی جان لیا۔

قصۂ رنجور و رنجوری بخواند — بعد ازاں در پیش رنجورش نشاند

مریضہ اور مرض کا سب حال بیان کیا اوسکے بعد مریضہ کے پاس اوسکو بٹھالا۔

رنگ و رو و نبض و قارورہ بدید — ہم علاماتش ہم اسبابش شنید

مرد غیبی نے رنگ ۔ چہرہ ۔ نبض اور قارورہ دیکھا اور مرض کے اسباب و علامات کو سُنا

دید رنج و کشف شد بروے نہفت[۱] — لیک پنہاں کرد و با سلطان نگفت

آخر اوسکے مرض کو پہچان گیا اور راز پوشیدہ کھل گیا لیکن بادشاہ سے چھپایا اور نہ کہا

عاشقی پیداست از زاری دل — نیست بیماری چو بیماری دل

کیونکہ اوس کے دل کی تڑپ سے عشق نمایاں تھا اور دل کی بیماری کی ایسی کوئی بیماری نہیں ہے

شہر شہر و خانہ خانہ قصہ[۲] کرد — نے رگش جنبید و نے رخ گشت زرد

اسکے بعد حکیم نے شہر شہر اور گھر گھر کا قصہ کہنا شروع کیا لیکن لڑکی کی نہ نبض میں حرکت زائد پیدا ہوئی اور نہ چہرہ زرد ہوا

نبض او بر حال خود بد بے گزند — تا بپرسید از سمرقند[۳] چو قند

نبض اوسکی اپنے حال پر رہی یہاں تک کہ اوس نے سمرقند کا ذکر کیا

نبض جست و روے سرخ و زرد شد — کز سمرقندی زرگر فرد شد

تب نبض اوسکی تیز ہوئی اور چہرہ سرخ و زرد ہوا اور سمرقندیوں میں سے زرگر کا پتہ لگا

چوں ز رنجور آں حکیم ایں راز یافت — اصل آں درد و بلا را باز یافت

جب مریضہ سے یہ بھید حکیم نے پالیا تو حقیقت اوسکی بیماری کی سمجھ گیا

گفت دانستم کہ رنجت چیست زود — در خلاصت سحرہا[۴] خواہم نمود

کہا کہ میں نے سمجھا کہ تیری بیماری کیا ہے اور جلد تیرے حصول صحت کیلئے جادو کروں گا

۱ یعنی حکیم غیبی کو پتہ لگ گیا کہ یہ لڑکی کس پر عاشق ہے ۲ اب شہر شہر اور گھر گھر کا ذکر کرنا شروع کیا تاکہ معلوم ہو کہ اوس کا عاشق کون ہے ۳ کسی شہر کے ذکر کا اوس لڑکی پر اثر نہیں ہوا یہاں تک کہ سمرقند کا ذکر آیا جس پر اُس لڑکی کی نبض تیز ہوگئی اور چہرہ زرد ہوگیا اور سمرقند میں ایک سونار کا پتہ چلا جس پر وہ لڑکی عاشق تھی ۴ سحرہا یعنی معجزہ ۔ مکر ۔ فریب و خون ناحق کا نام قرآن پہلوی میں معجزہ ہے

شاد باش و فارغ و ایمن کہ من — آن کنم[لہ] با تو کہ باران با چمن

اب تو خوش اور مطمئن رہ کہ میں تیرے ساتھ وہ کام کروں گا جو برسات چمن کے ساتھ کرتی ہے

بعد ازاں برخاست عزم شاہ کرد — شاہ را زاں شمۂ آگاہ کرد

بعد ازاں اوٹھا اور بادشاہ کے پاس گیا اور مختصر اوس سے حال بیان کیا

گفت تدبیر آں بود کاں مرد را — حاضر آریم از پے ایں درد را

کہا کہ تدبیر یہ ہے کہ اوس مرد کو یہاں بلایا جاوے کہ علاج لڑکی کا ہو

مرد زرگر را بخواں زاں شہر دور — با زر و خلعت بدہ او را غرور[٢]

پس اوس سونار کو شہر دور دراز سے طلب کر اور روپیہ پیسہ اور خلعت سے اسکو لالچ دلاؤ

پس فرستاداں طرف یک دو رسول — حاذقان و کافیان و بس عدول

پس اوسکے پاس دو آدمی کو بھیجا جو عیار - چالاک اور بے مثل تھے

تا سمرقند آمدند آں دو امیر — پیش آں زرگر ز شاہنشہ بشیر

جب وہ دونوں سمرقند پہونچے تو اوس سونار کو بادشاہ کی طرف سے خوشخبری دیا

کاے[٣] لطیف استاد کامل معرفت — فاش اندر شہرہا از تو صفت

کہ اے استاد کامل اور اپنی صنعت میں ہوشیار تیرا شہرہ ہر شہروں میں پھیلا ہوا ہے

نک فلاں شہ[٤] از برائے زرگری — اختیارت کرد زیرا مہتری

اور فلاں بادشاہ نے کچھ زیور بنوانے کو تجھکو پسند کیا ہے اسلئے کہ تو بہت بڑا کاریگر ہے

اینک[٥] ایں خلعت بگیر و زر و سیم — چوں بیائی خاص باشی و ندیم

یہ خلعت سونا اور چاندی لے اور جب بادشاہ کے پاس جائیگا تو خاصان خاص اور مصاحب ہو جائیگا

لہ قابل ملاحظہ ہے کہ حکیم غیبی صاحب کیا تدبیر کرتے ہیں ٢ہ غرور یعنی دھوکا اور فریب قرآن کے حقیقہ کے حکم سے انکار کرنیوالے اس دھوکا بازی اور فریب کو جائز اور خدا کی تعلیم بتاتے ہیں ٣ہ یہ چاپلوسی اور افترا ملاحظہ ہو ٤ہ بیچارے کو ہلاک کرنیکی فکر ہے اور کہا جاتا ہے کہ تو بہت کاریگر سونار ہے اور بادشاہ تجھ سے کچھ بنوانا چاہتا ہے ٥ہ کیا دھوکے کی باتیں ہیں۔

مزد و مال و خلعت بسیار دید   غرہ شد از شہر فرزنداں برید

روپیہ پیسہ اور خلعت جب بہت دیکھا تو دھوکے میں آ گیا اور اپنے شہر سے قطع تعلق کیا

اندر آمد شادماں در راہ مرد   بیخبر کان شاہ قصد جانش کرد

خوش خوش سفر اختیار کیا۔ اور اسے بے خبر کہ بادشاہ اوس کی جان کا خواہاں ہے

اسپ تازی بر نشستہ و شادو تاخت   خوں بہائے خویش را خلعت شناخت

اسپ تازی پر سوار ہوا اور خوش خوش دوڑا اور اپنی جان کی قیمت کو خلعت سمجھا

چوں رسید از راہ آں مرد غریب   اندر آوردش بہ پیش شہ طبیب

جب وہ راہ ختم کر کے پہونچا تو طبیب اوسکو بادشاہ کے پاس لے گیا

شاہ دید اورا بسی تعظیم کرد   مخزن زر را بدو تسلیم کرد

جب بادشاہ نے دیکھا تو اوسکی بہت تعظیم کیا اور خزانہ کو اوس کے حوالہ کیا

پس حکیمش گفت اے سلطان مہ   آں کنیزک را بدیں خواجہ بدہ

تب حکیم نے کہا اے بادشاہ بزرگ اس لڑکی کو اس خواجہ کے حوالہ فرما

تا کنیزک در وصالش خوش شود   آب وصلش دافع آں آتش شود

تاکہ وہ اوسکے وصال سے خوش ہو اور جام وصل اوسکی آگ کو بجھا دے

شہ بدو بخشید آں مہ روی را   جفت کرد آں ہر دو صحبت جوی را

بادشاہ نے اوس ماہ لقا کو اوسکے حوالہ کیا اور ان دونوں عاشقوں کو ملا دیا

مدت شش ماہ می راندند کام   تا بصحت آمد آں دختر تمام

چھ مہینہ تک دونوں نے لطف صحبت اوٹھایا یہانتک کہ لڑکی کو پوری صحت حاصل ہوئی

سلہ آخر بیچارہ سونار دھوکا کھا گیا ۱۲ آخر بیچارہ سونار کیا کرتا اور دھوکہ میں کیونکر نہ آتا۔ تستے اس مکاری کی کوئی حد نہیں ہے جسکی جان لینا مقصود ہے اوسکی خاطر و تکریم کیجاتی ہے کیوں نہ ہو تقیہ سے انکار کرنیوالوں کا ایمان ایسا ہی ہوتا ہے سه یہ غیرت اور حمیت ہے کہ اپنی معشوقہ کو سونار کے حوالہ کیا اور اس کا نام سحر مطلق اور معجزہ رکھا ۵ شرم! شرم!! یہ حمیت اور غیرت ہے کہ بادشاہ اپنی معشوقہ کو سنار کے حوالہ کرتا ہے۔

بعد ازاں ازبہر او شربت بساخت ۝ تا بخورد و پیش دختر می گداخت

بعد اوسکے حکیم غیبی نے اوس سونار کیواسطے شربت تیار کیا جسکو پیکر وہ اوس لڑکی کے سامنے گھلنے لگا

چون ز رنجوری جمال او نماند ۝ جان دختر در وبال او نماند

جب بوجہ بیماری کے سونار کا حسن باقی نہ رہا تو لڑکی کے دل کو بھی اوس سے تعلق نہ رہا

چونکہ زشت و ناخوش و رخ زرد شد ۝ اندک اندک در دل او سرد شد

کیونکہ بدرو۔ بیمار اور زرد چہرہ ہوگیا تو رفتہ رفتہ اوس کا دل بھی اوسکی طرف سے سرد ہوا

خوں دوید از چشم ہمچو جوے او ۝ دشمن جان وی آمد روے او

وہ بیچارہ سونار خون کا آنسو مثل دریا کے بہاتا تھا کہ اوس کا حسن اوسکی جان کا دشمن ہوا

گفت من آں آہویم کز ناف من ۝ ریخت ایں صیاد خون صاف من

بیچارے نے کہا کہ میں مثل اوس ہرن کے ہوں جسکے نافہ کی وجہ سے شکاری نے میرا خون صاف بہایا

ایں بگفت و رفت در دم زیر خاک ۝ آں کنیزک شد ز عشق و رنج پاک

یہ کہا اور تھوڑی دیر میں خاک میں مل گیا اور وہ لڑکی اسکے عشق اور محبت سے پاک ہوگئی

کشتن آں مرد بر دست حکیم ۝ نے پے امید بود و نے ز بیم

اوس حکیم کے ہاتھ سے اوس سونار کا مارا جانا نہ کسی لالچ سے تھا اور نہ کسی کی ڈر سے بھی

آں کہ از حق یابد او وحی و جواب ۝ ہر چہ فرماید بود عین صواب

جسکے پاس اللہ کے ہاں سے وحی اور جواب آوے تو جو کچھ وہ کہے وہ عین صواب ہے

لہ اس بیچارے بیگناہ سونار کو دور دراز گھر سے بلا کر دھوکہ سے جان لیا نعوذ باللہ یہ حکیم غیبی کی کی کارروائی ہے ٭ یہ حکیم غیبی صاحب کا معجزہ ہے جو اول اوس لڑکی سے کہا تھا کہ تیرے واسطے معجزہ کرینگے یعنی اوس بیچارے سونار بیگناہ کیلئے زہر تیار کیا اور اوسکو پلایا ٭ زہر کا پیالہ پینے کے بعد رونا کیا کام دیتا ہے ٭ اور یہ خون ناحق نہ کسی طمع سے تھا اور نہ کسی ڈر سے۔ تو اور بھی شرمناک اگر بوجہ خون ناحق کیا گیا ٭ ذرا ایسی وحی قرآن عربی میں تو دکھائیے۔ کیوں نہ ہو چونکہ بادشاہ کے مطلب کا کام ہوا ہے اس لیے جو کچھ کیا ہے وہ وحی و الہام ہے

آں اگر جان بخشد اگر بکشد رواست نایبست[۱] ودست او دست خداست

وہ اگر جان بخشی کرے یا کسی کو قتل کرے جائز ہے وہ نائب خدا ہے اور ہاتھ اوس کا اللہ کا ہاتھ ہے

شاہ آں خوں[۲] از پے شہوت نکرد تو رہا کن بد گمانی و نبرد

بادشاہ نے یہ خون شہوت کی خاطر نہ کیا تو اوسکی شان میں بد گمانی اور اعتراض نہ کر

گر نبودے کارش الہام الہ او سگے بودے[۳] درانندہ نہ شاہ

اگر اوس کا کام خدا کے الہام سے نہ ہوتا تو وہ سگ درندہ ہوتا نہ کہ شاہ

پاک بد[۴] از شہوت وحرص وہوا نیک کرد او لیک نیک بدنما

وہ شہوت حرص اور خواہش نفسانی سے پاک تھا اوس نے نیک کام کیا لیکن وہ نیک بدنما تھا

شاہ بود[۵] و شاہ بس آگاہ بود خاص بود و خاصہ اللہ بود

یہ بادشاہ تھا اور بادشاہ ہی باخبر تھا وہ خاص تھا اور خاصان خدا سے تھا

یہ ہے تعلیم قرآن فارسی کی کہ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے مکر۔ فریب۔ خون ناحق سب کرو لیکن سب کو خداوند عالم کی تعلیم ووحی کہو یہاں تک کہ اپنی معشوقہ کو سنار کے حوالہ کرو اور پھر اوس کے چاہنے والے کو دغا سے زہر کا پیالہ پلا کر قتل کرو اور ان سب بداعمالیوں کا نام نیک رکھو اور اگر صاف صاف نیک کہنے میں دل شرماوے تو

۱؎ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہ ایسے بے حیا اور مکار کو دست خدا کہا جاوے

۲؎ عورت کے لئے خون ناحق اگر شہوت کے لئے نہیں ہے تو کاہیکے لئے ہے ایسی ہی عورت کے واسطے حضرت یحیٰی قتل کئے گئے۔ ۳؎ کلمہ حق برزبان جاری یہ وہ جملہ ہے جو قرآن عربی اس کام کے لئے کہیگا لیکن قرآن فارسی اوس کا عکس ہے

۴؎ اس خوشامد کا اللہ کو کیا جواب دوگے کہ بدعۃ حسنہ کا جوڑ نیک بدنما اختراع کیا۔

۵؎ خوشامد سے منہ تیرا کالا ہوا۔

جیسے بدعۃ کو بدعۃ حسنہ کا خطاب دیا گیا ہے اوسی طرح ان بداعمالیوں کو نیک بدنما کہو اور شیعوں کو تقیہ باز۔ دروغگو۔ قرآن میں تحریف کرنے والے کہکر اونکو ان اتہام کے جواب ہی میں مشغول رکھو تاکہ وہ اہلسنت والجماعۃ کا راز فاش کرنے کی مہلت کبھی نہ پاویں اور اگر کوئی شیعہ کچھ لکھے بھی تو اوس کا دیکھنا اور پڑھنا اہلسنت والجماعۃ پر حرام کردو۔

اس تعلیم کو خلفاء کے عمل سے مقابلہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب خلفاء تمام تر قرآن پہلوی کے پابند تھے یعنی خلفاء کی نظر عروس دنیا پر پڑی تو اوس پر قبضہ کرلیا لیکن جب دیکھا کہ خود دنیا اپنی آسودگی اپنا امن اور استراحت اولاد رسول ؐ کے قدموں سے لگے رہنے میں دیکھتی ہے تو لگے آل رسول کی بیخکنی کرنے۔ کسی کو دغا سے قتل کیا تو کسی کو برملا شہید کیا۔ اور بہتوں کو زہر کا پیالہ پلا کر دنیا حاصل کی اور اونکے ہوا خواہ عوض حق گوئی کے اونکو خلیفہ رسول یا امام۔ ولی اللہ وغیرہ کا خطاب دیکر اونکی مدح سرائی کرتے ہیں جسکے متعلق خود مثنوی روم میں ایک شعر حق نکل گیا ہے ؎

می بلرزد عرش از مدح شقی   بدگماں گردد ز مدحش متقی

دیکھا کہ اول خود قرآن کے جمع کرنے میں کیا کیا ترکیبیں کی گئیں اور کیسا اسکی آئتوں کو اُلٹ پلٹ کردیا اوسکے بعد موضوع احادیث سے معنی اور مطلب کو خبط بے ربط کیا جب اس سے بھی پیٹ نہ بھرا تو ایک قرآن فارسی علحدہ گڑھ لیا اور رسولخدا ؐ کو مجبور کیا کہ قیامت میں فریاد کریں وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا یعنی رسول عرض کرینگے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے تو اس قرآن کو بیکار بنا دیا تھا۔ غرض جیسا اہلسنت والجماعۃ کا دعوٰی ہے کہ

وہ اہلبیت رسولؐ کے محب ہیں اوران سے محبت رکھتے ہیں ویسا ہی ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن عربی کو مانتے ہیں۔ حالانکہ واقعاً وہ پیرو خلفا بنی امیہ اور بنی عباس ہیں اور قرآن فارسی کی پیروی کرتے ہیں۔ نہ اونکو آل رسولؐ سے کوئی تعلق ہے اور نہ قرآن عربی سے کوئی سروکار ہے۔

اس موقع پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شیعہ بھی قرآن عربی کو نہیں مانتے ورنہ اوس کا اس قدر عیب نہیں بیان کرتے اور آل رسول میں بھی سوائے چند اشخاص کے دوسروں کو نہیں مانتے۔

کیسا ظلم ہے کہ ہمارا پیارا قرآن آپ کے ہاتھ میں پڑا اور آپنے اوس کو قطع و برید کرکے اولٹ پلٹ کردیا۔ اور جب ہم اس ظلم عظیم کا ذکر کرتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد نہ قرآن پر ہے اور نہ اوس سے محبت ہے اگر اوس سے محبت نہ ہوتی اور اوسپر اعتقاد نہ ہوتا تو ہم کو کیا پڑی تھی کہ اوسکے نقصان کو دیکھکر واویلا کرتے۔ اگر کسی کے لڑکے یا محبوب عزیز پر کسی نے زخم لگایا ہے تو وہ البتہ اوس زخم کی جانچ کرائیگا۔ اوسکے مرہم پٹی کا بندوبست کریگا لیکن ظالم کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ زخم پوشیدہ رہے اور اوسکے ظلم پر کسی کو خبر نہ ہو۔ پس جو قرآن شیعوں کو مل گیا ہے اوس کو غنیمت سمجھتے ہیں اور جو غائب ہوگیا ہے اوس کے لئے افسوس و رنج کرتے ہیں اور خدا کے حکم کے منتظر ہیں۔ میں نے کتنی آیتوں کا ذکر اس رسالہ میں کیا ہے۔ ہے کوئی اہلسنت والجماعۃ جو ایک آیۃ کا بھی ماننے والا ہے، اور اپنے دین و ایمان کو اوسکے مطابق ثابت کرسکتا ہے؟

نشیعے کل آل رسولؐ کو مانتے ہیں خواہ وہ معصوم ہوں خواہ غیر معصوم لیکن چونکہ باتمیز ہیں معصوم کو اپنا ہادی۔ رہنما اور شفیع سمجھتے ہیں اور

جو غیر معصوم ہیں انکو ہادی ۔ رہنما وغیرہ نہیں ملتے لیکن اونکا احترام اونکے ساتھ احسان واجب جانتے ہیں اور سب سے بڑھکر اونکو خمس کا مستحق سمجھتے ہیں جس کو خلفاء نے غصب کرلیا اور بیچارے سادات کو اوس سے محروم کرکے اونکو نان شبینہ کا محتاج کردیا اور پھر اونکو جہاں جہاں تک ملا قتل و غارت کیا جس کا شاہد خطبہ اخطب خوارزمی ہے (دیکھو صفحہ ۱۴۵-۱۴۶ رسالہ ہذا) اور جس ظلم وجور سے اسلامی تواریخ سیاہ ہورہی ہیں۔ آپ خلفاء کے ظلم وجور کو خواہ قرآن پر ہو خواہ آل رسول پر نہیں چھپا سکتے۔ قرآن پکار پکار کر کہتا ہے کہ مجھکو اولٹ پلٹ دیا ہے اور ہر طرح بگاڑنے کی کوشش کی ہے اگر خدا کی حفاظت شامل حال نہ ہوتی تو اتنا بھی باقی نہ رہتا۔ اوسی طرح سادات معصوم وغیر معصوم کے مزار حجاز۔ شام۔ عراق۔ عجم میں پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اہلسنت والجماعت نے کیا کیا ہے ایک کا بھی قاتل کوئی شیعہ نہیں ملیگا اور اگر کچھ ملیگا تو شیعوں کی قبریں ہی اونکے زیر پا ملیں گی۔

الحاصل قرآن عربی میں جو مہاجرین حبشہ کی تعریف السابقون الاولون من المہاجرین کے خطاب سے ہے اوسکو غلط مہاجرین مدینہ وہ بھی مہاجرین آخرین کے متعلق قرار دیکر اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہیں لیکن خداوند عالم نے اتمام حجت کے لئے اونکے راز کو ہر طرح فاش کردیا ہے جنگ احد کے فرار کا ذکر قرآن پاک میں کرکے خداوند عالم پہنچوا دیتا ہے کہ حضرت ابوبکر عمر۔ عثمان خصوصاً و دیگر صحابی عموماً جو فرار ہوگئے تھے وہ سب منافق ہیں۔ اسکے بعد خداوند عالم ان حضرات کو متنبہ کرتا ہے کہ جنگ خیبر و حنین میں مثل قبل کے پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ عذاب دردناک کی سزا ملیگی۔ لیکن

وقت آنے پر ان حضرات نے دونوں جنگوں میں پیٹھ پھیری اور دردناک عذاب کے مستحق ہوئے۔ نماز میں رسولخدا کو کھڑا چھوڑ کر کھیل تماشہ سودا سلف کی طرف اصحاب کے دوڑ جانیکا ذکر کر کے خداوند عالم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ جو نماز کو کھیل تماشہ کے برابر سمجھے اونکی صحبت سے پرہیز کرنا۔ آیت نجویٰ کے نزول کے بعد اصحاب کبار نے جو رسولخدا کی منجبت کو صدقہ کے خوف سے ترک کر دیا اُس کا ذکر کر کے خدا فرماتا ہے کہ اس بخل کیوجہ سے اونکے دلمیں قیامت تک کیلئے خداوند عالم نے نفاق ڈال دیا ہے۔ بعد وفات رسولخدا صلعم خَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ کے مصداق بنکر کتاب خدا کے مالک بن گئے اور قرآن کی ایسی گت بنائی کہ روز قیامت رسولخدا فریاد کرینگے کہ میری قوم نے قرآن کو بکواس یا بے معنی بنا دیا تھا اور پھر کچھ لوگوں نے خلیفہ بنکر نماز کو ضائع کیا اور قرآن پاک کی تصدیق کر دی کہ اے اصحاب رسولؐ تم لوگ حکمراں ہو کر دنیا میں فساد کروگے۔ قطع رحم کروگے اور ان پر خدا لعنت کریگا۔

ان سب اخبارات کے بعد بھی کیونکر کوئی شخص قرآن کو ماننے والا ان اوصاف کے حضرات کو خلیفہ رسولؐ اور ولی اللہ کہکر اپنی نجات کی امید کرسکتا ہے؟ جب انکے ہاتھ میں سلطنت تھی اور جاگیر و انعام تقسیم کرتے تھے تو اونکی خوشامد میں سابقین نے ہر طرح کی بات بنائی جیسا مثنوی پر رقم سے ثابت ہے۔ لیکن اب کیا ہے۔ اب انسان کو لازم ہے کہ قرآن کے خلاف نہ کسی کی تعریف کرے اور نہ کسی کا وسیلہ ڈھونڈھے انھیں کا وسیلہ کام آویگا جن کی تعریف قرآن پاک کرتا ہے اور جنکی پیروی اور ساتھ دینے کا حکم دیتا ہے۔

آل رسول صلعم

چنانچہ رسولخدا کی آل اور اولاد کے بارہ میں جو خداوند عالم کا حکم ہے اوسکی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں - ان دنوں آل رسولؐ سے ایسی دشمنی ہوگئی ہے کہ اہل اسلام آل کے لفظ ہی کو غائب کردینا چاہتے ہیں۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ پورا قرآن اور کل حدیثیں آل کی تعریف اور توصیف سے بھری ہیں اور نماز بھی بغیر ذکر آل محمدؐ کے ناقص رہ جاتی ہے اور یہ لفظ کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتا تو اسکے معنی بدلنے پر لوگ آمادہ ہیں کہ آل رسولؐ سے مراد تابعین اور امت محمدؐ ہیں نہ کہ حضرتؐ کے اولاد و اقربہ۔ یہ ایسی تحریف ہے کہ نہ معلوم ایسے معنے بنانے والوں کو کہاں لیجاویگی یہ ویسی ہی تحریف ہے جیسا نصاریٰ نے رسولؐ کریم کے متعلق انجیل میں کی ہے کہ حضرت کی بشارت کو احمد کا ترجمہ کرکے مبہم کردیا ہے اور اب رسول کی رسالت سے انکار کرکے خود انجیل کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے کو برسر حق شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ ہر مسلمان پانچوں وقت نماز میں کہتا ہے اللھم صل علی محمدؐ و آل محمدؐ کما صلیت علی ابراھیم و آل ابراھیم اور اللھم صل و بارک علی محمدؐ و آل محمدؐ کما صلیت و بارکت علی ابراھیمؑ و آل ابراھیم مشہور جملہ ہے۔ اب ذرا کوئی پوچھے کہ آل ابراہیمؑ سے حضرت ابراہیمؑ کی امت مراد ہے یا آپکی اولاد۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم میں سے تو ایک شخص بھی ایمان نہ لایا اور سب کے سب بت پرست رہے۔ لہذا حضرت کی امت ندارد صرف آپ کے بھتیجے لوط اور اولاد حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق مومن تھے اور خدا کی رحمت اور برکت جو آل ابراہیمؑ

نازل ہوئی تو سارا عرب نسل اسمعیل سے معمور ہو گیا اور سارا فلسطین و شام وغیرہ نسل اسحق سے معمور ہو گیا پس جب حضرت ابراہیم کی آل سے مراد آپکی اولاد ہے اور اوسی طرح کی رحمت اور برکت کی دعا آل رسول کے لئے کیجاتی ہے تو آل رسول سے اولاد رسول مراد ہونگے نہ کہ امت رسول مسلمانوں کو لازم ہے کہ قلب و زبان کو ایک رکھیں ورنہ منافقوں میں شمار ہوں گے۔ درود اور عبادات کے عربی زبان میں ہونیکی وجہ سے بیچارے غیر عربی والوں کو دھوکا نہ دیا جاوے اور اُلٹا پلٹا معنی بتا کر انکو قبول حق سے نہ روکا جاوے۔ اگر آل ابراہیم سے حضرت ابراہیم کی امت یا پیرو مراد ہیں تو حضرت کے پیرو یا امت سے ایک کا نام بھی بتایئے جس پر خداوند عالم درود بھیجتا ہے اور جس پر برکت نازل فرمائی ہے۔

بہرکیف آل کے معنی میں قرآن ہی سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا ہے سورہ آل عمران رکوع ۴ میں ہے اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ نُوْحاً وَّ آلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ۔ یعنی بیشک خدا نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو سارے جہاں سے برگزیدہ کیا۔ یہ ذریت یعنی اولاد ہیں بعض کے بعض۔

یہاں آل کے معنی خداوند عالم خود بیان فرما دیتا ہے کہ ذریت کے ہیں۔ ممکن ہے کہ جیسے آل کے معنی امت کے بنانا چاہتے ہیں ویسے ہی ذریت کے معنی بھی پیرو اور امت کے قرار دیں لہذا دوسری آیت ملاحظہ ہو۔ سورہ الانعام کے رکوع ۱۰ میں حضرت ابراہیم۔ اسحق۔ یعقوب۔ نوح۔ داؤد۔ سلیمان۔ ایوب۔ یوسف۔ موسیٰ۔ ہارون۔ زکریا۔ یحییٰ۔ عیسیٰ۔ الیاس۔ اسماعیل۔ الیسع۔ یونس۔ لوط کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے وَمِنْ اٰبَآئِھِمْ

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ... اُولٰۗئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

یعنی اور ان پیغمبران مذکورین کے باپ۔ اولاد اور بھائیوں کو ہم نے منتخب کیا اور سیدھی راہ کی ہدایت کی ..... یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔

اس مقام پر بھی رسولوں کے خاندان ہی کا ذکر ہے نہ کہ اونکے امتی یا قوم کا۔ اور ذریت کو باپ اور بھائی کے درمیان اس طرح رکھا ہے کہ سوائے اولاد کے دوسرا معنی اوس کا نہیں بن سکتا۔ یہاں ایک اور نکتہ قابل غور ہے اس آیہ میں جہاں اور پیغمبروں کا ذکر ہے وہاں انکے باپ بیٹے اور بھائی کا بھی ذکر ہے کہ سب کو خداوند عالم نے چن لیا اور سیدھے راستہ پر لگا دیا تو حضرت ابراہیم کے باپ بھی برگزیدہ خدا ہوئے اسکے بعد حضرت ابراہیم کیونکر فرماتے ہیں۔ سورہ الشعراء رکوع ۵ میں:۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ یعنی خداوند میرے باپ کو بخشدے بے شک وہ گمراہ تھے۔ اور خداوند عالم سورہ التوبہ رکوع ۱۴ میں فرماتا ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۔

یعنی انبیاء اور مومنین پر جب یہ ظاہر ہو گیا کہ مشرکین جہنمی ہیں تو جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے لئے دعاء مغفرت کریں گرچہ کہ وہ قرابتمند

بھی ہوں اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا مغفرت اپنے باپ کے لئے اس وعدہ کے بنا پر تھی جو اُن سے کر لیا تھا لیکن جب ان پر ظاہر کر دیا گیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے تبرّا کیا۔ بے شک حضرت ابراہیمؑ دردمند اور بردبار ہیں۔

غرض خداوند عالم فرماتا ہے کہ جیسے نام بردہ انبیاء کے باپ برگزیدہ تھے ویسے حضرت ابراہیمؑ کے باپ بھی برگزیدہ تھے اور پھر حضرت ابراہیمؑ کے باپ کو مشرک اور دشمن خدا بھی کہتا ہے اور خود حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ میرے باپ کو بخشدے جو گمراہ تھے۔ اس اب کا نام سورۃ الانعام رکوع ۹ میں ہے:۔ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً یعنی جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اب آزر سے کہا کہ تو بتوں کو خدا بتاتا ہے۔ اب آزر حضرت ابراہیمؑ کے باپ تھے یا کیا؟ آپ کا نسب نامہ جہاں بھی ہے آپ کے والد کا نام تارخ لکھا ہے آزر کا نام تک اس نسب نامہ میں نہیں ہے۔ باپ ہونا تو درکنار۔ لیکن جہاں والد کے لئے دعا فرمائی ہے وہاں نہ آپ نے کوئی معذرت کی ہے اور نہ خداوند عالم نے اعتراض کیا ہے۔ سورہ ابراہیمؑ رکوع ۶ میں ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ یعنی خداوندا مجھے میرے والدین کو اور مومنین کو قیامت کے روز بخشدے۔

اب فرق معلوم ہوا کہ جس کے نطفہ سے انسان ہو وہ والد اور باپ ہے اور پرورش کنندہ یا دوسرے بزرگ کا اعزاز کرنا ہو تو اسکو اب ہی کہینگے والد نہیں کہینگے۔ غرض یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا

نام تارخ تھا نہ کہ آزر۔ آزر کو خود حضرت ابراہیمؑ اور خداوند عالم مشرک اور دشمن خدا بتاتے ہیں اور حضرت تارخ کو خداوند عالم فرماتا ہے کہ میں نے حضرت ابراہیمؑ کے والد کو برگزیدہ کیا اور سیدھے راستہ پر لگا دیا اور حضرت ابراہیم بھی انکی مغفرت کیلئے جب دعا فرماتے ہیں تو ایسی صفائی سے اور بے کھٹکے جیسا مومن کے لئے دعا ہو سکتی ہے۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہ تھا بلکہ پرانے قاعدہ کے مطابق وہ اپنے پرورش کرنے والے کو اب اور ابی کہتے تھے۔ جیسا کہ زید رسولخداؐ کے پالک رسولخداؐ کو ابی کہتے تھے اور لوگ خیال کرتے تھے کہ واقعی رسولؐ ان کے باپ ہو گئے۔ لہذا خداوند عالم نے فرمایا سورہ الاحزاب رکوع ۵ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِکُمْ یعنی محمد مصطفےٰ صلعم تمہارے کسی مرد کے باپ نہ تھے اور نہ زید منہ بولا بیٹا کہنے سے انکے بیٹے ہو گئے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ آزر کو ابی کہنے سے اس کے بیٹے نہیں ہو گئے۔ ورنہ قرآن میں اختلاف لازم آئیگا۔

اس جملہ سے کہ محمد مصطفےٰ صلعم کسی مرد کے باپ نہیں ہیں یار لوگ آل پر حملہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداوند عالم محمد مصطفےٰ صلعم کی ذات والاصفات سے رشتہ ناتا کا انکار فرماتا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو رجالکم کی تخصیص نہ ہوتی جس وقت میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اس وقت واقعی آپ کی کوئی اولاد ذکور نہ تھی اور حضرت فاطمہ علیہا السلام آپکی ایک دختر نیک اختر تھیں لہذا اگر رسولخداؐ کے رشتہ ناتہ سے خدا کو انکار کرنا منظور ہوتا تو وہ فرماتا مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِکُمْ وَ بَنَاتِکُمْ نیکن رجالکم

یعنی مرد کی تخصیص کر کے خداوند عالم نے ظاہر کر دیا کہ رسولخدا کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن ایک عورت کے باپ ہیں اور جیسا ہر نبی کی ذریت کی تعریف و توصیف ہے ویسی ہی آپکی ذریت کی تعریف اور توصیف بھی ہے۔ اور چونکہ خداوند عالم کو علم تھا کہ آل کے معنی بگاڑنے کی کوشش کیجاویگی اسلئے کہیں اس لفظ کو ذریت کے ہم معنی کر کے ذکر کیا ہے۔ کہیں اہل کے ہم معنی کر کے ذکر کیا ہے۔ کہیں ایسے موقع سے ذکر کیا ہے جہاں سوائے اولاد کے دوسرا معنی ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱ میں ہے ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ یعنی جو لوگ حضرت نوح کے ساتھ تھے انھیں کی اولاد بنی اسرائیل ہے۔

دیکھئے ذریت کے معنی اولاد کے قرآن میں آیا ہے اور امت کے معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ سورہ الحدید رکوع ۴:۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ یعنی ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور انکی اولاد میں نبوت اور کتاب دی۔ پھر سورہ الرعد رکوع ۶ میں خداوند عالم فرماتا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً یعنی اے رسول آپ کے پہلے جو رسول ہم نے بھیجا ہے اونکو ہم نے بی بیاں دیں اور اولاد بھی۔ یعنی آپ کی ازواج اور اولاد کے متعلق جو کفار رہبانیت پسند اعتراض کرتے ہیں یا آئندہ جو منافقین اعتراض کرینگے وہ سب لغو ہے۔ نبی کی بی بیاں بھی ہوتی ہیں اور آل و اولاد بھی۔

اب خاص لفظ آل کا استعمال قرآن پاک میں کس معنی میں ہوا ہے

اسکو ملاحظہ فرمائیے ۔ سورۃ البقر رکوع ۳۲ مما ترک آل موسیٰ وَآل ھارون یعنی جو حضرت موسیٰ کی اولاد اور حضرت ہارون کی اولاد نے چھوڑا ہے ۔ اگر آل سے مراد تابعین اور امت ہوتے تو آل کا لفظ دہرایا نہیں جاتا اسلئے کہ تابعین دونوں بزرگوں کے ایک ہی تھے ۔ لیکن اولاد مختلف تھی اس لئے ہر ایک کے لئے علحدہ علحدہ آل کا لفظ لایا گیا ہے ۔

سورہ یوسف رکوع ۱ :- وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ یعنی اے یوسف خدا تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اسی طرح نعمت کو پورا کریگا جس طرح اُس نے تمہارے دادا اور پردادا ابراہیم اور اسحٰق پر پورا کیا ۔ یہاں آل کے معنی سوائے اولاد کے دوسرا ہو ہی نہیں سکتا ۔

سورہ الحجر رکوع ۴ و ۵ میں ہے :- إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ یعنی قوم لوط کو تباہ کر دیں گے اور آل لوط کو بچالیں گے پھر ان کے بچنے کی ترکیب بتاتے ہوئے فرشتے حضرت لوط کو مشورہ دیتے ہیں فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ یعنی آپ کچھ رات رہے اپنے لڑکے بالوں کو لیکر نکل جائیے ۔

غرض اس سورہ میں آل اور اہل ایک معنی میں استعمال ہوا ہے قرآن پاک میں کہیں ایک جگہ بھی اہل کو جہاں کسی شخص کی طرف منسوب کیا ہے وہاں اولاد یا گھر والے کے سوا دوسرا مقصود نہیں ہے اور نہ دوسرے معنی لینے سے مطلب نکلتا ہے ۔ اسی طرح

سورۃ النمل رکوع ۴ میں ہے :- فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ٥ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ
یعنی لوط کی قوم کا اسکے سوا جواب نہ تھا کہ وہ بول اُٹھے کہ لوط کے خاندان کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنا چاہتے ہیں۔ غرض ہم نے لوط کو اور انکے خاندان کو بچا لیا مگر انکی بی بی کو۔

دیکھا آل اور اہل ایک معنی میں استعمال ہوا ہے اور مراد صرف گھر والے ہیں۔ غرض ایک جگہ بھی کوئی نہیں دکھا سکتا جہاں آل کو خداوند عالم نے ایسی جگہ استعمال کیا ہو جہاں تابعین کے معنی صحیح ہوں جیسا کہ ہم نے دکھایا ہے کہ اوپر کی آیات میں سوا ے اہل خاندان کے دوسرا معنی آل سے نہیں بن سکتا۔ اور خداوند عالم نے آل اور اہل کو ایک معنی میں استعمال کیا ہے اور اسکے معنی بھی بتا دیا ہے کہ اس سے ذریت مراد ہے۔

غرض جہاں بھی آل قرآن میں ہے وہاں اولاد یا اہل خاندان سے مراد ہے اس کے علاوہ دوسرا معنی لینا قرآن کی تحریف کرنا ہے۔

جنکا کہتے ہیں کہ آل فرعون سے تابعین فرعون مراد ہیں۔ یہ دعویٰ بھی غلط فہمی کے باعث ہے اس لئے کہ فرعون صرف ایک شخص کا نام نہیں تھا۔ بلکہ مصر کے بادشاہ سب فرعون کہے جاتے تھے۔ جیسے قیصر شاہ روم کو اور خاقان شاہ چین کو کہا کرتے تھے۔ اوسی طرح مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہا کرتے تھے۔ یہ سب انھیں فراعنہ کی اولاد تھی جن کو آل فرعون کہا گیا ہے نہ کہ فراعنہ کے خاندان

سے باہر کے لوگ کو آل فرعون کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آل فرعون میں سے ایک شخص حضرت موسیٰ اور خدا پر ایمان لایا تو اُسکو آل موسیٰ نہیں کہا بلکہ وہ آل فرعون باقی رہا اور اوسکے ایماندار ہونیکی خبر قرآن میں دیدی جیسا سورہ المومن رکوع ۳ میں ہے وَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یعنی آل فرعون میں سے ایک مومن نے کہا فافہم۔

کل انبیاء کے قصے کو دیکھ جائیے ہر جگہ انکی اولاد ہی کا ذکر ہے اور انھیں کی تعریف ہے اور انھیں پر انبیاء کے دین کا دارومدار ہے ان انبیاء کا اصول یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک نبی کی کئی اولاد ہوتی تو سب بیک وقت نبی اور حکمراں نہیں ہوتے۔ حضرت نوح کی اولاد میں سے حضرت ہود۔ ثمود صالح وغیرہ کا یکے بعد دیگرے ذکر ہے۔ حضرت داؤد کے کئی صاحبزادے تھے لیکن سلطنت حضرت سلیمان کو ملی۔ انکے بعد انکی اولاد کو۔ حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل نبی ہوئے اسکے بعد حضرت اسحٰق۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ گرچہ حضرت یعقوب کے بارہ لڑکے تھے لیکن نبوت حضرت یوسف کو ملی۔ غرض نبوت اور انبیاء کی خلافت گرچہ ان کی ذریت اور آل میں محدود رہی ہے لیکن مثل زمینداری یا تھوڑی سی خانگی زمین کی تقسیم نہیں ہوتی تھی اور نہ کسی قوم وملت میں ایسی چیز تقسیم ہوتی ہے۔ اور نہ کل اولاد کو ملتی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ ہمارے رسول کریم نے بھی یہی قانون اپنے لئے رکھا یا اسمیں کچھ تبدل اور تغیر کیا۔ نہیں۔ نہیں۔ جیسا اوپر عرض ہوا ہے خداوند عالم فرماتا ہے کہ جو قانون

حضرت نوح حضرت ابراہیم وغیرہ کو دیا تھا اسی پر آپ کو بھی چلنے کو کہا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم کے دین کی تو خاص خصوصیت ہمارے رسولؐ کے ساتھ ہے۔ پس حضرت ابراہیمؑ ہی کے دین سے میں آغاز کلام کرتا ہوں۔ خداوند عالم حضرت کا ذکر یوں سورۃ البقرہ کوع ۱۵ میں فرماتا ہے:۔ قَالَ اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ یعنی جب حضرت ابراہیم کو خداوند عالم نے امام بنایا تو آپ نے خواہش کی کہ آپ کی ذریت میں بھی امام ہوں نہ کہ امت اور قوم میں۔ سورہ ابراہیم کے رکوع ۶ میں یہ ارشادات ہیں:۔ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ..... رَبَّنَا اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ .... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ... رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ یعنی حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ پروردگارا مکہ کو امن کا شہر بنا اور ہم کو اور ہمارے بیٹوں کو اس سے بچا کہ بت پرستی کریں۔۔ پروردگارا ہم نے اپنی اولاد کو تیرے بیت محترم کے نزدیک ایک بے کھیتی کی وادی میں بسایا ہے...... اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھکو بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق ایسا بیٹا دیا..... خداوندا مجھ کو اور میری اولاد کو نماز گزار بنا۔

غرض جو کچھ حضرت ابراہیم کی دعا ہے امامت کے لئے بت پرستی سے بچنے کے لئے اور جو کچھ شکر ہے وہ سب اپنی اولاد اور ذریت

کے لئے ہے نہ کہ قوم کے لئے۔

اس دعا کی مقبولیت کی خبر خداوند عالم سورہ العنکبوت رکوع ۳ میں دیتا ہے جہاں فرماتا ہے:۔ فَمَا كَانَ جَوَابُ قَوْمِهٖ اِلَّا اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ... فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ .... وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ - یعنی ابراہیم کی قوم کے پاس آپکے وعظ اور پند کا کوئی اور جواب نہ تھا سوائے اسکے کہ کہنے لگے کہ انکو قتل کرو یا جلادو تو خدا نے آپ کو آگ سے بچالیا .... تب صرف حضرت لوط حضرت ابراہیم پر ایمان لائے .... اور حضرت ابراہیم کو اسحق سا بیٹا اور یعقوب سا پوتا دیا۔ اور انکی نسل میں پیغمبری اور کتاب قرار دی اور ہم نے ابراہیم کو دنیا میں اچھا بدلہ دیا اور آخرت میں بھی۔

اسی دین پر رسولخداؐ کو چلنے کا حکم ہوا تھا۔ اور آپ بھی اسی کے پابند تھے بلکہ بعض وقت آپ نے اگر منافقین کے تیور کو دیکھکر اپنی آل کی تعریف یا درجہ بیان کرنے میں تامل فرمایا تو خداوند عالم نے اسکی اجازت نہ دی۔ چنانچہ ذیل کی آیتوں اور انکے متعلق کے واقعات سے اس قول کی فوری تصدیق ہوتی ہے۔

۱۔ سورہ الشعراء رکوع ۱۱:۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اے رسولؐ تم اپنے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ الخ

کہاں ہیں کہنے والے کہ خداوند عالم نے اور اس کے رسولؐ نے

امتی میں اور اہل رسول میں فرق نہیں کیا ہے و اہل رسول و اولاد رسولؐ کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے وہ آنکھ کھولکر دیکھیں کہ عشیرتک الاقربین سے رسولؐ کی امت مراد ہے یا اقربا اور اولاد عشیرۃ کے معنی لغت میں قبیلہ - عشیرۃ الرجل یعنی بنوابیہ الادنون یعنی رسولؐ کے باپ دادا کی اولاد - نہ سسر کے سالے اور نہ داماد مراد ہے -

بہر کیف رسولخداؐ تو تبلیغ اسلام کر ہی رہے تھے اور کچھ لوگ قریب چالیس آدمیوں کے مسلمان ہو بھی چکے تھے اور یکے بعد دیگرے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے پھر اس تخصیص کی کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کیجئے کیا معنی - اس آیہ کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہو جائیگا کہ خداوند عالم کا اس سے کیا مقصود تھا -

کنز العمال فی سنن الاقوال والاعمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۷ اور تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ میں یوں مرقوم ہے :- عن علیؑ قال لما نزلت ھذہ الایۃ وانذر عشیرتک الاقربین علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم فقال ان اللہ امرنی ان انذر عشیرتی الاقربین فضقت بذلک ذرعا وعرفت انی متی اباد یھم بھذا الامر اری منھم ما اکرہ فصمت علیہ حتی جائنی جبریل فقال یا محمدؐ ان لم تفعل ما تومر بہ یعذبک ربک فاصنع لی صاعا من طعام واجعل علیہ رجل شاۃ واملاء لنا عسا من لبن ثم اجمع لی بنی عبد المطلب اکلمھم وابلغ ما امرت بہ ففعلت ما امرنی بہ ثم دعوتھم وھم یومئذ اربعون رجلا یزید ون رجلا

اوينقصون فيهم اعمامه ابيطالب وحمزه والعباس و ابولهب فلما اجتمعوا اليه دعانى بالطعام الذى صنعت لهم فجئت به فلما وضعته تناول النبى صلى الله عليه وآله وسلم جزيه من اللحم فشقها باسنانه ثم القاها فى نواحى الصحفة ثم قال كلوا بسم الله الرحمن الرحيم فاكل القوم حتى مالهم بشئ حاجة وما نرا لا اثار اصابعهم والله ان كان رجل واحد منهم لياكل مثل ما قدمت لجميعهم ثم قال اسق القوم فجئتهم بذلك العس فشربوا منه حتى رووا منه جميعا والله ان كان الرجل الواحد منهم يشرب مثله فلما اراد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان يكلمهم بدره ابولهب الى الكلام فقال لقد ما سحركم صاحبكم فتفرق القوم ولم يتكلم بهم رسول الله فقال الغد يا على ان هذا الرجل سبقنى الى ما قد سمعت من القول فتفرق القوم قبل ان اكلمهم فعد لنا من الطعام مثل ما صنعت ثم اجمعهم الى قال ففعلت ثم دعانى بالطعام فقربته لهم ففعل كما فعل بالامس فاكلوا حتى مالهم بشئ حاجة ثم قال اسقهم فجئتهم بذلك العس فشربوا حتى رووا منه جميعا ثم تكلم رسول الله صلعم فقال يا بنى عبد المطلب انى والله لا اعلم شابا فى العرب جاء قومه بافضل مما قد جئتكم به انى قد جئتكم بخير الدنيا والاخرة وقد امرنى الله تعالى ان ادعوكم اليه فايكم يوازرنى على هذا الامر

علی ان یکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاحجم القوم عنها جمیعا وقلت وانی لاحدثهم سنًّا وادمصهم عینا واعظمهم بطناً واحمشهم ساقا انا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکون وزیرک علیہ فاخذنی برقبتی فقال ان هذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا فقام القوم یضحکون و یقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع وتطیع لعلی یعنی حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جب آیہ انذر عشیرتک الاقربین جناب رسولخدا پر نازل ہوا تو آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یا علی مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ دار کو عذاب خدا سے ڈراؤں لیکن میں نے اسمیں چندے توقف کیا اسوجہ سے کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ میری ہدایت سے کراہت کرینگے اور میری بات نہ مانیں گے۔ لہذا میں خاموش رہا تا اینکہ پھر جبرئیل نازل ہوئے اور کہنے لگے کہ خدا فرماتا ہے کہ اے محمد صلعم اگر تم نے ایسا نہیں کیا جیسا ہم نے حکم دیا ہے تو تم پر تمہارے پروردگار کیطرف سے عذاب کیا جاویگا۔ پس تم اے علی بقدر ایک صاع (پونے تین سیر پختہ) کھانا تیار کرو اور ایک بکرے کی ران اور ایک پیالہ دودھ اور اولاد عبد المطلب کو ضیافت میں بلاؤ تاکہ میں اون سے کلام کروں اور جو حکم ہوا ہے اوس کو پہنچا دوں حضرت علیؑ نے حسب الحکم سب سامان مہیا کیا اور تمام اولاد عبد المطلب کو بلایا وہ لوگ کم و بیش چالیس آدمی تھے اور انمیں حضرت کے چچا ابوطالب۔ حمزہ عباس اور ابو لہب موجود تھے جب یہ لوگ جمع ہوگئے تو آنحضرتؐ نے مجھے وہ کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ میں نے جب کھانا حاضر کیا تو آپ نے

گوشت کا ایک ٹکڑا اوٹھایا اور اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر رکھدیا
اور حاضرین سے کہا کہ بسم اللہ آپ لوگ تناول کریں۔ پس تمام لوگوں
نے کھایا اور سیر ہو گئے اور کھانا ویسا ہی بچ گیا اور اوسمیں اونکے
ہاتھوں کے نشان تک نہیں معلوم ہوتے تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ
قسم ہے خدا کی وہ کھانا مقدار میں اتنا تھا کہ اکیلا ایک آدمی اوسے
کھا جاتا۔ اوسکے بعد آپ نے حکم دیا اونھیں سیراب کرو۔ میں نے وہی دودھ
کا شربت پلایا اور سب کے سب سیر ہو گئے اور قسم خدا کی وہ ایک
آدمی کے پینے کی مقدار تھا۔ اسکے بعد رسول اللہ صلعم نے کلام کرنے کا
قصد کیا اس اثناء میں ابو لہب نے آپ کا کلام قطع کیا اور قوم سے کہا
کہ تمہارے صاحب نے تم پر جادو کیا۔ یہ سننا تھا کہ تمام قوم کے لوگ
متفرق ہو گئے۔ دوسرے دن آپ نے مجھے حکم دیا کہ یا علیؑ اس شخص
نے میرے کلام پر سبقت کی اور قبل اسکے کہ میں کچھ کہوں قوم کے لوگ
متفرق ہو کر چلے گئے پھر تم ویسا ہی کھانا تیار کرو اور پھر سب کو
بلاؤ۔ میں نے وہی کیا اور سب نے کھایا۔ اوسکے بعد آنحضرتؐ نے
ارشاد کیا کہ اے اولاد عبد المطلب خدا کی قسم میں جوانان عرب میں کسی شخص
کو ایسا نہیں جانتا جو مجھ سے بہتر تمہارے لئے دین اور دنیا کی نیکی
لایا ہو۔ خدا نے مجھکو حکم دیا ہے کہ میں تم کو اوسکی طرف بلاؤں۔ پس تم
لوگوں میں سے اس امر میں میری وزارت کون کرتا ہے کہ وہ میرا
بھائی۔ وصی۔ اور خلیفہ تمہارے درمیان میں ہو گا۔ تمام قوم خاموش
رہی اور علیؑ نے اٹھکر کہا گو میں سب سے کم سن ہوں۔ میری آنکھیں
پر آشوب ہیں۔ میرا پیٹ بڑا ہے۔ میری ساق پا پتلی ہے لیکن میں

آپ کا وزیر بننے کو موجود ہوں۔ پس رسولخداؐ نے میری گردن پکڑی اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے۔ اس کی بات سنو اور اسکی اطاعۃ کرو۔ یہ سنکر تمام لوگ ہنسنے لگے اور ابوطالب سے کہا کہ آج سے تم اپنے بیٹے کی بات سنو اور اطاعۃ کرو۔ (منقول از اسوۃ الرسول جلد ۲ صفحہ ۱۹۷) یہ حکایت باختلاف الفاظ تفسیر درمنثور۔ مسند احمد ابن حنبل۔ ریاض النضرہ میں بھی ہے۔

اس واقعہ اور اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں کسی مفسر اور کسی راوی نے اختلاف نہیں کیا ہے سب نے اس واقعہ کو لکھا ہے جس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسولخداؐ کی رائے یہ تھی کہ عام تبلیغ فرماتے رہیں اور اپنے کنبے کی تخصیص نہ کریں لیکن خداوند عالم کے حکم اور عذاب کے خوف سے مجبور ہو کر آپ نے یہ تبلیغ فرمائی اور اس میں صاف و صریح معاہدہ ہے کہ حضرتؐ کے کنبے سے جو حضرتؐ کی دعوت قبول کریگا وہ حضرتؐ کا بھائی۔ وزیر اور خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت علیؑ نے ایجاب دعوت کیا تو حسب وعدہ آپ نے فرمایا کہ علی میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے اسکی بات سنو اور اسکی اطاعۃ کرو۔ یہ ایسا کلام واضح اور صاف ہے اور ایسا معاہدہ کہ اسمیں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی کو کون عہدہ عنایت ہوا۔

عشیرۃ الاقربین کی خصوصیت اور اونمیں حضرت علیؑ کا انتخاب اور اونکے ساتھ معاہدہ کہ زندگی میں رسولخداؐ کے بھائی اور وزیر اور بعد کو خلیفہ ہونگے ملاحظہ کرنے کے بعد بھی کوئی شخص قرآن کا ماننے والا کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافۃ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ ایسا

دعویٰ وہی کریگا جو تفسیر اور واقعات سے تجاہل عارفانہ کرکے اس آیہ مبارکہ کے معنی سمجھنے سے انکار کرے اور اس کو نہ معلوم ہو کہ آیہ انذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل رسولخدا نے کیا فرمائی۔ جنکو یہ معلوم ہے کہ رسولخدا نے اس آیہ کریمہ کی کیونکر اور کیا تعمیل فرمائی وہ وہی کہتے ہیں جو میں نے عرض کیا ہے۔ مثلاً بعض یوربین مورخین و مصنفین کی رائیں ہدیہ ناظرین ہیں۔

۱۔ مسٹر کارلائل:۔

"سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ (یعنی محمدؐ صاحب) اور ایک سولہ ۱۶ برس کے لڑکے (یعنی حضرت علیؑ) کا فیصلہ کہ ہم دونوں ملکر تمام دنیا کے برخلاف کوشش کرینگے مضحکہ کی بات معلوم ہوئی مگر آخر یہ ثابت ہوگیا کہ یہ دعویٰ ٹھیک اور درست تھا"

۲۔ مسٹر ڈیون پورٹ:۔

مسٹر ڈیون پورٹ اپنی کتاب خلافۃ میں لکھتے ہیں "دونوں فرقوں شیعہ سنی میں سے ایک نے ان (محمدؐ صاحب) کے عم زاد بھائی اور داماد علیؑ سے جیسا کہ بمقتضائے انصاف وحمیت ہے تولا رکھی۔ باین نظر کہ آنحضرتؐ ان سے ہمیشہ محبت و الفت علانیہ رکھتے تھے اور چند مرتبہ انکو اپنا جانشین بھی ظاہر کیا تھا۔ علی الخصوص دو موقعوں پر (۱) ایک جب آنحضرتؐ نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی۔ اور علیؑ نے باوصف کفار کے مسخر و توہین کرنے کے اپنا ایمان لانا ظاہر کیا تھا"

۳۔ مسٹر اروِنگ:۔ مسٹر اروِنگ واقعہ تعمیل انذر عشیرتک الاقربین

لکھتے ہوئے کہتے ہیں:۔ "آخر کار علیؑ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبرؐ کے حضور میں عرض کیا کہ میں موجود ہوں محمدؐ صاحب نے اپنا ہاتھ اونکی گردن میں ڈالا اور اون کو اپنے سینہ سے لگاکر باآواز بلند فرمایا کہ میرے بھائی - میرے وزیر - میرے جانشین کو دیکھو اور تم لوگ انکی بات سنو اور اسکی فرمانبرداری کرو۔

حضرت علیؑ حضرت محمدؐ کے ابن عم اور رسولؐ کے اکلوتی بیٹی کے شوہر تھے - قرابت کے لحاظ سے بھی خلافت علیؑ ہی کا حق تھا اور آپ کے فضائل اور مناقب اور آپکی اسلامی خدمات بھی آپکو بدرجہ اتم خلافت کا مستحق ثابت کر رہی تھیں - آپ کی عالی ہمتی - سرگرمی - اور جوش کے پہلے ہی ظاہر ہونے پر جب کہ دین اسلام تمسخر اور ایذا دہی کا نشانہ بنا ہوا تھا - محمدؐ نے آپ کو اپنا بھائی اور اپنا خلیفہ قرار دیا تھا اور اوسی وقت سے علیؑ نے بھی اپنی ذات کو خلافت کے لئے وقف کر رکھا تھا اور اسلام کو اپنی بلند ہمتی اور اولوالعزمی سے اتنی ہی عزت بخشی جتنی اپنی بہادری سے اسکی حفاظت کی"۔

اور بھی مورخین نے اس واقعہ سے یہی سمجھا ہے جنکے اقوال کو بخوف طوالت ترک کرتا ہوں۔

غرض صرف یہی ایک آیۃ آل رسولؐ کے درجات رفیع اور رسولخداؐ کے ساتھ خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے - لیکن افسوس سقیفہ کے روز عوض اس معاہدہ رسالت کی پابندی کرنے اور عوض حضرت علی کی سُننے اور اطاعہ کرنے کے خود حضرت علیؑ کو اپنا مطیع بنانے کی فکر کیجانے لگی اور حضرت سے بیعت طلب کی گئی اور انکار پر گھر کو مع

کل خاندان کے جلا دینے کی دھمکی دی گئی اور مثال اس آیہ کریمہ کے بنے :- وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝ یعنی جو لوگ خدا کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن تعلقات کے قائم رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اوس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان ہی لوگوں کے لئے لعنت اور بُرا ٹھکانہ ہے ۔ سورہ الرعد رکوع ۳ ۔

یعنی بحکم خداوند عالم رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کے ساتھ عہد فرمایا تھا کہ رسولؐ کی زندگی میں حضرت علیؑ اونکے وزیر رہیں گے اور بعد وفات خلیفہ ۔ اس عہد کو یاروں نے توڑا اور رسولخدا نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ حضرت علیؑ کی بات سنو اور اطاعۃ کرو ۔ اس تعلق کو لوگوں نے منقطع کیا اور فساد یہ کیا کہ جس گھر میں نبوت آئی جہاں سے اسلام اور تہذیب عرب میں پھیلا اوسی گھر کو جلانے کے لئے آگ اور لکڑی لیکر آئے اور قبیلہ کے قبیلہ مسلمانوں کو تہ تیغ کردیا جیسا او پر مذکور ہے ۔ پس جس نتیجہ کے یہ لوگ مستحق ہیں وہ قرآن کی آیت سے واضح ہے حاجت بیان نہیں ۔ چونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ امت کیا کریگی اور معاملہ خلافت میں کس طرح خداوند عالم اور رسولخداؐ کی مخالفت کیجاویگی لہذا حسب قاعدہ قرآن پاک :- وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ یعنی اسی طرح ہم آیات کو یوں اُلٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں (تاکہ حجت تمام ہو) اور

لوگ کہیں کہ اچھی طرح پڑھادیا اور تاکہ جاننے والوں کے لئے بات بالکل واضح ہو جاوے۔ خداوند عالم نے مختلف طرح سے آل رسولؐ کے بارہ میں آئتوں کو نازل کیا ہے کہ کسی کو انکار کا موقع نہ ملے۔ جیسے مختلف طور سے آئتوں کو نازل فرمایا جس سے صحابہ کی ناقابلیت اور نااہلیت ثابت ہوتی ہے اوسی طرح مختلف طور سے آئتوں کو نازل کیا جس سے آل رسولؐ کا خلیفہ۔ ہادی اور امام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۲۔ سورہ آل عمران رکوع ۶:۔ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ٥ یعنی جب تمہارے پاس علم آچکا اوسکے بعد بھی اگر نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں حجت کریں تو کہو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاویں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو۔ اور ہم اپنے جانوں کو اور تم اپنے جانوں کو اس کے بعد ہم لوگ خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

اس آیت کی تعمیل کرنے کو جس طرح رسولخداؐ برآمد ہوئے اوس کو مدارج النبوۃ میں شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت صلعم خود از حجرہ تشریف بیرون آمد و حسین ابن علی را در بغل و دست حسن را گرفتہ و حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا را در عقب آنحضرت صلعم و علی مرتضیٰ در عقب فاطمہؑ و بایشاں فرمود

چوں من دعا کنم شما آمین بگوئید۔ سبحان اللہ چہ وقت وحالت است وچہ شاہد ومشہود۔

صحیح مسلم۔ صحیح ترمذی۔ خصائص نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل کے متفقہ اسناد سے یہ روایت ہے:۔

عَنْ سَعْدِ ابْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَلِیًّا وَّ فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَّحُسَیْنًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِیْ	یعنی سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے کہ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ اور حسنین علیہم السلام کو بلا کر کہا کہ اے میرے پروردگار یہی میرے اہلبیت ہیں۔

یہی روایت اور حکایت تفسیر جلالین وبیضاوی جلد ا ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر میں ہے۔ اہلبیتؑ کے اس طرح واضح اور صریح نشان دہی اور حد بندی کے بعد بھی کوئی ایماندار کہہ سکتا ہے کہ اہلبیتؑ سے مراد ازواج نبیؐ ہیں۔

اس آیہ میں خداوند عالم رسولؐ کو حکم دیتا ہے کہ اپنے بیٹوں کو۔ عورتوں اور نفسوں کو لیکر میدان مباہلہ میں تشریف لیجاویں اس کی تعمیل میں اپنے بیٹوں کی جگہ حضرت علیؑ کے دونوں بیٹوں کو لیتے ہیں۔ نساء کی جگہ اون کل لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جن کو خداوند عالم یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لستن کاحد من النسآء فرماتا ہے اور لیتے ہیں صرف حضرت فاطمہ علیہا السلام کو جو آپکی دختر بلند اختر تھیں اور انفسنا کی جگہ پر کسی صحابی کو نہیں لیتے بلکہ صرف حضرت علی علیہ السلام کو اور انھیں چار

بزرگوں کو فرماتے ہیں کہ خداوندا یہی میرے اہلبیت ہیں۔
آخر خداوند عالم نے جو یہ جمع کے صیغے استعمال فرما کر لڑکوں، عورتوں اور نفسوں کو طلب کیا تو کیا رسولخدا نے عدول حکمی کی؟ یا خداوند عالم کا یہی مقصود تھا تو پھر دو بیٹے اور ایک عورت اور ایک نفس کیوں نہیں فرمایا؟ یا خداوند عالم کا کلام لغو ہے اور فصاحت سے گرا ہوا ہے؟ نہیں نہ خداوند عالم کا کلام لغو ہے نہ رسولخدا نے ایک لفظ سے بھی عدول کیا ہے بلکہ خداوند عالم کا مقصود اہلبیت کی شرافت فضیلت اور خصوصیت کا اظہار فرمانا تھا اور وہ عمل میں لایا گیا۔ اگر خداوند عالم محدود کر کے فرماتا تو کہنے والے کہتے کہ ان بزرگواروں کے ہم رتبہ بہت سے لڑکے۔ بی بیاں اور نفوس تھے لیکن چونکہ خداوند عالم نے محدود فرما دیا تھا اس لئے رسولخدا مجبور تھے اور اتنے ہی لوگوں کا کام تھا اور اتنے ہی لوگ گئے کوئی خصوصیت انکی نہ تھی۔ اس حجت اور تاویل کی رد کیلئے خداوند عالم نے وہ صیغے استعمال فرمائے ہیں جو تین سے کم پر دلالت نہیں کرتے اور زیادہ جہاں تک ہو۔ لہذا خداوند عالم کم سے کم تین تین ہر قسم کی فرد چاہتا ہے۔ بشرطیکہ وہ انکے ہمرتبہ ہوں اور رسولخدا انکو اہلبیتی فرما سکیں مگر اپنے انتخاب کو انھیں چار بزرگوں میں محدود رکھکر رسولخدا نے بتلا دیا کہ خداوندا اگرچہ تو صیغہ جمع استعمال کرتا ہے لیکن میں مجبور ہوں سوائے ان چار ذاتوں کے ایک بھی میرے اصحاب اور انکی اولادیں اور میری ازواج میں ایسی نہیں ہے کہ جن کو میں ساتھ لیکر جاؤں اور ان سے جھوٹوں پر لعنت کہلواؤں۔ اسلئے کہ خدا کے سامنے جھوٹوں پر لعنت وہی

کہہ سکتا ہے جو خود عمر بھر کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ ورنہ وہ لعنت خود اسی پر اولٹ پڑیگی۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں جو لوگوں نے لکھا ہے کہ رسولخداؐ نے فرمایا کہ یہی چار ذات میرے اہلبیت ہیں۔ اس سے اوس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے کہ اہلبیت سے مراد رسولخداؐ کی ازواج ہیں۔ غرض یہ وہ منصب ہے اور ایسی شرافت ہے کہ اسمیں نہ صحابہ شریک ہیں اور نہ ازواج۔ اس کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ آل سے مراد عام مسلمان ہیں اور اولاد رسولؐ کی نہ کوئی خصوصیت ہے اور نہ کوئی خاص فضیلت ہے کاش رسولخداؐ کبھی چند اصحاب ہی کو ہمراہ لیکر فرمائے ہوتے کہ خداوندا یہ میرے اصحاب ہیں تب بھی صحابہ کی تعریف کے لئے ایک بات تھی میں عرض کرتا ہوں کہ جب صحابہ امتحان میں ناکام رہے اور ولیعلمن الذین صدقوا کی صف میں داخل نہ ہوئے تو کیونکر رسولخداؐ اون کو ایسے معرکۃ الآراء میدان میں اپنے ساتھ لے جاتے اور کیونکر اون کو اپنے اصحاب کے خاص فرد بتاتے اور خداوند عالم نے تو آل وغیرہ کے لفظ سے یہاں پرہیز ہی کیا۔ اور ایسے الفاظ مثل ابناء۔ نساء۔ انفس کے رکھا ہے اور اوس کی تعمیل میں رسولخداؐ ایسے لوگوں کو لے گئے ہیں کہ کوئی تاویل اور تحریف نہیں ہوسکتی اور ماننا پڑیگا کہ اس معرکہ کیلئے سزاوار اور کوئی ذات امت محمدی میں نہ تھی اور اہلبیت کی وہ فضیلت ہے جو برائے نام بھی دوسروں کو نصیب نہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان جو ذوالنورین کہے جاتے ہیں وہ اور اونکی بی بی بھی اس میں شریک نہ کیگئیں۔ اگر حضرت عثمان کی بی بی نور کہے جانیکی مستحق ہوتیں

تو وہ ضرور شریک کیجاتیں۔

اس ایک آیہ کریمہ کے ملاحظہ کے بعد لازم ہے کہ منکرین ایمان لاویں اور اعتراف کریں کہ علیؑ اور اولاد علیؑ کا ذکر قرآن مجید میں ایسی صداقت کے ساتھ موجود ہے کہ دوسرا اونکا ہم پلہ نہیں ہو سکتا اور اونکی وہ خصوصیت ہے کہ دوسرا اونکا شریک نہیں ہے۔

اگر اس آیہ کریمہ اور آیہ انذر عشیرتک الاقربین کے بعد بھی کوئی شخص کہے کہ علیؑ اور اولاد علیؑ کا ذکر کہیں قرآن پاک میں نہیں ہے تو وہ حٰمٓ السجدہ کے اول پانچ آیتوں کا مصداق ہے۔ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ یعنی یہ کتاب عربی قرآن ہے جسکی آیتیں سمجھداروں کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیگئی ہیں (نیک کاروں کے لئے) خوشخبری دینے والا۔ اور (بدکاروں کے لئے) ڈرانے والا ہے۔ اسپر بھی ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا اور سنتے ہی نہیں اور کہنے لگے جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اوس سے تو ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ٹھیٹی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان ایک پردہ ہے تو تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

غرض آپ میری بات مانیں یا نہ مانیں لیکن خدا کے واسطے قرآن کی تکذیب نہ کیجئے۔ جن کا ذکر قرآن میں ہے اونکے ذکر سے جھوٹ

انکار مت کیجئے اور جن کا ذکر نہیں ہے یا جنکی مذمت ہے اونکی غلط سلط تعریف کرکے قرآن میں تحریف کے مجرم نہ بنئے۔

۳۔ سورہ الاحزاب رکوع ۴ :- اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا۔ یعنی اے پیغمبر کے اہلبیت خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمکو ہر برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔

یہ انھیں اہلبیتؑ کی تعریف ہے جسکو رسولخداؐ نے بروز مباہلہ فرمایا کہ یہی میرے اہلبیت ہیں۔ چنانچہ اس آیہ کی تفسیر میں مسلم۔ ترمذی۔ دولابی۔ بیہقی۔ ابن مندہ۔ ابن جریر۔ حاکم اور امام سیوطی وغیرہ میں ہے۔

عن ام المومنین ام سلمہ قالت ان ھذہ الایۃ نزلت فی بیتی وانا جالسۃ عند الباب وفی البیت رسول اللہ صلعم وعلیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ فجللھم بکساء وقال اللھم ھؤلاء اھلبیتی وحامتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا فقالت وانا معھم یا رسول اللہ قال انک علی الخیر (ارحج المطالب ص ۵۷)

حضرت ام المومنین ام سلمہ سے روایت ہے کہ یہ آیت انکے گھر میں نازل ہوئی اور اس وقت رسولخدا صلعم علیؑ۔ فاطمہؑ اور حسنین علیہم السلام میرے گھر میں تھے رسولخداؐ نے ان چاروں بزرگوں کو چادر کے اندر لیا اور فرمایا کہ خداوندا یہی میرے مخصوصین یعنی اولاد ہیں اور اہلبیت ہیں ان سے برائی کو دور کر اور جو پاک کرنیکا حق ہے ویسا پاک کردے۔ حضرت ام سلمہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں بھی اونکے ساتھ ہوں فرمایا تم بہتری پر ہو۔

تفسیر درمنثور ملا جلال الدین سیوطی جلد ۵ ص ۱۹۸-۱۹۹ میں بھی یہی تفسیر ہے۔ اتنی اسناد کے بعد بھی جو بعض لوگ عام کو دھوکہ دینے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ اس روایت کا کسی سنی کتاب کے موضوعات میں بھی ذکر نہیں آیا۔ وہ خداوند عالم کو کیا جواب دینگے۔ کیا یہ سب حوالے غلط ہیں یا یہ سب سنی کی کتابیں نہیں ہیں؟ جب دیکھتے ہیں کہ آخر اس طرح کے انکار کا راز افشا ہو جائیگا تو اس قدر متفق الیہ تفسیر اور معنی کو بھی یار لوگ خبط بے ربط کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیہ میں اہلبیت سے مراد ازواج رسولؐ ہیں اور جب بعض ازواج کے اعمال جو قرآن میں مذکور ہیں خصوصاً سورہ التحریم کے پیش کئے جاتے ہیں تو جواب دیتے ہیں کہ پاک کرنے سے اور برائیوں کو دور رکھنے سے عصمت مراد نہیں ہے اور جنکے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ان سے ارتکاب گناہ ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ کیونکہ قرآن میں یطہر کا حکم عام مسلمانوں کے بارہ میں بھی آیا ہے اور وہ لوگ معصوم نہیں ہوئے۔

اولاً دیکھنا ہے کہ خداوند عالم نے یطہر کا لفظ کہاں کہاں استعمال فرمایا ہے اور وہاں کیا مراد ہے اور ان احکام سے اور آیہ زیر بحث سے کوئی علاقہ و سروکار بھی ہے۔ سورہ المائدہ رکوع ۲ میں ہے:۔

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ یعنی خدا تو یہ چاہتا ہی نہیں کہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرے۔ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاکیزہ کر دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

یہاں خداوند عالم وضو و غسل کے احکام بیان فرماتا ہے کہ حالت

صحت میں کیسے وضو وغسل کرو اور حالت مرض میں کیونکر تیمم کرو۔ اور اوسکے بعد فرماتا ہے کہ ان احکام سے مراد ہے کہ تم پر سختی نہ ہو کہ مرض کی حالت میں بھی تم کو غسل کا حکم دیا جاوے بلکہ وضو وغسل اور تیمم کے احکام سے مراد یہ ہے کہ تم پر سختی بھی نہ ہو اور تم پاک اور پاکیزہ بنے رہو۔

اس حکم میں صرف غسل اور وضو کی تعلیم ہے اور اس تعمیل پر عمل کرنے سے جو نتیجہ حاصل ہوگا اوس کا ذکر ہے یعنی اگر مسلمان وضو و غسل اور حالت مرض میں تیمم کی پابندی کرینگے تو اس سے وہ پاک اور طاہر رہیں گے اور خدا کی نعمت صحت بھی حاصل ہوگی اور ایک دوسرے سے جو کشافت اور گندگی نفرت کے عوض لطافت اور صفائی سے محبت و اتحاد ہوگا اسمیں خداوند عالم یہ نہیں فرماتا کہ وہ خود مسلمانوں کو پاک کرنیکا ارادہ کرتا ہے اور برائی دور رکھنے کا تو تذکرہ تک نہیں ہے۔ لہذا آیہ تطہیر کے وعدہ سے اور اس آیت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ یہاں صرف غسل اور اوس سے جو طہارت حاصل ہوتی ہے اوس کا ذکر ہے۔

اسی طرح سورہ الانفال میں خداوند عالم فرماتا ہے:۔ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ یعنی خدا تم پر آسمان سے پانی برساتا ہے کہ تمہیں اُس پانی سے پاک کردے اور تم سے شیطان کی گندگی (احتلام) دفع کردے۔ انھیں دو آیتوں کو معترض پیش کر کے کہتے ہیں کہ یطہر کا وعدہ کل مسلمانوں سے ہے اور آیہ زیر بحث میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ لیکن ان دونوں آیتوں میں خداوند عالم ذریعہ طہارت یعنی پانی کا ذکر کر کے اپنے مقصود کو واضح کر کے محدود کردیتا ہے کہ اس طہارت سے گندگی جسمانی دور

ہوگی اور آیہ زیر بحث کی ایسی مطلق آیت دوسری قرآن میں نہیں ہے۔ پھر اس آیہ کریمہ کی خصوصیت مٹانے کے لئے اور ہر کس و ناکس کو اوس میں داخل کرنے کے لئے مخالف یہ تاویل کرتے ہیں کہ آیہ تطہیر سے عصمت مراد نہیں ہے۔ اور اگر عصمت مراد بھی ہو تو معصوم سے گناہ سرزد ہونا ممنوع نہیں ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو خداوند عالم کا کلام بالکل لغو اور بے معنے ہے کہ فرماتا ہے کہ اے اہلبیت میں ارادہ کرتا ہوں کہ ہر برائی سے تم کو دور رکھوں اور تم کو ایسا پاک اور پاکیزہ رکھوں جو پاکیزہ رکھنے کا حق ہے لیکن پھر بھی برائی اُن کے پاس آتی ہے اور اُن سے ارتکاب گناہ ہوتا ہے۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ اس آیہ کریمہ سے عصمت مراد ہے کہ جس ذات کیلئے ارادہ کیا گیا ہے اون سے تمام برائی دور رہے اور وہ پاک و پاکیزہ رہیں۔ اسکے بعد یہ کہنا کہ گرچہ خداوند عالم نے معصوم کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ لوگ معصوم نہ ہوئے اور پھر بھی ان سے برائی سرزد ہوئی۔ خدا کے قادر مطلق ہونے سے انکار کرنا ہے۔ خداوند عالم قادر مطلق کا ہے کو ہوا بلکہ اوس باپ دادا کے ایسا مجبور ہوا جو چاہتا ہے کہ اوس کا لڑکا اوسکی راہ پر چلے اور اوسکے نام کو روشن رکھے لیکن صاحبزادے ہیں کہ صحبت بد میں پڑ کر بگڑ گئے اور اپنے خاندان کو ڈبو دیا۔ اور مصداق شعر ؎

پسر نوح بابدان بہ نشست　　خاندان نبوتش گم کرد

کے بنے۔

بہر کیف یہ سب وساوس شیطانی ہیں۔ معصوم سے مراد وہی ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ پھر آپ سوال کرسکتے ہیں کہ حضرت

آدم سے کیسے گناہ ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کیسے خلاف مرضی خداوند عالم اپنے بیٹے کی نجات کے لئے دعا فرمائی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب قضیہ ہی غلط ہے۔ جیسا میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ خداوند عالم نے جو حیوان اور انسان کیلئے فطرۃً غذا مقرر کردی ہے اوسکے خلاف عمل کرنے سے سوائے نقصان کے فائدہ نہیں ہوتا۔ مثلاً گھاس یا سنار، یا سنکھیا کو خداوند عالم نے فطرتاً انسان کی غذا نہیں قرار دی ہے اور انکا استعمال شرعاً حرام بھی نہیں فرمایا ہے۔ پس اگر کوئی شخص گھاس کھا جاوے اور اوسکی عقل ایسی بھدی ہو جاوے کہ اوس کو حق و باطل کی تمیز نہ رہے تو کوئی حرام فعل اوس نے نہیں کیا لیکن زوال عقل پر کہہ سکتا ہے کہ گھاس کھا کر اپنے نفس پر ظلم کیا یا کسی شخص کو مذاقاً دھوکے سے سنار کھلا دیوے تو اوس بیچارے کو محل سے نکال کر بیت الخلا میں بھیجدیا لیکن اوس سے کوئی حرام فعل کا ارتکاب نہیں ہوا لیکن وہ کہہ سکتا ہے کہ دھوکہ سے سنار کھا کر اوس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

ویسا ہی فعل حضرت آدمؑ کا تھا کہ خداوند عالم نے جب اونکو بہشت میں رکھا تو ایک شجر کو بتا دیا کہ اس کا پھل نہ کھانا اس لئے کہ قیام بہشت کے لئے یہ پھل ویسا ہی ہے جیسا اہل دنیا کے لئے گھاس یا سنار یعنی شرعاً حرام نہیں ہے لیکن فطرتاً انسان کی غذا کے لئے موضوع نہیں ہی لیکن چونکہ شیطان بہشت سے راندہ ہوا تھا اوس کو رشک ہوا اور حضرت آدم کو دھوکا دیکر اوس پھل کو کھلا دیا جسکی وجہ سے بہشت سے نکلنا پڑا۔ اسمیں نہ گناہ تھا اور نہ عذاب۔ جیسے گھاس اور سنار

کھانے والے کے لئے نہ گناہ ہے نہ عذاب۔ چنانچہ خداوند عالم سورۃ البقرہ رکوع ۴ میں فرماتا ہے:۔ فازلہما الشیطن عنہا فاخرجہما مما کانا فیہ یعنی شیطان نے حضرت آدم اور حوا کو دھوکا دے کر ڈگمگایا اور جس بہشت میں تھے وہاں سے نکال باہر کیا۔ غرض حضرت آدم کا فعل اولاً دھوکے سے تھا نہ قصداً اور عمداً۔ اور معلوم ہونیکے بعد فوراً ہی آپ نادم ہوئے اور توبہ کی۔

یہی حال حضرت نوحؑ کا ہے۔ سوال کرنا خداوند عالم سے منع نہیں ہے ہاں جب وہ منع کردے کہ ایسا سوال نہ کرنا اوسکے بعد بھی سوال کرنا شان عصمت کے خلاف ہے لہذا اول سوال حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کے لئے جیسا اول سوال حضرت ابراہیمؑ کا آزر کے لئے نہ گناہ تھا اور نہ خطا لیکن جب خداوند عالم نے حقیقت حال کو بتلا کر منع کردیا تو پھر ان حضرات نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

اسی طرح حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے حضرت ابوبکر کو سورہ برأت کی چند آیتیں دیکر مکہ میں تبلیغ کے لئے بھیجا لیکن خداوند عالم کو پسند نہ آیا اور اون آیتوں کو چھنوا کر حضرت علی علیہ السلام کو عنایت فرمایا چونکہ اسکے قبل حضرت ابوبکر سے اس طرح کی خدمت لینے کا نہ ارادہ کیا گیا تھا اور نہ اوسکی ممانعت آئی تھی اسلئے حضرت رسولؐ نے یہ خدمت اون کے سپرد فرمائی لیکن جب خداوند عالم کی مرضی معلوم ہوگئی تو پھر کبھی ایسی خدمت اون سے نہیں لی۔ اور جب موقع ہوا تو دوسروں ہی کی ماتحتی میں ان کو رکھا گئے۔

اسی قبیل سے سورہ التحریم میں ہے کہ اپنی ازواج سے دھوکے میں

بڑھ کر رسولخداؐ انے اپنے کو شہد سے محروم کر لیا تھا لیکن خداوند عالم کے متنبہ کرنے سے آپ باز آئے اور کسیطرح حضور کی کسرِشان نہ ہوئی۔ غرض دھوکے سے یا سہواً یا قبل ممانعت کوئی کام کرنا نہ گناہ ہے اور نہ خلاف عصمت۔ ہاں اگر کوئی باوجود صریح حکم کے اوسکی مخالفت عمداً اور قصداً کرے اور پھر اوس پر اصرار کرے وہ البتہ گنہگار ہے۔ اور سب سے بڑھکر وہ گنہگار ہے جو رسولخدا صلعم کے عہد کو توڑے رسولخداؐ کے خلاف سازش کرے۔

المختصر میں اس بحث میں وقت ضایع کرنا نہیں چاہتا اسلیئے کہ جن کو حق کی تلاش نہیں ہے اونکو سمجھانا غیر ممکن ہے۔ اور جن کو واقعی حق کی تلاش ہے وہ بائیسویں پارہ میں خداوند عالم کے احکام کو ازواج نبیؐ کے متعلق غور سے پڑھیں اور اسکے بعد حضرت عائشہ کا حضرت علیؑ سے بغاوت کرکے بصرہ جانا اور وہاں فساد کرنا یاد کریں اور پھر سورہ التحریم کو پڑھیں جسمیں رسولخدا صلعم کی دو بی بیوں کا دھوکا دیکر رسولخداؐ کو شہد سے محروم کر دینے کا بیان ہے۔ رسولخداؐ انے جو اُن سے رازکی بات کہی تھی اوس کو افشا کرنے کا ذکر ہے اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ رسولخداؐ کے خلاف سازش کرنے کا مذکور ہے۔ اور میرا رسالہ ام المومنین ملاحظہ فرمادیں تو انشاءالله اُن سے حق پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور یہ کہنا پڑیگا کہ ان اوصاف اور اعمال کی بی بیوں کے متعلق آیہ تطہیر نہیں ہوسکتا۔

اس موقع پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس آیہ کریمہ کے قبل اور بعد ازواج نبیؐ کا ذکر ہے اور یہ فصاحت کے خلاف ہے کہ ایک جنس کے تذکرہ کے درمیان

دوسرے کا ذکر بے ربط کردیا جاوے اور قرآن کو اس قسم کی غلطی سے پاک ہونا چاہیئے ۔ یہ اعتراض سمجھ کا ہے اور میرا بھی خیال یہی ہے کہ یہ آیہ کریمہ اس موقع کا نہیں ہے ۔ چنانچہ قرآن پاک کے اس موقع کا ترجمہ یہ ہے ۔ خداوند عالم رسول صلعم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے :۔

"اے نبی اپنی بی بیوں سے کہدو کہ اگر تم عورتیں (چونکہ ضمیر صیغہ مونث جمع حاضر ہے) دنیاوی زندگی اور اوسکی آرائش اور زینت کی خواہاں ہو تو تم عورتیں ادھر آؤ میں تم عورتوں کو کچھ سازوسامان دیدوں اور عنوان شائستہ سے رخصت کردوں ۔ اور اگر تم عورتیں خدا اور رسول اور آخرت کے گھر کی خواہاں ہو تو بے شک اللہ نے تم عورتوں میں سے نیکوکار عورتوں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے ۲ اے نبی کی بی بیو تم عورتوں میں سے جو کوئی صریحی ناشائستہ امر کی مرتکب ہوئی تو اوس کا عذاب دوگنا ہے اور خدا کے واسطے یہ نہایت آسان ہے ۳ اور تم عورتوں میں سے جو بی بی خدا اور اوسکے رسول کی تابعداری اور اچھے اچھے کام کریگی اوسکو ہم دُہرا ثواب عطا کرینگے اور اُس عورت کے لئے جنت میں اچھی روزی تیار کر رکھی ہے ۴ اے نبی کی بی بیو تم اور عورتوں کے ایسی نہیں ہو۔ اگر تم عورتیں پرہیزگاری اختیار کرلو۔ بس لگی لپٹی بات نہ کیا کرو تاکہ جسکے دل میں نفسانیت ہے وہ رغبت کرے ۔ لہذا تم عورتوں کو چاہیئے کہ شائستگی سے بات کیا کرو ۵ اور تم عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کیطرح اپنا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو اور تم عورتیں نماز قائم کرو ۔ زکوٰۃ ادا کرو ۔ اور اللہ و رسول کی اطاعۃ کرو ۔ اے پیغمبر کے اہل بیت یعنی ایک گھر کے لوگ خدا تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم مردوں

کو (چونکہ ضمیر صیغہ مذکر جمع حاضر ہے) ہر برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ کرنے کا حق ہے ویسا تم مردوں کو پاک اور پاکیزہ کرے ۵ اور تم عورتیں (صیغہ مونث جمع حاضر ہے) یاد رکھو جو خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تم عورتوں کے گھروں میں پڑھی جاویں۔ بے شک خدا بڑا باریک بین واقف کار ہے" ۵

دیکھا یہ ، آیتیں سورہ الاحزاب کے رکوع ۴ میں ہیں جن میں چھٹی آیت کا ایک جزو یعنی آیہ تطہیر بالکل بے موقع اور بے جوڑ جامعین قرآن نے رکھدیا ہے اگر جامعین قرآن نے اس کا التزام کیا ہوتا کہ آیتوں کو اپنی جگہ پر رکھے ہوتے تو واقعی یہ اعتراض لاجواب ہوتا۔ لیکن جیسا اوپر عرض کیا گیا ہے قرآن میں عوض تقدیم و تاخیر کے التزام کے جان بوجھکر خلط ملط کیا گیا ہے تو یہ اعتراض بالکل بے وجود ہے بلکہ خود آیہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میں یہاں کی نہیں ہوں۔ اہل غرض نے مجھکو بے موقع رکھدیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب رکوع ۴ میں ملاحظہ فرمائیے تو یا یھا النبی سے لیکر لطیفاً خبیرا تک سات آیتیں ہیں ہیں۔ پانچ قبل اور ایک بعد آیہ تطہیر کے لکھی ہیں ان چھ آیتوں میں خداوند عالم نے صرف مونث ہی مونث کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اور آیہ تطہیر میں صرف مذکر کا صیغہ ہے اور چونکہ نبی صلعم کی کئی بی بیاں تھیں جہاں بھی اونکے گھر کا ذکر ہے وہ جمع کے ساتھ ہے اور بیوت یعنی گھروں کہا ہے اور جہاں اہلبیت ع کا ذکر ہے وہاں ضمیر مذکر حاضر کے ساتھ گھر کے لئے بھی صیغہ واحد یعنی بیت یعنی ایک گھر لایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکان واحد کے لوگ ان سے علحدہ ہیں

جو گھروں میں رہتی ہیں۔ ورنہ اسکے کیا معنی کہ خطاب ہو تو گھر والوں کی بی بیوں سے۔ اور طہارت کے وعدہ کے وقت سب گھر چھوڑ کر ایک گھر کا ذکر اور وہ بھی گھر ایسا جس میں مرد ہوں اگر رسولخدا کی ازواج مراد ہوتیں تو عوض اہل البیت کے اہل البیوت کہا گیا ہوتا۔ چنانچہ ناظرین کی سہولت کے لئے میں دکھائے دیتا ہوں کہ قرآن میں آیہ کس طرح ہے اور اگر رسولخدا کی بی بیاں اس سے مراد ہوتیں تو آئت کیونکر ہوتی۔

اگر آیہ تطہیر کی مقصود وہ بی بیاں ہوتیں جن کے بارے میں قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اور وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ قرآن میں نازل ہوا ہے تو وہ آیہ کریمہ اس طرح ہوتا:۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُنَّ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبُیُوْتِ وَیُطَھِّرَکُنَّ تَطْھِیْرًا۔ یعنی اے صاحب خانہائے پیغمبر خدا تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم عورتوں کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا تم عورتوں کو پاک و پاکیزہ رکھے

آیہ مبارکہ جس طرح قرآن پاک میں موجود ہے اور جو کسی طرح قبل اور بعد کی آیات سے مناسبت نہیں رکھتا۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی اے صاحب یک خانہ پیغمبر خدا تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم مردوں کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جو پاک اور پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا تم مردوں کو پاک اور پاکیزہ رکھے۔

یعنی اگر خداوند عالم کو ازواج نبی صلعم کے پاک اور پاکیزہ کرنیکا ارادہ ہوتا تو عوض عَنکُمُ کے عَنکُنَّ اور اھل البیت کے اَھلَ البُیُوتِ اور یُطَھِّرَکُمُ کے یُطَھِّرَکُنَّ لاتا تاکہ قبل اور بعد کے آیات کی جو ازواج نبی صلعم کی شان میں ہیں مطابقت ہوتی۔ مگر فصاحت کو کون کہے کہ کوئی معمولی سے معمولی شخص بھی گفتگو کرنے میں ایسی غلطی نہیں کرسکتا۔ کہ جنکے بارہ میں کُنَّ اور بُیُوت لاوے اونکے بارہ میں اوسی جگہ کُم اور بَیت کہے۔ بس ماننا پڑیگا کہ یہ آیت اس جگہ کی نہیں ہے اور اس کے یہاں سے نکل جانے سے کلام خدا میں عوض کوئی عیب یا نقص آنے کے وہ فصیح تر ہو جاتا ہے۔ الغرض اس آیۃ کو ازواج نبیؐ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جامعین قرآن نے اس کو بے موقع اور بے محل رکھدیا ہے اور جیسا حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ اور حسین علیہم السلام میرے اہلبیت ہیں۔ انھیں کے لئے موضوع ہے اور یہی بزرگوار ایک گھر میں رہتے تھے۔ بالکل ایسی ہی کارروائی دوسری آیت میں جس میں اہل البیت کا ذکر خیر ہے کی گئی ہے۔ ایسی کارروائی کرنیکا اشتیاق کاتبین قرآن پر اس طرح غالب تھا کہ تذکیر وتانیث کی تمیز کو بھی غائب کردیتا تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس زبان میں فعل اور ضمائر میں تذکیر وتانیث کا فرق کیا گیا ہے اوس زبان میں کبھی صیغہ مونث ایسی جگہ نہیں استعمال کیا جاتا جہاں مرد بھی شریک ہوں۔ ہاں صیغہ مذکر البتہ ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جہاں صرف مرد ہی مراد ہوں یا مرد عورت دونوں مراد ہوں۔ لیکن مونث کا صیغہ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں صرف عورتوں ہی کا

ذکر ہو۔ اسکی مثال بے شمار اونکو ملے گی جو عربی زبان سے واقفیت
رکھتے ہیں۔ چنانچہ آیہ زیر بحث کے قبل پانچ آیتیں مختص عورتوں کے
لئے ہیں اور بعد کی بھی آیت مختص عورتوں کے لئے ہے جن میں صرف
صیغہ مونث جمع حاضر استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن آیہ زیر بحث میں صیغہ
مذکر جمع حاضر استعمال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یہاں کی نہیں
ہے اور اس میں خطاب دوسرے لوگوں سے ہے اور یہ کاتبین قرآن
کی جہالت تھی کہ اس کو ایسا بے موقع رکھدیا ہے کہ کوئی قاعدہ دان دھوکا
نہیں کھا سکتا الا یہ کہ وہ تعصب ہی سے اندھا ہو۔

دوسری آیت جسکے ساتھ ایسی ہی کارروائی کی گئی۔ سورہ ہود،
رکوع ۷ میں ہے:۔ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ
قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحٰقَ ط وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ
قَالَتْ اَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ط اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ
عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ
عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ط اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ یعنی فرشتوں نے حضرت
ابراہیم سے کہا کہ تم (مرد) مت ڈرو ہم لوگ قوم لوط کو تباہ کرنے کے
لئے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی وہاں کھڑی تھیں یہ سنکر ہنس پڑیں
تو ہم نے اوس عورت کو حضرت اسحق کی ولادت کی خوشخبری دی پھر
اون کے بعد حضرت یعقوبؑ کی۔ تو وہ عورت بولی ہائے کیا میرا اب
بچہ جنونگی حالانکہ میں بوڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے۔ یہ تو
بڑے تعجب کی بات ہے۔ تب فرشتوں نے کہا کہ تو عورت خداکی
قدرت میں تعجب کرتی ہے۔ تم مردوں پراے اہلبیت خداکی رحمت

اور برکت ہے۔ بے شک خدا قابل حمد و ثنا ہے۔
یہاں فرشتے حضرت سارہ سے بات کر رہے تھے اور صیغہ مونث واحد حاضر استعمال کرتے تھے لیکن اہل البیت کا ذکر آتے ہی صیغہ مذکر جمع حاضر استعمال کر بیٹھے۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ یہ جملہ رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت اور آیہ تطہیر زیر بحث دونوں اپنے اپنے محل سے ہٹا کر بے موقع قرآن پاک میں رکھ دیئے گئے ہیں اور ان آیتوں میں خطاب صرف مردوں سے ہے یا ایک ایسے مجمع سے ہے جسمیں مرد و عورت دونوں ہوں۔ شیعے حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کو حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت خدیجہ کبریٰ و حضرت فاطمہ زہرا سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے اور اونکو اہل البیت کا مصداق قرار دینے سے کسی طرح انکار نہیں کر سکتے لیکن جہاں حضرت ابراہیم کا ذکر ہو وہاں محمد مصطفیٰ اور اونکی آل کو بے موقع نہیں داخل کرتے اُسیطرح جہاں محمد مصطفیٰ کا اور اونکی آل کا مذکور ہو وہاں دوسرے کو داخل کرنا تحریف سمجھتے ہیں۔ لہذا چونکہ اہل البیت کے ذکر کے ساتھ دونوں جگہ صیغہ مذکر جمع حاضر استعمال کیا گیا ہے اسلئے ان خطابات کو نہ وہ حضرت سارہ کے متعلق کرینگے اور نہ ازواج نبی کے متعلق اور نہ کوئی دوسرا عربی داں قبول کر سکتا ہے
ایک صاحب جو عربی قواعد اور تذکیر اور تانیث کی تمیز سے ناواقف ہیں فرماتے ہیں کہ قرآن کی اصطلاح میں اہلبیت کا لفظ صرف نبی کی بی بی یا ماں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں آیتوں کو ازواج کے متعلق قرار دیکر صیغہ مذکر کو نظر انداز کر دیا اور تیسری آیۃ یہ ہے جس سے موصوف نے والدہ نبی مراد لیا ہے۔ ھَلْ اَدُلُّکُمْ

عَلٰٓی اَھْلِ بَیْتٍ یَّکْفُلُوْنَہٗ لَکُمْ وَھُمْ لَہٗ نَاصِحُوْنَ ٥ یعنی کیا میں تم لوگوں کو (اے آل فرعون) ایک گھر والوں کا پتہ دوں کہ وہ تم مردوں کیطرف سے اوس بچہ کی پرورش کرینگے (نہ کرینگی) وہ گھر والے مرد (یا مرد و عورت) اوس بچہ کے بہی خواہ بھی ہونگے (سورہ القصص رکوع ۱)

یہ حضرت موسیٰؑ کا قصہ ہے کہ جب آپکا صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل سے جا لگا تو آل فرعون نے اُسے اُٹھا لیا اور فرعون کی زوجہ نے اونکو قتل سے باز رکھا کہ اس کو اپنا بیٹا بناویگی۔ لیکن حضرت موسیٰؑ نے دودھ پینے سے انکار کیا اور آل فرعون متحیر ہوئے کہ یہ بچہ کیسے زندہ رہیگا۔ تب آپ کی بہن مثل ایک اجنبی کے آل فرعون کے پاس آئیں اور کہا کہ میں تم لوگوں کو ایسے گھر والے کا پتہ دوں کہ وہ لوگ اس بچہ کی پرورش کریں گے اور بہی خواہ ہوں گے۔ چنانچہ اس ترکیب سے حضرت موسیٰؑ اپنے گھر پہونچگئے۔ یہاں اہل بیت سے ایک گھر کے مرد و عورت سب مراد ہیں نہ کہ صرف حضرت موسیٰؑ کی مادر گرامی۔ بھلا حضرت صفیہ ایسی بھولی تھیں کہ کہتیں کہ اے آل فرعون میں تم کو ایک نبی کی والدہ کا پتہ دیتی ہوں جو حضرت موسیٰؑ کی پرورش کرینگی اور حضرت موسیٰؑ اور گھر بھر کی جان خطرہ میں ڈالتیں۔ آپ نے تو یہاں تک احتیاط کی کہ بیت کے ساتھ ال کا لفظ تک نہیں استعمال کیا جو گھر کی تخصیص کرتا ہے جا بیکہ نبی کی والدہ کیطرف اشارہ کرتیں۔ آپ نے صرف یہ کہا کہ ایک گھر والونکا پتہ دوں جو بچہ کی پرورش کرینگے اور بہی خواہ ہوں گے۔ جب آل فرعون نے منظور کیا تب حضرت موسیٰؑ کو اونکی والدہ کے گھر پہونچا دیا۔ اگر

اہل البیت بنی کی زوجہ اور والدہ کیلئے قرآنی اصطلاح میں موضوع ہوتا تو حضرت حوّا حضرت مریم ۔ حضرت یحییٰ کی والدہ بلکہ خود رسالتمآب کی ازواج کو اہل البیت کہا گیا ہوتا ۔ بنی صلعم کی بی بیوں کا بکثرت ذکر قرآن پاک میں موجود ہے لیکن ہر جگہ یا نساء النبی یا ازواج بنی کے ساتھ خطاب ہے اور سب سے بڑھکر تردید یہ ہے کہ اہل البیت اور اہل بیت سے اگر عورتیں مراد ہوتیں تو اون کے متعلق ضمیر اور فعل مذکر کے صیغہ کے ساتھ کبھی نہیں استعمال ہوتا جیسا قرآن پاک ہر جگہ اہل البیت اور اہل بیت کے لئے صیغہ مذکر استعمال کرتا ہے اور عورتوں کے لیے خواہ بنی کی بی بی ہوں یا بنی کی والدہ سب کے لئے صیغہ مونث استعمال کیا ہے ۔ لہذا کہنا پڑیگا کہ اہل البیت سے آیہ زیر بحث میں اور پھر فرشتوں اور حضرت سارہ کی گفتگو کے درمیان ازواج بنی اور زوجہ حضرت ابراہیم مراد نہیں ہیں اور نہ اونکو اس جملہ سے تعلق ہے ۔ یہ جملے دوسروں کے متعلق ہیں جن کو جامعین قرآن نے بے موقع رکھکر فضائل اہلبیتؑ پر پردہ ڈالنا چاہا ہے ۔ لیکن چونکہ خداوند عالم نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے اس لئے جامعین کی عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا کہ تذکیر و تانیث کا بھی فرق نہ جانا اور صیغہ تانیث کے درمیان لاکر صیغہ تذکیر کو دھر دیا اور اوسکے مستحق ہوئے جسکے وہ لوگ مستحق ہیں ۔

الحاصل اہل بیت اور اہل البیت سے کوئی خاص فرد مراد لینا بالکل لغو ہے ۔ اگر اہل بیت اور اہل البیت کے لئے جو ضمیر لائی گئی ہے وہ مونث ہے تو اوس گھر کی صرف عورتیں مراد ہونگی اور مردوں کو کوئی دخل نہیں ہے اور اگر اون کے لئے صیغہ مذکر استعمال کیا

گیا ہے تو یا صرف مرد مراد ہیں یا مرد اور عورت دونوں ۔ غرض صرف عورتیں یقینی مراد نہیں ہیں ۔ جیسا حضرت موسیٰؑ کی پرورش کے متعلق ہے کہ گھر کے مرد و عورت دونوں مراد ہیں ۔ اب باقی دو جگہوں میں جہاں اہل البیت کے ساتھ آل کا تخصیصی لفظ بھی ہے اور خدا کی بارگاہ سے تعریف اور توصیف بھی ہے وہاں کون مراد ہیں ۔ صرف مرد یا کچھ مرد اور کچھ عورتیں ۔ اگر جامعین قرآن ایماندار ہوتے اور ان دونوں آیتوں کو اونکی جگہ پر لکھے ہوتے تو جیسا حضرت موسیٰؑ کی پرورش کے متعلق اہل بیت کے مقصود سمجھنے میں دقت نہیں ہے ۔ ویسا ہی ان آیات کے سمجھنے میں دقت نہ ہوتی اور حق کے متلاشی تردد میں نہ پڑتے لیکن چونکہ ان آیتوں کی بقا اپنی جگہ پر جامعین قرآن کی غرض کے خلاف تھی اس لئے اونکو انکی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھدیا اور ارادہ کیا کہ خدا کے کلام کو بدلدیں ۔ لیکن چونکہ خداوند عالم نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے ۔ اولاً کاتبین کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا کہ تذکیر و تانیث اور واحد و جمع کی تمیز جاتی رہی اور ایسی جگہ ان آیتوں کو رکھدیا ہے کہ ہر عربی داں کہدیگا کہ یہ آیتیں یہاں کی نہیں ہیں اور بے موقع ہیں ۔ لہذا تفسیر کی طرف رجوع کرنا ہوگا ۔

دوسرے خداوند عالم نے مفسرین کو خلق کیا اور ان کو توفیق دی کہ جو عیب قرآن پاک میں جامعین کے عمل سے واقع ہو گیا ہے اوس کو بتا کر خداوند عالم کے مقصود کو غائب نہ ہونے دیویں ۔ چنانچہ جیسا اوپر عرض ہوا مفسرین بالاتفاق کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کو چادر میں لے کر فرمایا کہ خداوندا یہ میری

ذریت اور اہل البیت ہیں انکو ہر برائی سے دور رکھ اور اس دعا کی مقبولیت میں آیہ کریمہ زیر بحث نازل ہوا۔

یہ دعا رسولِ خدا کی کوئی غیر معمولی دعا نہ تھی جس میں کوئی شبہ ڈال سکے بلکہ سیرت انبیاء یہی ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ..... رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ یعنی حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ پروردگار اسکو امن وامان کی جگہ بنادے اور ہم کو اور ہماری اولاد کو صنم پرستی سے محفوظ رکھ.... پروردگار ہم کو اور ہماری اولاد کو نماز گزار بنا (سورہ ابراہیم رکوع ۶)

پھر سورہ البقر رکوع ۱۵ میں یہ دعا ہے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ..... رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ یعنی پروردگارا ہم کو اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنا دو فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ پیدا کر جو تیرا فرماں بردار ہو۔ پروردگارا انکے درمیان اونھیں میں سے ایک رسول بھیج جو انکو تیری آیتیں پڑھکر سنائے اور آسمانی کتاب اور عقل کی باتیں سکھاوے اور انکو پاکیزہ بنادے۔ بیشک تو غالب اور صاحب تدبیر ہے

اس دعا کو حضرت ابراہیم صرف اپنے اور حضرت اسمٰعیل کے درمیان محدود فرماتے ہیں اور صیغہ تثنیہ مُسْلِمَيْنِ دو فرماں بردار کا لفظ استعمال کرکے اگر کوئی امتی ہوں بھی تو انکو چھانٹ دیتے ہیں اور آل کی خصوصیت کو واضح اور روشن فرماتے ہیں۔

اسی دعا کی مقبولیت میں رسولخدا صلعم مبعوث ہوئے جنکی تعریف اسی دعا کے الفاظ سے یوں ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی خدا نے تو ایمانداروں پر بڑا احسان کیا کہ اونکے واسطے اونھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اونھیں خدا کی آیتیں پڑھکر سناتا ہے اور اونکو پاکیزہ کرتا ہے اور اونھیں کتاب خدا اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے (سورہ آل عمران رکوع ۱۷) حضرت زکریا کی دعا اپنے وارث بیٹا کے لئے یہ ہے وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا یعنی خداوندا اوسکو اپنا پسندیدہ بنا۔ (سورہ مریم رکوع ۱)

خداوند عالم فرماتا ہے کہ یہ اہل جنت کا قاعدہ ہے کہ اپنی ذریت کے پاک اور پاکیزہ ہونے کی دعا کرتے ہیں وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح وتقوی پیدا کر میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور یقیناً فرمانبرداروں سے ہوں۔

غرض اسی اصول کے مطابق رسولخداؐ نے اپنی ذریت کے پاک اور پاکیزہ کرنے کی دعا فرمائی جسکی مقبولیت کا اس آیہ مذکورہ میں ذکر ہے۔ اس سے سوا ان چار نفوس کے جو چادر کے اندر تھے دوسرونکو سروکار نہیں۔ نہ خدا نے کسی رسول کی بی بی کے متعلق عصمت کا وعدہ کیا ہے اور نہ کسی نبی نے اپنی بی بی کے متعلق عصمت کی دعا فرمائی ہے۔ جب حضرت ام سلمہ نے آرزو کی کہ وہ بھی اوس چادر کے اندر ہوتیں تو رسولخداؐ نے منظور نہ کیا اور صرف اونکی تعریف فرمائی کہ تم خیر پر ہو اور حضرت ام سلمہ نے اپنے خیر پر ہونے کا ثبوت یوں دیا کہ تاحین حیات اہلبیتؑ یعنی حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام

کے قدموں سے علحدہ نہ ہوئیں۔ صرف یہی ایک بی بی ایسی نہ تھیں بلکہ اور ازواج بھی رسولخدا صلعم کی ممدوح تھیں چنانچہ بی بی سودہ کے بارے میں لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ حج اور عمرہ کو کیوں نہیں جاتیں تو فرمایا کہ حج ایک مرتبہ واجب ہے وہ میں نے ادا کر دیا اوسکے بعد میرا حج یہی ہے کہ میں خدا اور رسول صلعم کی اطاعۃ کروں وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کے مطابق گھر سے باہر نہ نکلوں اور جس حجرہ میں رسول صلعم ہم کو بٹھا گئے ہیں اوسی میں بیٹھی رہوں۔ سبحان اللہ یہ ایسی بی بیاں ہیں کے انکے قدموں کی خاک کا سرمہ بنایا جاوے اہلسنت والجماعۃ کا الزام کہ شیعہ ازواج رسول صلعم سے عموماً بغض رکھتے ہیں بالکل لغو و بے بنیاد ہے۔ الحمد للہ خدا نے شیعوں کو نیک و بد کی تمیز دی ہے وہ ہمیشہ نیکوں کا ساتھ دیتے ہیں اور بدوں سے تبرا کرتے ہیں۔ وہ اہلسنت والجماعۃ کی طرح کم فہم نہیں ہیں جن کو تذکیر و تانیث تک کی تمیز نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا جواب وہ لوگ یوں دیں کہ بعض ازواج نبی صلعم کا مردانہ وار مزاج دیکھ کر اونکے لئے ضمیر مذکر موزوں و مناسب معلوم ہوئی اور اونکے خطاب کے ساتھ ضمیر مذکر استعمال کر دی۔ یہاں ایک لطیفہ یاد آیا کہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ نے اپنے وزرا کی مجلس میں پوچھا کہ قرآن میں ایسی کوئی آیت ہے جس سے حضرت عائشہ کی فضیلت حضرت فاطمہ زہرا پر ثابت ہو۔ سب وزرا خاموش رہے لیکن نعمت خان عالی نے جواب دیا کہ ہاں ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون سی آیت ہے جس سے حضرت عائشہ کی فضیلت حضرت فاطمہ پر ثابت ہوتی ہے۔ جواب دیا کہ خداوند عالم سورہ النساء رکوع ۱۳ میں فرماتا ہے۔ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا یعنی اور جہاد کرنے والوں کو خانہ نشینوں پر عظیم ثواب کے اعتبار سے خدا نے بڑی فضیلت دی ہے۔ لہذا حضرت

عائشہ چونکہ جہاد کی غرض سے بصرہ وغیرہ تشریف لیگئیں وہ حضرت فاطمہ سے افضل ہیں جو گھر سے کبھی باہر نہ نکلیں۔ المختصر حضرت عائشہ بنت ابوبکر وحضرت حفصہ بنت حضرت عمر جن کا ذکر خیر سورہ التحریم میں ہے بالکل قدم بقدم اپنے آباء کرام کے تھیں اور جیسا اونکے آباء کرام کو رسولخدا کی صحبت سے فائدہ نہ پہونچا ویسا ہی یہ معظمات بے بہرہ رہیں اور مصداق شیخ سعدی کے شعر کی ہوئیں ؎

پر تو نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بد است　　تربیت نا اہل را چوں گردگان بر گنبد است

بہر کیف یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ حسب قاعدہ انبیاء وصلحاء جناب رسولخدا نے اپنی اولاد کے لئے طہارت اور پاکیزگی کی دعا فرمائی اور خداوند عالم نے اوس کو قبول فرماکر ارشاد فرمایا انما یرید ون لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا اس سے ازواج کو کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ کسی نبی و رسول نے اپنی زوجہ کے لئے ایسی دعا کی ہے۔ پس مثل اور امتی کے اونکو نیک و بد۔ ثواب و عذاب۔ جنت وجہنم کا معاملہ سمجھا دیا گیا بعدہ جسکو توفیق ہوئی اس نے نیکی۔ ثواب و جنت اختیار کیا اور جو نفسانی خواہشوں میں مبتلا ہوئیں یا اپنے خاندان کے اثر سے علحدہ نہ ہوسکیں وہ دوسری راہ گئیں۔

حضرت عثمان اور اونکی کسی زوجہ کا اس واقعہ میں شریک ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ذوالنورین کا خطاب بالکل غلط اور افتراء ہے۔ اگر ان کی کسی زوجہ میں نور ایمان ہوتا اور وہ مستحق ذوالنورین کے خطاب کے ہوتے تو ضرور مثل حضرت علیؑ اور فاطمہ زہراؑ تحت الکساء ہوتے۔

ابھی ابھی ایک نیا شگوفہ سُننے میں آیا ہے کہ حضرت عباس وغیرہ اپنے چچا کو حضرت نے چادر اوڑھا کر فرمایا کہ یہ میرے اہلبیت ہیں۔ افسوس کہ کتاب وغیرہ

کا حوالہ نہیں ہے کہ اس بیان کی جانچ کیجاوے اور یہ امر قابل غور ہے کہ دنیا میں کوئی فرد سوائے حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ اور حسنینؑ کے آل عبا آل کسا اور پنجتن پاک سے آج تک مراد نہیں لیا گیا ہے اگر اس طرح کی روایت کہیں ہو تو وہ بہ تعمیل فرمان معویہ اہلبیت کے فضائل پر پردہ ڈالنے کے لئے اختراع کی گئی ہے۔ اور اگر میں مان بھی لوں کہ حضرت رسولِ خدا نے حضرت عباس اور اپنے دیگر چچا اور خاندان کو اہلبیت فرمایا ہے تو کچھ غلط نہیں ہے کہ یہ سب لوگ آپکے خاندان کے تھے لیکن یہ ضرور ہے کہ جہاں اس طرح کا ارشاد ہوا ہوگا وہاں دوسرے امتی کے مقابلہ میں آپکے شرف اور بزرگی کے اظہار کی غرض سے ہوگا اور یہی میرا برابر دعویٰ ہے کہ رسولؐ کے خاندان کا مقابلہ دوسرے امتی نہیں کرسکتے اور جتنی زیادہ قرابت ہوگی اتنی ہی زیادہ وہ دور والوں سے افضل ہونگے۔ بشرطیکہ ایمان میں برابر ہوں چنانچہ یہ خاندان ہی کا اثر تھا کہ جنگ اُحد میں حضرت حمزہ نے ایسی جانبازی کی کہ سید الشہداء کا خطاب پایا اور جنگ روم میں حضرت جعفر نے ایسی جانثاری کی کہ آپ کے دونوں ہاتھ شہید ہوئے اور طیار کا خطاب پایا جو دوسرے خاندان کے صحابی کو کبھی نصیب نہ ہوا۔ اسکے بعد یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب حضرت عباسؓ رسولؐ کے خاندان کے تھے تو پھر انکو میراث کیوں نہ ملی اور ان کے بھتیجے حضرت علیؑ کو کیونکر ملی اس کا جواب خود جناب امیرؑ نے دیا ہے جیسا کہ امام نسائی کے خصائص میں درج ہے عن ربیعۃ بن ناجیۃ ان رجلاً قال لعلی ابن ابیطالب یا امیر المومنین لم ورثت بن عمکؐ دون عمکؐ قال جمع رسول اللہ بنی عبد المطلب فصنع لھم مدا من الطعام قال فاکلوا حتی شبعوا وبقی الطعام کما ھو کان لم یمس ثم دعا بغمر فشربوا حتی تروا۔

بقی الشراب کان لم یمس ولم یشرب فقال یا بنی عبد المطلب انی بعثت الیکم خاصة والی الناس عامة وقد رایتم ایکم یبایعنی علی ان یکون اخی وصاحبی ووارثی فلم یقم الیه احد فقمت الیه وکنت اصغر القوم قال اجلس ثم قال ثلاث مرات کل ذلک اقوم فیقول اجلس حتی کان فی الثالثة ضرب بیده علی یدی ثم قال فبذلک ورثت ابن عمی دون عمی خصاص مطبوعہ مصر جلد ۹ صفحہ ۶۸ (منقول از اشوال الرسول)

یعنی ربیعہ بن ناجیہ سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت امیر المومنینؑ سے پوچھا کہ آپ ہی کیوں وارث رسولؐ ہوئے اور آپکے چچا وارث رسولؐ نہ ہوئے تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ رسولخداؐ نے خاندان عبد المطلب کو بلا کر دعوت دی ایک مُد طعام اور ایک پیالہ پینے کی چیز سے سب نے سیر ہو کر کھایا پیا اور خورد نی نوشیدنی اوسی طرح سے بچ گیا کہ گویا کسی نے مس بھی نہیں کیا تھا۔ پھر فرمایا اے فرزندان عبد المطلب ہم تمہاری طرف خاص طور پر مبعوث ہوئے ہیں اور لوگوں کے لئے عام طور پر۔ تو کون شخص تم میں سے ہماری بیعت کرتا ہے اس شرط پر کہ وہ ہمارا وارث ہو اور ہمارا صاحب ہو اور ہمارا بھائی ہو۔ یہ ارشاد سنکر کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا! ہم بار بار کھڑے ہوئے۔ حالانکہ ہم سب سے چھوٹے تھے۔ حضرتؐ نے ہر بار ہم کو بیٹھ جانیکو کہا۔ جب کوئی نہیں اوٹھا تو آخر مرتبہ حضرتؐ نے اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر مارا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ہم اس وجہ سے اپنے ابن عم یعنی رسول کے وارث ہوئے نہ ہمارے عم بزرگوار۔

دیکھا! رسولخداؐ عام تبلیغ کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور بالخصوص اپنے خاندان کے لئے۔ اس سے حضرتؐ کے اہل خاندان اور آل کا امتیاز

غیروں پر ثابت ہے۔ اور پھر اپنوں میں جن کے فعل ممدوح ہوں وہ فضیلت رکھتے ہیں۔ حضرت رسولخداؐ نے بظاہر حضرت علیؑ اور دیگر اہل خاندان میں فرق نہیں کیا اور سب کے سامنے بیک جلسہ اپنی وراثت اور خلافہ کو پیش کیا لیکن چونکہ ابھی کسی بزرگ کا ایمان ویسا نہیں ہوا تھا جیسا کہ حضرت علیؑ کا ایمان تھا سب نے رسولخداؐ کی شرط پر سکوت اختیار کیا اور حضرت علیؑ نے ہر دفعہ ایجاب شرط کیا۔ لہذا ضرور تھا کہ رسولخداؐ مطابق اس معاہدہ کے جناب امیرؑ کو اپنا وارث اور خلیفہ مقرر کرتے۔ اور انھیں اور انکی زوجہ جناب فاطمہ زہرا اور بیٹے حسنؑ مجتبیٰ اور حسینؑ شہید کربلا کے لئے جملہ آل عبا۔ آل کسا اور رسولخداؐ کو ملا کر پنجتن پاک کہا جاتا ہے۔ سوائے ان نفوس طاہرہ کے دوسرا کوئی ان فقروں سے مراد نہیں ہوتا اور یہی سچے مصداق اہلبیت کے ہیں یا یوں کہئے کہ یہی بوجہ قرابت قریبہ اور طہارت کے اعلےٰ فرد اہلبیت کے ہیں۔ غرض جیسا خدا نے امتحان کر کے صادقین کو کاذبین سے علحدہ کر دیا ہے ویسا ہی رسولخداؐ نے امتحان کر کے حضرت علی کو اپنی خاندان اور اقربا میں سے وراثت۔ بزرگی اور شرف کے لئے چن لیا اور معاہدہ فرمایا کہ حضرت علیؑ حضرت رسولخداؐ کی زندگی میں بھائی اور وزیر ہونگے اور بعد کو وارث اور خلیفہ۔ یہ ایسا صریح اور واضح معاہدہ تھا کہ پھر رسولخداؐ کے کسی چچا یا چچازاد بھائی نے اسکی مخالفت نہ کی۔ اور نہ حضرت علیؑ کے مقابلہ میں کبھی دعویٰ سرداری اور خلافۃ کا کیا۔ یہ تو رسولخداؐ کے اقربا کو آپکے معاہدہ کا پاس تھا لیکن اوروں نے اس معاہدہ کو شکست کر کے حضرت علیؑ کو وراثت سے محروم کر دیا اور خود خلیفہ بن بیٹھے جسکے لئے وہ درگاہ خداوندی میں جواب دہ ہونگے۔

بالآخر خلفاء کے اعمال اور افعال پر نظر کر کے انکی یاری ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ امامت کیلئے عصمت لازمی نہیں ہے۔ ہاں اسمیں کوئی عذر نہیں ہے یہ اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی عاقبت اندیشی ہے جو جیسا امام پسند کریگا وہ اسی کے ساتھ محشور ہو گا جیسا خداوند عالم فرماتا ہے یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا یعنی یاد کرو اس روز کو جب کل انسان اپنے اپنے اماموں کے ساتھ پکارے جائیں گے پس جسکے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جاویگا وہ خوشی خوشی اسے پڑھیگا اور ذرہ برابر اس پر ظلم نہیں کیا جاویگا اور جو اس دنیا میں امام کے انتخاب میں اندھا پن کریگا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور گم گشتہ راہ۔ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۸) پس جن لوگوں نے حکمران بنکر دنیا میں فساد کیا ہے۔ اور قطع رحم کیا ہے اور خداوند عالم نے اوپر لعنت کی ہے اور انکو اندھا بہرا کر دیا ہے اونکے پیرو کیسے ہونگے۔

ازواج کی پاسداری اور حمایت میں ایک اور امر کہا جاتا ہے کہ سورہ تحریم میں خداوند عالم رسولؐ کو حکم دیتا ہے یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم یعنی اے رسولؐ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور اونپر سختی کرو۔

پس اگر اصحاب رسولؐ اور ازواج مطہرات کافر یا منافق ہوتے تو اس حکم کی تعمیل میں ضرور رسولخداؐ اون سے جہاد کرتے اور کم سے کم بیبیوں کو طلاق دیکر اون سے علحدہ ہوجاتے۔ اوّلاً یہ دیکھنا ہے کہ کوئی منافق تھا یا نہیں۔ اگر ایک منافق بھی نہ تھا تو یہ اعتراض معقول ہے کیونکہ رسولخدا نے منافق سے جہاد بالسیف نہیں کیا ہے لیکن منافق کے وجود سے انکار

قرآن کے آیات کیثرہ اور خاص سورہ منافقون سے انکار ہے جو کفر ہے۔ لہذا منافق کے وجود کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ پس اگر رسولخدا نے ایک منافق سے بھی جہاد کیا ہو تو کوئی کہدے۔ حضرت کا جہاد بالشمشیر صرف کفار اور مشرکین سے ہوا کیا ہے۔ اور جہاں کسی نے اسلام کا زبانی بھی اقرار کرلیا وہ امن میں آگیا اور جنگ اس سے موقوف۔ منافقین کے ساتھ جہاد صرف باللسان کیا گیا ہے۔ منافقوں کو وعظ و پند۔ منافقوں کی مذمت۔ سچے ایمانداروں کی تعریف۔ منافقین کو دھمکی۔ اور انکی تفضیح یہی سب منافقین کے ساتھ جہاد ہے۔ اور یہ جہاد جیسا دوسرے منافقوں کے ساتھ کیا گیا ہے ویسا ہی ازواج نبی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کون سی ایسی دھمکی انکو نہیں دیگئی ہے۔ گناہ کا دوچند کرنا۔ طلاق۔ جہنم وغیرہ ہر طرح کی دھمکیاں انکی شان میں موجود ہیں۔ باقی طلاق کی دھمکی ہی دھمکی رہ گئی۔ اور واقعی طلاق جو کسی بی بی کو نہیں دیا گیا وہ سنت انبیا ہے جب حضرت نوح نے باوجود اپنی بی بی کے کافرہ ہونے کے طلاق نہیں دیا۔ اور نہ حضرت لوط نے اپنی کافرہ بی بی کو طلاق دیا۔ تو پھر حضرت رسولخدا کیونکر اپنی منافق اور نافرمان بی بیوں کو طلاق دیدیتے۔ اگر وہ سچی ہوتیں تو طلاق کی دھمکی اور گناہوں کی دو چند سزا کی دھمکی کافی ہوتی۔ اور سب سے بڑا جہاد نبی اور اہم کا منافقین کے ساتھ صبر تھا کہ ہر طرح کی انکی حرکات ناشائستہ سے چشم پوشی کیجاتی۔ انکی تالیف قلوب کیجاتی۔ انکی طمع اور دنیاوی لالچ کے پورا کرنے کے لئے حصہ سے زیادہ مال غنیمت انکو دیا جاتا وغیرہ وغیرہ۔

الحاصل آیہ تطہیر کو جامعین قرآن نے بے جگہ رکھکر قرآن کے سیاق میں نقص پیدا کردیا ہے۔ حالانکہ اس آیہ کریمہ کو ازواج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ آیہ کریمہ دوسری جگہ کا ہے۔ اور شان نزول اور تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف حضرت

علیؑ حسنؑ حسینؑ اور فاطمہ علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوا ہے اور وہی آلِ عبا اور رسولِ خداؐ کے ساتھ ملکر خمسۂ نجبا اور پنجتن کہے جاتے ہیں۔

اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ آیہ مباہلہ میں رسولِ خداؐ نے انھیں لوگوں کو اہلبیتی فرمایا اور خداوند عالم نے انکے ہی زبانی کاذبین پر لعنت کراکے انکو صادق ثابت کردیا۔ اور آیہ تطہیر کے ذریعہ سے انکو ہر برائی سے دور اور پاک وپاکیزہ فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آل رسولؐ کے متعلق ایک خطاب عتاب بھی قرآن پاک میں نہیں ہے۔ جیسا بکثرت خطاب بر عتاب ازواج نبی اور اصحاب رسولؐ کے متعلق ہے۔ ان سب اوصاف آل رسولؐ کو ثابت کرنیکے بعد خداوند عالم کا حکم ملاحظہ فرمائیے

نمبر ۴ :- سورہ التوبہ۔ رکوع ۱۵ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یعنی اے ایماندارو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

یہاں دو امر واجب کا خداوند عالم فرماتا ہے۔ ایک خدا سے ڈرنے کا اور دوسرے جھوٹوں کو چھوڑ کر سچوں کا ساتھ دینے کا۔ اب سچوں کی کہاں تلاش ہو کہ کون سچا ہے جس کا ساتھ دیا جاوے۔ ہر شخص اپنے کو اور اپنے فریق کو سچا کہیگا پھر اس سچے کا پتہ کیسے ملے جس کا ساتھ دینے کو خداوند عالم حکم دیتا ہے۔ کیا خداوند عالم نے ایک ایسا حکم دے دیا ہے جسکی تعمیل اہل اسلام سے نہیں ہوسکتی؟ نہیں! نہیں!! جب خداوند عالم ایک امر کا حکم دیتا ہے تو اوس کے کل مراحل کو صاف کردیتا ہے تاکہ انسان پر اتمام حجت ہوجاوے اور کوئی حیلہ باقی نہ رہے۔ کیا سورہ البقرہ میں ملاحظہ نہیں کیا ہے کہ جب بقرہ (گاے) کے ذبح کرنیکا خداوند عالم نے یہودیوں کو حکم دیا تو وہ لگے حیلہ حوالہ کرنے کہ ہم نہیں جانتے کہ کون سی گاے ہے جس کے ذبح کرنیکا حکم ہے جیسے جیسے وہ حیلہ کرتے گئے خداوند عالم گاے کی علامات اور شناخت بتاتا گیا یہاں تک کہ مجبور ہو کر یہودیوں

کو کہنا پڑا کہ اب گائے کو ہم نے پہچانا اور اوس کو ذبح کیا۔ جب گائے کے ذبح کا حکم دینے کے بعد خداوند عالم نے یہودیوں کو نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کے گلے کو پہچنوا دیا تو کیا مسلمانوں کو سچوں کا ساتھ دینے کا حکم دینے کے بعد سچوں کو مشتبہ چھوڑ دیتا تاکہ انسان تحیر میں پڑے اور اوسکی حجت ختم نہ ہو جیسا اوپر عرض ہوا ہے۔ سورہ العنکبوت کے اول ہی آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ کیا لوگ یہ سمجھے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جاوینگے اور اونکا امتحان نہ ہوگا۔ حالانکہ قبل میں لوگوں کا امتحان ہوا ہے پس یقینی خداوند عالم سچوں کو پہچنوا دیگا اور کذاب کو پہچنوا دیگا۔ چنانچہ جہاد سے فرار نماز سے فرار۔ صدقہ سے بخل کا ذکر کرکے خداوند عالم نے جھوٹوں کو پہچنوا دیا اور اونکے خلاف جہاد میں ثابت قدم رہنے والوں۔ نماز قائم کرنے والوں اور خیرات کرنے والوں کا ذکر کرکے سچوں کو پہچنوا دیا کہ سچوں کی شناخت میں کوئی شبہ نہ رہے۔ خداوند عالم نے مباہلہ میں علیؑ اور اولاد علیؑ حسنؑ و حسینؑ اور دختر رسولخداؐ حضرت فاطمہ زہراؑ کی زبانی جھوٹوں پر لعنت کہلوا کر بتلا دیا کہ یہ ایسے صادق ہیں کہ کبھی ایک لفظ انکے دل و زبان سے جھوٹ نہیں نکلا لہذا یہی اس قابل ہیں کہ عالم الغیب کی درگاہ میں کھڑے ہو کر جھوٹوں پر لعنت کریں۔ اس کے بعد بھی کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ صادقین کی شناخت نہیں ہوئی اور علیؑ اور اولاد علیؑ کے ساتھ کوئی خصوصیت کا حکم قرآن پاک میں نہیں ہے۔ اوپر عرض ہوا ہے کہ جو لوگ نماز کو کھیل تماشے کے مقابلہ میں چھوڑ دیتے ہیں اونکے بارے میں خداوند عالم کا حکم ہے کہ اونکو چھوڑ دو اور اونکا ساتھ نہ دو۔ اور اس آیہ مبارکہ میں فرماتا ہے کہ جیسا خدا سے ڈرنا واجب ہے ویسا ہی سچوں کا ساتھ دینا واجب ہے۔ اور علیؑ اور اولاد علیؑ کی ایسی

صداقت قرآن پاک سے ثابت ہے کہ دوسرا اونکا مقابل اور ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔ اب انکا ساتھ چھوڑ کر اور دوسروں سے ملکر جو لوگ ان سے لڑے انکا حق غصب کیا اور اونکو قتل کیا اونکا ٹھکانا جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ مثالاً عرض ہے کہ جب رسولخدا صلعم نے کاغذ و دوات طلب فرمایا کہ لاؤ ایسی وصیت لکھدوں کہ پھر میرے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور حضرت عمر اور اونکے ہم خیال دیگر صحابی مانع ہوئے کہ وصیت کی ہم کو ضرورت نہیں ہے کتاب خدا کافی ہے۔ ان دونوں میں کسکا ساتھ دیا جاویگا اور کس کو صادق اور کس کو کاذب کہا جائیگا۔ حضرت عمر کا کذب تو اظہر من الشمس ہے کہ کہنے کو تو کہدیا کہ کتاب خدا کافی ہے لیکن نہ خلافت کا فیصلہ قرآن سے کیا اور نہ فدک کا معاملہ قرآن سے طے کیا اور کثیر التعداد امت محمدی کو اس جھگڑے میں گمراہ کردیا۔ بعد وفات رسولخدا حضرت علیؑ گھر میں بیٹھ گئے اور حضرت عمر آئے کہ بزور حضرت علیؑ کو بیعت کے لئے دربار میں لے جاوینگے اور قسم کھایا کہ حضرت فاطمہؑ کے گھر کو معہ ساکنین کے جلادینگے یہ عجیب و غریب اور بے مثل تعزیت ہے جو بعد وفات رسولخدا اصحاب نے آل اطہار کے ساتھ برتا جب جنگ اُحد میں حضرت حمزہ شہید ہوئے تو سید الشہداء کا خطاب پایا اور حسب فرمان رسولخدا صلعم اصحاب کی عورتوں نے اونکے گھر جاکر تعزیت ادا کی۔ حضرت جعفر طیار کی شہادت کے بعد بھی یوں ہی تعزیت ادا کی گئی۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ بعد وفات رسولخدا صلعم آپکی غمزدہ نور دیدہ فاطمہ زہرا کے لئے یہ تعزیت کا سامان کیا گیا کہ کفن دفن سے تو غائب۔ لیکن لکڑی اور آگ لیکر اصحاب دروازے پر آئے کہ آگ لگادینگے۔ خیر یہ عمل تو حصول خلافت کی غرض سے کیا گیا لیکن حضرت

فاطمہ زہرا کے انتقال پرملال کے بعد کون بات مانع ہوئی کہ کوئی اصحاب نہ دفن کفن میں شریک ہوئے۔ نہ نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی اصحاب نے حضرت علیؑ اور حسنین علیہم السلام کو تعزیت دی اور نہ اصحاب کی عورتوں نے جاکر حضرت فاطمہؑ کی صاحبزادیوں کی دلجوئی کی۔ دنیا میں کوئی امت اور قوم میں اس بیوفائی کی مثال نہیں مل سکتی۔ بہر کیف حضرت علی کو بیعت کے لئے بزور لیجانے کے جھگڑے میں کون صادق ہے اور کون کاذب۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے حضرت ابوبکر سے فدک اولاً بربناء ہبہ نامہ طلب کیا تو انکار ہوا اوسکے بعد بربناء وراثت طلب کیا تب بھی انکار ہوا اور حدیث خلاف قرآن پیش کر دی کہ ہم گروہ انبیاء نہ ورثہ چھوڑتے ہیں اور نہ ورثہ لیتے ہیں۔ اس جھگڑے میں کون صادق ہے اور کون کاذب۔ آئیے ہم سب ملکر سچے دل سے کہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَی الصّٰدِقِیْنَ وَاحْشُرْنَا مَعَھُمْ اَللّٰھُمَّ الْعَنْ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ وَادْخِلْھُمْ فِی النَّارِ جَھَنَّمَ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔

غرض یہ بھی ایک آیت ہے جس سے آل رسولؐ کی سرداری اور اُنکے مخالف کی ضلالت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن خداوند عالم جانتا تھا کہ اسکے اور اسکے رسولؐ کے انتظام کی مخالفت ہوگی لہذا اتمام حجت کے لئے اتنی ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف طرح سے امت کی فہمائش کی تاکہ صراط مستقیم پر باقی رہیں۔

نمبر ۵ سورہ المائدہ رکوع ۸ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ۝ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

یعنی اس میں شک نہیں کہ اے مسلمانوں صرف خدا۔ اس کا رسول اور وہ مومن جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں تمہارے ولی ہیں اور جو اللہ اور رسول اور ایسے مومن کو ولی مانے وہی خدا کے لشکر ہیں اور وہی غالب ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں دو جگہ اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک ولی کے معنی میں اور دوسرے وَهُمْ رَاكِعُونَ کے معنی میں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ ولی کے معنی اولی بتصرف سردار اور مالک کے ہیں۔ اور اہلسنت والجماعۃ ولی کے معنی دوست کے بتلاتے ہیں۔ اچھا تو اللہ اور رسولؐ اور مومن موصوف کس معنی میں مسلمانوں کے دوست ہیں۔ اور کس معنی میں مسلمانوں کو خدا اور رسول اور مومن موصوف کو دوست رکھنے کا حکم ہے۔ اگر دوست کے معنی معمولی رفیق کے لئے جاویں تو بالکل لغو و غلط ہے۔ خدا تو نہ کسی کا رفیق ہو سکتا ہے اور نہ کوئی خدا کا رفیق ہو سکتا ہے۔ اوسکی ذات اس سے بالکل بالاتر اور منزہ ہے۔ رہے رسولخداؐ تو جب حضرتؐ اپنے ساتھ مہاجرین مدینہ اور انصار کی اخوت کو کس شان سمجھتے ہیں تو اونکے ساتھ دوستی اور رفاقت کیسی ہے چنانچہ جب مہاجرین دوم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو رسولخداؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت قائم فرمائی۔ اسکی مختصر تفصیل تاریخ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ بولاق مصر میں یوں ہے۔

اخی رسول الله بین اصحابه من المهاجرین والانصار فقال فیما بلغنا ونعوذ بالله ان نقول علیه مالم یقل تاخوا فی الله اخوین اخوین ثم اخذ

جناب رسولخداؐ نے اپنے اصحاب مہاجرین و انصار میں اخوت قائم فرمائی۔ پس کہا کہ مجھکو خدا کا حکم ہے اور نعوذ باللہ کہ میں تم سے

بید علی بن ابیطالب فقال ھذا اخی فکان رسول اللہ سید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العلمین الذی لیس لہ خطیر ولا نظیر من العباد وعلی ابن ابیطالب اخوین وکان حمزہ بن عبد المطلب اسد اللہ واسد رسولہ وعم رسول اللہ زید بن حارثہ مولی رسول اللہ	ایسی بات کہوں جو مجھ سے نہ کہی گئی ہو کہ تم لوگوں کو بھائی بھائی بنادوں اس کے بعد حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے کیونکہ رسول سید المرسلین امام المتقین اور رسول رب العلمین تھے اور بندوں میں کوئی آپ کا ہمسر اور نظیر نہ تھا اس بنا پر حضرت علیؑ کے ساتھ اخوت ہوئی

اخوین - اور حضرت حمزہ جو خدا و رسولؐ کے شیر تھے اور رسولؐ کے چچا تھے ان کو اپنے غلام زید بن حارثہ کے ساتھ بھائی بنایا۔

یعنی جیسا رسول خداؐ نے وانذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل میں معاہدہ فرمایا تھا کہ جو میری دعوت قبول کریگا وہ میرا بھائی اور وزیر ہوگا اور بعد کو خلیفہ۔ ویسا ہی اس معاہدہ کی ایک شق کو پورا کیا اور حضرت علیؑ کو کل مہاجرین والصار کے مقابلہ میں اپنا بھائی قرار دیا۔

اس صیغہ اخوۃ کو کل مورخین اور محدثین نے لکھا ہے اور اس قدر مشہور ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اسکے بعد مہاجرین والصار میں اس طرح اخوۃ قائم فرمائی

مہاجر	انصار	مہاجر	انصار
حضرت ابوبکر	خارجہ بن زید	عمار بن یاسر	حذیفہ بن یمان
حضرت عثمان	اوس بن ثابت	سلمان فارسی	ابو دردار
زبیر بن عوام	سلامہ بن وقش	حضرت عمر	عتبان بن مالک

بہرکیف جب رسولخدا کسی مہاجر اور انصار کے ساتھ اپنی اخوت کو کسرِ شان سمجھتے تھے تو پھر اللہ اپنے اور رسول کے درمیان اور کل مسلمانوں کے درمیان کیونکر دوستی اور برابری قائم کرسکتا ہے۔ رسول کے ساتھ برابری اور دوستی قائم کرنے کے عوض خداوند عالم نے حضرت کے حفظ مراتب کے لئے متعدد احکام نازل فرمایا ہے۔ کہیں حکم ہوتا ہے کہ رسول کو اوس طرح مت پکارو جیسے تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ کہیں حکم ہوتا ہے کہ رسول کی آواز پر اپنی آواز مت بلند کرو۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا یعنی اے ایماندارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اوس طرح رسول کو مت پکارو (سورہ النور رکوع ۹) پھر دوسری جگہ ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی اے ایماندارو خدا اور اوس کے رسول کے سامنے کسی بات میں آگے نہ بڑھ جایا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولا کرتے ہو اونکے روبرو زور سے نہ بولا کرو ورنہ تمہارے اعمال سب اکارت ہوجاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی (سورہ الحجرات ع ۱)

ان سب پر بالاتر متعدد جگہوں میں قرآن کا حکم ہے کہ اطیعوا اللہ و رسولہ یعنی اللہ اور اوسکے رسول کی اطاعۃ کرو۔

اب غور کرنا چاہئے کہ یہ اوصاف اور یہ ادب و لحاظ اور اطاعۃ رفیق اور دوست کے لئے مناسب ہے یا سردار اولوالعظم کے لئے۔ لہذا جن

لوگوں نے ولی کے معنی عمولی دوست کے لئے ہیں وہ بالکل برسرخطا ہیں۔ اللہ ورسولؐ مومنین کے اوس معنی میں دوست البتہ ہیں کہ سوائے اونکی بہبودی کے دوسری بات کا حکم نہیں دیتے۔ اور جو ہدایت مومنین کو ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھیں اوس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اللہ میاں اور رسولخداؐ کی بہبودی اور بہتری کا لحاظ کریں۔ اس لئے کہ اللہ اور رسولؐ انسان کے عمل سے بالکل مستغنی ہیں۔ یہ دوستی بمعنی اطاعۃ کے ہیں یعنی مومنین کو لازم ہے کہ اللہ اور رسولؐ کو ولی مانیں اور اونکی اطاعۃ کریں تاکہ فلاح پاویں۔ بس اسی معنی میں رسولؐ کے بعد کچھ مومن عامہ مومنین کے ولی ہیں۔ اور خدا حکم دیتا ہے کہ خدا اور رسولؐ اور ایسے مومنین کی ولایت کا اقرار کر کے خدا کے لشکر میں داخل ہو جاؤ۔ ایسے ہی مومن کو ہم ولی اور امام کہتے ہیں۔ اور اس ولایت اور امامت اور ولی اور امام میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ایک ہے غرض اس آیہ کریمہ سے بالکل ثابت ہو گیا کہ اللہ اور رسولؐ کے بعد کچھ مومنین خاص ہیں جنکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ وسلوک مومنین عامہ پر واجب ہے جیسا اللہ اور اوسکے رسولؐ کے ساتھ سلوک کرنا واجب ہے۔

اب جب تک ایسے مومنین خاص کی شناخت نہ ہو اوس وقت تک مسلمانوں کا ایمان ناقص ہے۔ اور وہ اس آیہ کریمہ سے عدول کرنے والے ہیں اور خدا کے نافرمان۔ غالباً اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں رسولخداؐ نے فرمایا من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ یعنی جو مر گیا اور مرتے دم تک اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا تو وہ ایام جاہلیت کی موت مرا یعنی کافر۔ یعنی جب تک مومن موصوف کو پہچان کر اوسکی اطاعۃ ویسی ہی قبول نہ کیجاویگی جیسی رسولخداؐ کی اطاعۃ۔ اوس وقت تک اس آیہ کریمہ کا عدول ہوا کریگا۔ اور

قرآن کی ایک آیت سے بھی قصداً انکار اور عدول کفر کے برابر ہے۔

غرض ولی کے معنی سردار اولی بتصرف کے ہیں۔ یعنی جس طرح خداوند عالم اور اوس کا رسول صلعم مومنین کے ولی اور مالک ہیں اوسی طرح کچھ مومن خاص ہیں جو عامہ مومنین کے ولی اور مالک ہیں اور جب تک اونکی ویسی ہی سرداری نہیں مانی جاویگی جیسی خدا و رسول ص کی۔ اوس وقت تک ایمان کامل نہیں ہو سکتا اب اوس ولی کی شناخت کیونکر ہو کہ وہ کون ہے۔ مخالفین آیہ کریمہ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ "یہ ولی وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور جھکے رہتے ہیں"۔ اگر اس ترجمہ سے کسی ایسے ولی کا پتہ چل جاوے جو اس آیہ کریمہ کا مصداق ہو سکتا ہے تو اس ترجمہ کو صحیح کہنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ترجمہ سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اون مسلمانوں کی ولایت واجب کیگئی ہے جو بوجہ کمزوری کمر یا بوجہ پیری کے جھکے رہتے ہیں لیکن ایسے خمیدہ بزرگ کا نہ کہیں پتہ ہے اور نہ کسی نے ذکر کیا ہے۔ لہذا اس معنی سے کسی کا پتہ نہیں چلتا۔ اور قرآن کے کسی لفظ کے ایسے معنی بنانا جس سے اوس کا مطلب اور مقصود معلوم نہ ہو قرآن کے ساتھ کھیل کرنا ہے۔

ہاں صحابہ میں حضرت ابوبکر سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے اور گمان ہو سکتا تھا کہ یہ حضرت خمیدہ کمر ہوں لیکن مورخین و محدثین نے اس حسن ظن کی کوئی گنجایش نہیں چھوڑی ہے۔ سب باتفاق بیان کرتے ہیں کہ ہر جنگ میں حضرت ابوبکر اونکے پیر ایسا دوڑ جاتے کہ دشمنوں کو اونکی گرد بھی نصیب نہ ہوتی لہذا قلبی کمزوری ہو تو ہو جسمانی کمزوری اور خمیدگی سے آپ بالکل پاک تھے۔ اگر جھکے رہنے سے مراد رکوع ہے تو ہر نمازی رکوع کرتا ہے پھر نماز قائم کرنے کے بعد جھکے رہنے کا یعنی رکوع کا ذکر علحدہ کوئی معنی نہیں

رکھتا - اگر راکعون سے مراد منکسر کہے جاویں تو سارا قران دیکھ جایئے کہیں رکوع کے معنی انکسار اور تواضع کے نہیں آیا ہے -

انکسار اور تواضع کے واسطے اذلۃ - جناح الذل - اخفض جناحک وغیرہ آیا ہے اگر خواہ مخواہ راکعون سے منکسر اور متواضع ہی مراد لئے جائیں تو رسولخداؐ کے زمانہ میں جو بھی مسلمان تھے وہ ایمان لا چکے تھے - نماز قائم کرتے تھے اور جھکے ایسے رہتے تھے کہ بادشاہ اور فقیر میں فرق نہ تھا تو پھر کس فرد کو خداوند عالم اپنے اور رسولؐ کے ساتھ ولی قرار دیتا ہے اور کس کو انکی ولایت کا اقرار کرنے کو حکم دیتا ہے ؟

اگر ہر مسلمان ہر مسلمان کو ولی مانے تو پھر اللہ اور رسولؐ کیا ہوئے - جنکی ولایت کے ساتھ کچھ لوگوں کی ولایت کا ذکر ہے - غرض راکعون کے معنی جھکے رہنے ہیں یا رکوع میں رہنے ہیں لینے سے اوس ولی کا پتہ نہیں چلتا - اس لئے یہ معنی صحیح نہیں ہے اور جیسا اوپر عرض ہوا کہ خداوند عالم اپنے کسی احکام کو مبہم اور مجہول رکھکر اپنے بندوں کو تحیر میں نہیں ڈال سکتا - لہذا جو معنی میں نے لکھا ہے وہی صحیح ہے کہ اللہ اور رسول اور وہ مومنین جو ایمان لائے ہیں - نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ حالت رکوع میں دیتے ہیں یہی مومنین کے سردار اور ولی ہیں اور جو مومنین انکی ولایت اور سرداری پر ایمان لاوے اور مانے وہی لشکر خدا ہیں اور غالب ہیں -

اب یہ دیکھنا ہے کہ امت محمدیؐ میں کسی نے ایسا کیا ہے کہ نہیں - اگر کسی نے حالت رکوع میں زکوۃ نہیں دیا ہو تو قرآن کی صداقت باقی نہیں رہتی اور وہ ولی لاپتہ رہ جاتا ہے اور قرآن پر کذب کا الزام عائد ہوتا ہے - لہذا کسی نے تو ضرور ایسا عمل کیا ہے اور وہ ذات حضرت علی بن

ابیطالبؑ کی ہے۔

چنانچہ امام ابوالقاسم حسکانی کی شواہد التنزیل میں اور امام ابواسحاق ثعلبی کی تفسیر کشف البیان میں حضرت ابوذر غفاری صحابی سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر نے فرمایا اے لوگو میں رسولخدا کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل نے مسجد میں آکر سوال کیا اور کسی نے کچھ نہ دیا تو سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرکے کہا کہ خدایا تو گواہ رہنا کہ مجھکو کسی نے کچھ نہ دیا۔ حضرت امیر علیہ السلام اوس وقت رکوع میں تھے اور اپنی انگلی کیطرف جسمیں انگوٹھی تھی اشارہ کیا اور سائل نے انگوٹھی اوتار لی۔ جب رسولخداؐ نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ خداوندا جیسا تو نے حضرت موسیٰ کو اونکے بھائی کے ذریعہ سے قوت دی ہے ویسا ہی میرے اہلبیت سے حضرت علیؑ کے ذریعہ سے میری مدد کر اور میری پیٹھ مضبوط کر۔ قسم خدا کی ابھی حضرت کی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ آیہ انما ولیکم نازل ہوا۔ تفسیر درمنثور وغیرہ میں بھی اس آیت کی شان نزول یوں ہی لکھی ہے۔

غرض اس آیہ مبارکہ میں خداوندعالم اپنی ولایت کے ساتھ حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کی ولایت کو کل مومنین پر واجب کرتا ہے۔ اب منکرین کو لازم ہے کہ ایمان درست کریں اور اقرار کریں کہ خدا اور رسولؐ کے بعد کچھ مومن ایسے ہیں جنکی ولایت اور سرداری مسلمانوں پر واجب کیگئی ہے اور اونکو نہیں پہچاننے سے اس آیہ کریمہ کا عدول ہوتا ہے۔

اس جگہ تین اعتراض ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ خداوندعالم اور رسولؐ کا دربار کا ہے کو ہوا ایک بھٹیار خانہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نماز پڑھیں ادھر اور ایک سائل آکر سوال کرے اور اوسکو انگوٹھی دینے کے بعد خداوندعالم حضرت

علیؑ کو مومنین کا ولی فرمائے۔ الجواب الثانی تدبیر سے خداوند عالم کی ترکیب کبھی موافقت نہیں کرتی۔ اوسکی کل ترکیبیں جداگانہ ہوا کرتی ہیں حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں پھینکا جانا اور وہاں آگ کے اندر بچانا اور بھی حل آویز ڈراما ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو دریا میں پھینکوا کر فرعون کے محل میں پہونچانا اور وہاں اونکی مادر گرامی کو دایہ کے بھیس میں بلا کر حضرت موسیٰؑ کی پرورش اونکے متعلق کرنا اور بھی درد انگیز پردہ۔ رسولخداؐ کا حضرت علیؑ کو اپنے فرش پر سلا کر ہجرت کر جانا ایک خوشکن ڈراما ہے۔ اگر قرآن سچا ہے اور حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور دیگر ابنیاء خصوصاً محمد مصطفےٰؐ کے اس سے زیادہ تعجب خیز واقعات صحیح ہیں تو اس واقعہ میں کونسی تعجب کی جگہ ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر خداوند عالم کو حضرت علیؑ کی سرداری منظور تھی تو صاف لفظوں میں کیوں نہیں فرمایا کہ لفظ ولی استعمال فرمایا جس سے بہت سے لوگ شبہ میں پڑ گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اور جگہ صاف لفظ اور نام تھے وہ کب اپنی جگہ پر رہنے پائے کہ یہاں صاف لفظ نازل ہونیکے بعد یہ آیت قرآن میں باقی رہتی۔ لیکن تاکہ ولی کے معنی میں کوئی شبہ نہ ہو پہلے خود اپنے اور اپنے رسول کو خداوند عالم ولی کہتا ہے اور اوسکے بعد رکوع میں انگوٹھی دینے والے کو ولی فرماتا ہے۔ اس سے واضح تر دوسری ترکیب نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنی جو تعلق خدا اور رسولؐ کو امت سے ہے وہی تعلق حضرت علیؑ کو امت سے ہے۔ اور جس طرح امت پر واجب ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعۃ کرے اوسی طرح امت پر واجب ہے کہ حضرت علیؑ کی اطاعۃ کرے۔ اس سے عمدہ اور مضبوط تر ترکیب اظہار فضیلت کے لئے ممکن نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت علیؑ فرد واحد کے لئے جمع کا صیغہ خداوند عالم نے کیوں استعمال فرمایا۔ اگر واقعاً ایک ذات جس نے رکوع میں انگوٹھی دی تھی مراد ہوتی تو صیغہ واحد لانا مناسب تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت جگہ قرآن پاک میں واحد کے لئے صیغہ جمع استعمال کیا ہے جسکی مثال سورہ فتح رکوع ۴ سے حاضر ہے وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا جس کا ذکر اوپر تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ مطابق شیعہ کے وَالَّذِیْنَ اور ھُمْ جو صیغہ جمع ہیں اور کل آیت صرف حضرت علیؑ کی ذات واحد کی شان میں نازل ہوئی ہے اور مطابق اہلسنت والجماعۃ کے مَعَہٗ حضرت ابوبکر کی شان میں ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ حضرت عمر کی شان میں ہے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ حضرت عثمان کی شان میں ہے۔ اور تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا حضرت علیؑ کی شان میں ہے جن کے ذات واحد کے لئے ھُمْ (وہ لوگ) صیغہ جمع کا استعمال کیا ہے۔

دوسری مثال سورہ یوسف رکوع ۳ میں ہے فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَہٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ یعنی جب عزیز مصر نے حضرت یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو اپنی بی بی سے کہا یہ تمہارا ہی مکر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہارا مکر غضب کا ہے۔ یہاں گفتگو عزیز مصر اور اوسکی بی بی کے درمیان میں ہے۔ اور عزیز مصر اپنی بی بی کے لئے کُنَّ صیغہ مونث جمع کا استعمال کرتا ہے۔ اگر کہا جاوے کہ گرچہ خطاب ایک سے ہے لیکن مقصود کل عورتوں کا مکر ہے تو میں کہوں گا کہ اس آیت زیر بحث میں گرچہ صرف حضرت علیؑ کی ولایت ظاہر کی گئی ہے

لیکن مقصود بارہ امام کی امامت اور ولایت ہے جو آپ کے ہم وصف اور مثل ہیں۔ المختصر چونکہ قرآن پاک واحد کے لئے کبھی کبھی صیغہ جمع استعمال کرتا ہے۔ اس لئے آئت مذکورہ میں صیغہ جمع سے کوئی قباحت نہیں ہے۔

یہ سب مخالفانہ اعتراض تھے جن کا جواب عرض ہوا۔ اسکے بعد خوشامد آمیز اعتراض یہ ہے کہ حضرت علیؑ تو نماز میں ایسے غافل ہو جاتے تھے کہ تیر کو پیر سے نکالنے کا بھی احساس نہیں ہوتا تھا تو حالت نماز میں حضرت سائل کی آواز کیونکر سنتے۔ الجواب۔ جس نماز میں حضرت کے پیر سے تیر نکالا گیا تھا وہ نماز نفل یا مستحب تھی جسمیں انسان اپنے غیر یعنی پیش امام کی پابندی نہیں کرتا اور اپنے نفس کو خداوند عالم کی طرف ایسا متوجہ کر سکتا ہے کہ دنیا و مافیہا کی اوس کو خبر نہ ہو یہاں تک کہ پیر سے تیر نکالنے کا بھی احساس نہ ہو۔ لیکن نماز جماعۃ میں حضرت کو اتنا احساس رکھنا ضرور تھا کہ پیش امام یعنی رسولخداؐ کی آواز کو سنیں اور حضرت کے ساتھ رکوع و سجود کریں۔ چنانچہ راوی کا یہی بیان ہے کہ حضرت علیؑ رسولخداؐ کے ساتھ نماز ظہر باجماعۃ پڑھ رہے تھے کہ سائل نے سوال کیا۔ پس جس کو اتنی خبر ہوگی کہ وہ پیش نماز کی آواز سُنے اور اوسکے ساتھ رکوع اور سجود کرے وہ ضرور سائل کے سوال کو سُن سکتا ہے۔ اور ایک اُنگلی کو ہلا کر انگوٹھی اوتروانے میں ایسی حرکت نہیں ہوتی جو مبطل نماز ہو۔

اب حضرت علیؑ کی ولایت ماننے والوں کا غلبہ اور اوس سے انکار کرنے والوں کا خذول ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عثمان غنی کی قبر کا بھی پتہ نہیں ہے کہ کہاں ہے۔ حضرت معویہ کی قبر شام میں مثل ایک مزبلہ کے

ہے جسکی تصدیق وہ لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے شام جاکر اوسکی قبر کو دیکھا ہے۔ اوسکے بعد بارہ خلفاء میں سے سات کی قبر کا پتہ ہی نہیں کہ کہاں ہے اور وہ لوگ جنھوں نے دنیا میں سلطنت کی ہے وہ کہاں گئے۔ اپنا اپنا نشان باقی رکھنے کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے رسولخدا کے پہلو میں جگہ لی ہے۔ لیکن عوض اسکے کہ اس فعل سے اونکے رسولؐ خوش ہوں یا دنیا بھلا کہے خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ کے مصداق بنے۔

دنیا بھر گھوم آئیے ایسا کہیں نہیں ملیگا کہ کسی نبی اور رسول اور ولی کی قبر کے نزدیک سوا اوسکے عزیز و اقارب یعنی ذوی الارحام کے دوسرے کی قبر ہو۔ حضرت ابراہیم خلیل کی قبر پر جائیے تو آپ کے پہلو میں حضرت سارہ۔ حضرت اسحٰق اور اونکی زوجہ وغیرہ دفن ہیں۔ حضرت موسیٰ کی قبر پر جائیے تو وہاں آپ کے بھائی اور دونوں کی زوجہ دفن ہیں۔ مکہ جائیے وہاں حضرت عبد اللہ۔ ابوطالب۔ حضرت آمنہ۔ حضرت خدیجہ ایک دوسرے کے پہلو میں دفن ہیں کسی اغیار۔ دوست احباب کی جگہ وہاں نہیں ہے۔ لیکن افسوس مدینہ میں حضرات فاطمہؑ۔ حسنؑ زین العابدینؑ۔ محمد باقرؑ۔ جعفر صادق علیہم السلام آپکی اولاد مجبو بین تو جنت البقیع میں دفن ہوں۔ اور یار لوگ رسولخداؐ کی بغل میں۔ سیرت انبیاء تو اس فعل کی اجازت نہیں دیتی۔ ہاں اگر رسولخداؐ نے اجازت دی ہوتی تو خیر۔ کیا غضب ہے کہ جو لوگ رسولخداؐ کو ہر جنگ میں چھوڑ کر اپنی جان چرایا کریں۔ جنکی ایک روٹی بھی رسولخداؐ نے نہ کھائی ہو۔ اور نہ اونکو اپنے ساتھ ایک مرتبہ بھی کھانا کھلایا ہو۔ جو جسد اطہر کو بےگور و کفن چھوڑ کر خلافت کے لئے سقیفہ میں چلدیں وہ تو آپکی بغل میں سوئیں۔

اور جو نفوس متبرکہ آپ کی گود میں پرورش پائے ہوں۔ آپکے گوشت
پوست اور خون سے اونکا گوشت پوست اور خون ہو اونکے مقبرے
دور پھینک دیئے جاویں۔ نہیں! نہیں!! یہ صرف ظاہر بینوں کے
لیئے ہے ورنہ نقال فرشتوں نے اپنا کام کرلیا ہے اور جو جہاں کا
مستحق ہے اوس کو وہاں پہونچادیا ہے۔ چنانچہ ابھی ایک معظمہ نے
جن کا کل خاندان سنت والجماعۃ ہے خواب میں دیکھا ہے وہ ان دنوں
حج کا ارادہ رکھتی ہیں اور اس کا چرچہ اکثر گھر میں رہتا ہے۔ ایک شب
موصوفہ نے خواب دیکھا کہ مدینہ منورہ پہونچکر قبر رسولؐ کی زیارت کیا ہے
اور پوچھا کہ رسولؐ کی بغل میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ دفن ہیں تو ایک شخص نے
جواب دیا کہ وہ لوگ یہاں کہاں! اونکی لاشیں یہاں سے نکال کر پھینکدی
گئیں اور اب حضرت علیؑ رسولخداؐ کی بغل میں ہیں۔

اس خواب سے میں کوئی استدلال کرنا نہیں چاہتا لیکن چونکہ
یہ ایک واقعہ ہے۔ اس لیئے اس کو موقع پر بغیر ذکر کیئے نہیں رہ سکا۔

انکے خلاف جنھوں نے حضرت علیؑ کو مولا مانا ہے اونکو ملاحظہ فرمایئے
کہ آپ کے غلام سلمان فارسی کی قبر زیارت گاہ خاص وعام ہے اور
آپ کو سارا عراق سوا سلمان پاک کے دوسری طرح نہیں یاد کرتا۔
حضرت اباذر غفاری کا مزار زیارت گاہ خاص وعام بنا ہوا ہے۔ اور
خود حضرت اور آپکی اولاد کے مزارات تو بڑے بڑے بادشاہوں کے
دربار کو مات کررہے ہیں۔ اور فرشتے کھڑے پکارا کرتے ہیں ؎

بے ادب پامنہ اینجا کہ عجب درگاہ است　　قبلہ گاہ ملک و روضۂ شاہنشاہ است

غرض آیات نمبر ۴ و ۵ سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ رسولخداؐ کے بعد کچھ

لوگ ایسے ہیں جن کا ساتھ دینے کو اور جنکے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے کو خداوند عالم حکم دیتا ہے جیسا رسول ؐ کے ساتھ سلوک واجب ہے۔ ایک آیت میں اونکو صادقین کہتا ہے تو دوسرے میں ولی فرماتا ہے اسکے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ قرآن پاک اللہ اور رسول ؐ کے سوا دوسرے پر اعتقاد رکھنے کا اور اوسکی اطاعۃ کا حکم نہیں دیتا اور شیعہ مذہب کی جھلک بھی قرآن سے نظر نہیں آتی تو اوسکی مصداق آیہ کریمہ کی ہے وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْہَا کَاَنَّ فِیْ اُذُنَیْہِ وَقْرًا فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔یعنی جب اوسکے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو شیخی سے منہ پھیر لیتا ہے گویا اوس نے اون آیتوں کو سنا ہی نہیں ۔گویا اوسکے دونوں کانوں میں ٹھیپی ہے ۔اے رسول ؐ تم اوسکو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو (سورہ لقمٰن رکوع ۱)

کہاجاتا ہے کہ شیعوں نے اس مذہب کو سرداری کے لئے اختراع کیا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ شیعے تو اپنے کو اور ساری دنیا کو آل محمد ؐ کا تابع کرنا چاہتے ہیں۔ اونکو خود سرداری سے کیا غرض۔ سردار بننے کا اور بنانے کا منظر وہاں البتہ نظر آتا ہے جہاں آج حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ اور سردار بنایا تو کل حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ اور رئیس بنایا۔ یہ وہ اصول ہے جسکی وجہ سے بیٹا باپ سے بغاوت کرتا تھا تو بھائی بھائی کو سرداری کے لئے قتل کرتا تھا اور صوبہ دار نمک حرامی کرکے اپنے آقا کے خلاف سلطنت قائم کرتا تھا۔ چنانچہ مسٹر میڈیو لکھتے ہیں کہ قرابت کے لحاظ سے اگر تخت نشینی کا اصول علی ؑ کے موافق مانا جاتا تو وہ برباد کن جھگڑے پیدا ہی نہ ہوتے جنھوں نے

اسلام کو مسلمانوں کے خون سے ڈبو دیا بجنسہ ایسی ہی رائے سیڈولٹ صاحب نے لکھی ہے۔ غرض تخت نشینی کا اصول خلاف قرآن و سیرت صلحاء سابقین ایجاد کر کے لوگوں نے اسلام کو برباد کر دیا جسکی جواب دہی قیامت میں کرنا ہوگا۔ اب جب سلطنت چلی بھی گئی تو بھی یہ اصول آج تک روٹی کھانے کے لئے برتا جاتا ہے۔ کوئی مزار اہلسنت والجماعۃ کے ولی اور درویش کا نہیں ہے جہاں ایک سجادہ نشین صاحب سرداری کی پگڑی اپنے سر نہ باندھتے ہوں۔ اور مُریدوں کا اعتقاد تازہ رکھنے کی غرض سے ہر سال عرس۔ میلہ۔ قوالی وغیرہ نہ قائم کرتے ہوں۔ اسکے خلاف شیعوں کے اولیاء اللہ کے متبرک مزارات ہیں جہاں متولی اور سجادہ نشین کا وجود بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کون ہے۔ نہ میلہ ہے نہ عُرس۔ نہ گانا۔ نہ بجانا۔ نہ پلاؤ نہ قورمہ۔ معتقدین خود جاتے ہیں۔ زیارت کرتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ نہ مزار پر ایک پیسہ چڑھاتے ہیں اور نہ کسی متولی اور سجادہ نشین کی کچھ نذر کرتے ہیں۔ غرض شیعوں کے مذہب اور اعتقاد کی جو چیزیں ہیں وہ دنیا اور دنیاداری سے کوسوں دور۔ اور ان پر سرداری کا الزام بس اتہام ہی اتہام ہے۔ اگر ان کو سرداری اور دنیا کی ہوس ہوتی تو اولاد رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر ان کے مخالفین سے جا ملتے تو سب کچھ ملتا۔ کسی کو حکومت رے ملتی تو کسی کو بصرہ کی حکومت ملتی۔ کوئی عراق کا والی ہوتا۔ لیکن الحمد للہ کہ شیعوں نے عوض چند روزہ دنیا کے حیات اخروی اختیار کر لیا اور ہر طرح کی مصیبت اپنے آقا اور سردار کی جنبہ داری میں برداشت کیا۔ اگر کسی ائمہ نے اپنے پاس آمد و رفت رکھنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ شخص آمد و رفت رکھتا ہے اور میری باتوں میں جوڑ و پیوند

لگا کر سرداری کی ہوس رکھتا ہے تو یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی اہلسنت والجماعت سے تھے اور امام کے دربار میں حاضر باشی بغرض چغل خوری کے تھی جیسا ان دنوں بھی بعض حکومت سے خطاب وغیرہ اس ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اس امر کی مزید توضیح کے لئے میرا رسالہ "ردالوسواس" ملاحظہ ہو۔

نمبر ۶:۔ قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ یعنی اے رسول مسلمانوں سے کہہ دو کہ میں تم سے اس تبلیغ کا اور کوئی اجر سوائے اپنے قرابتداروں کی محبت کے نہیں چاہتا (سورہ الشوریٰ رکوع ۳)

اس آیہ کریمہ میں یہ جھگڑا ہے کہ قرابتمندوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ رسولؐ کے قرابتمند یعنی اہلبیتؑ۔ یا مسلمانوں کے اپنے اپنے قرابتمند۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس سے رسولؐ کے اہلبیت مراد ہیں اور مخالف کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اپنے اپنے قرابتمند مراد ہیں۔ اب اس اختلاف کا فیصلہ کیونکر ہو اور اوس کا کیا معیار ہے۔ اولاً مذاق قرآن پاک۔ دوسرے تعقل و درائت۔ تیسرے تفسیر۔

(۱) قرآن کا مذاق یہ ہے کہ اگر کوئی امر واجب انسان فطرۃً خود بخود کرتا ہو تو نہ اوس کا حکم دیتا ہے اور نہ اوسکی تاکید کرتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی اوسکی ممانعت کرتا ہے اور جو امر مستحسن ہو اور انسان اوسکے بجالانے میں تغافل کرتا ہے تو اوس کا حکم دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے۔ مثلاً انسان جورو اور لڑکوں کے ساتھ فطرتاً محبت کرتا ہے اور اونکے پیچھے خدا اور رسولؐ کا حکم بھی بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ لہذا اگرچہ جورو اور لڑکوں کا نان و نفقہ واجب ہے لیکن اوسکی کہیں تاکید نہیں آئی ہے۔ اوسی طرح روزی حاصل کرنا واجب ہے لیکن چونکہ انسان خود بخود اوسکی طرف مائل رہتا ہے اس لئے اسمیں زیادہ

شعف اور طمع کو منع فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یعنی اے ایماندارو تمہارا مال اور تمہاری اولاد تم کو ذکر خدا سے غافل نہ کردیں اور جو ایسا کریگا وہی گھاٹے میں ہے (سورہ المنفقون رکوع ۲)۔ لیکن والدین کے ساتھ سلوک بڑھاپے میں مستحسن ہے واجب نہیں ہے مگر چونکہ انسان اوسکی طرف سے تغافل کرتا ہے اس لئے اونکے ساتھ احسان۔ اونکی اطاعۃ وعزۃ کی تاکید قرآن پاک میں کئی جگہ ہے۔ پس دیکھنا چاہئے کہ عرب میں یا کل دنیا میں عزیز واقارب کے ساتھ کبھی بھی ایسی دشمنی اور جھگڑا ہوا کیا ہے یا اب ہوتا ہے جسکے دور کرنے کے لئے خداوند عالم نے یہ حکم صادر فرمایا ہے۔

ہاں عرب میں قبیلہ بندی ضرور تھی اور قبائل میں آئے دن جھگڑے آپسمیں ہوا کرتے تھے۔ اوسکو اسلام نے صیغہ اخوت پڑھکر مٹا دیا اور قبیلہ قبیلہ کا فساد کم ہوگیا۔ اوسی طرح یورپ اور ساری دنیا میں ایک قوم دوسری قوم سے بغض وعناد وحسد رکھتی ہے اور ہمیشہ جنگ کی مہیب شکل اونکے سامنے رہتی ہے۔ اصلاح بین الاقوام کے قانون قرآن میں موجود ہیں۔ لیکن جب عرب میں عزیزوں میں آپس میں ایسی جنگ نہ تھی اور نہ اب ہے تو اونکے لئے قرآنی حکم اس شد و مد سے خلاف مذاق قرآن پاک ہے۔ ہر حکم کا باعث اور سبب ہوتا ہے جس فعل بد کو خداوند عالم جانتا تھا کہ مسلمان کرتے ہیں یا کرینگے اوس کو منع فرماتا ہے۔ خدا جانتا تھا کہ اعزا کی محبت۔ آباو اجداد کا خیال۔ اپنے پرائے

کی چشم مروت انسان کو حق سے منحرف کر دیتی ہے۔ اس لئے آپ میں محبت کرنے کی، کید کرنے اور اجر رسالت قرار دینے کے عوض خداوند عالم ایسی محبت کی مذمت فرماتا ہے اور عذاب کی دھمکی دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ التوبہ رکوع ۳ میں فرماتا ہے:۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ یعنی اے رسول کہہ دو کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بی بیاں اور تمہارے کنبہ والے اور وہ مال جو تم نے کما کے رکھ چھوڑے ہیں اور وہ تجارت جسکے مندا پڑ جانیکا تم کو خوف ہے اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر تمہیں خدا سے اور رسول ؐ سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنیسے زیادہ عزیز ہیں۔ تو تم ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (عذاب) موجود کرے اور خدا نافرمان لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا۔

دیکھا اپنے پرائے کی محبت انسان کو کہاں سے لیجاتی ہے اسکے بعد خداوند عالم اور اس کا رسول ؐ مسلمانوں کو کبھی یہ حکم دے سکتا ہے کہ اجر رسالت یہ ہے کہ تم لوگ اپنے اپنے اقرباء کے ساتھ محبت کرو۔ ہرگز نہیں! ہاں خداوند عالم کو معلوم تھا کہ امت محمدی خلاف امت و قوم کل انبیاء آل رسول ؐ کے ساتھ کیا برتاؤ کریگی۔ لہذا اتمام حجت کیلئے یہ آیہ مبارکہ نازل فرمایا کہ اے مسلمانوں! تم سے رسول ؐ اجر رسالت کچھ نہیں چاہتے بجز اسکے کہ انکی آل کے ساتھ محبت کرنا۔ تاکہ امت محمدی ڈرے۔ اور آل رسول ؐ

ساتھ بغض اور عداوت کرکے اونکو خراب و برباد نہ کرے۔ افسوس کہ اس آیہ کریمہ کو لوگوں نے اسکی جگہ سے ہٹا کر اوس پر خبط کرنا چاہا ہے ورنہ اتنی گفت و شنید کی ضرورت نہ تھی۔ میرے اس دعوی کی دو دلیں ہے۔ اول یہ کہ سورہ السبائ کے رکوع ۶ میں یعنی بائیسویں پارہ کے نصف کے بعد یہ آیہ کریمہ ہے قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ط إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔ یعنی اے رسول تم کہہ دو کہ میں نے جو کچھ بھی تم سے اجرت مانگی ہے وہ تمہاری ہی بہبودی کے لئے ہے۔ اور میری ذاتی اُجرت تو بس خدا ہی پر ہے۔ اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے یہ آیہ کریمہ بائیسویں پارہ کے نصف کے بعد ہے۔ اور آیہ کریمہ زیر بحث پچیسویں پارہ کے ربع کے قریب ہے۔ اس بائیسویں پارہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے قبل رسولخدا صلعم نے امت سے اُجرت کے متعلق سوال کیا تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اوس طلب اجرت پر امت کو کچھ اعتراض تھا جسکے سمجھانے کے لئے خداوند عالم کو کہنا پڑا کہ رسولخدا نے جو اجرت طلب کی ہے اوس سے تم کو خود فائدہ ہے اور رسول کی ذات کے لئے جو اجرت ہے وہ تو اونکو خدا کے سوا دوسرا دے ہی نہیں سکتا۔

اب سارا قرآن اولٹ جائیے کہیں رسولخدا کی طرف سے اجرت کا سوال نہیں ملتا۔ حالانکہ اول سوال کو بائیسویں پارہ کے قبل یا کم سے کم اس آیہ مبارکہ کے قبل ہونا چاہتا تھا۔ غرض جیسا آیہ مبارک یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ کو بعد آیہ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کے رکھکر قرآن کو خبط بے ربط کر دیا ہے جس کا ذکر صفحہ ۵۔۶ رسالہ ہذا میں ہوا ہے اور آئندہ با تفصیل آتا ہے اوسی طرح آیہ مودۃ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ

فی القربیٰ کو اسکی جگہ سے ہٹا کر اور مقدم کو موخر کرکے آخر میں ڈال دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کو ایسی بے جوڑ جگہ رکھا ہے کہ جہاں قرآن کی عبارت میں خبط ہو جاتا ہے۔ اور خود آیت کہتی ہے کہ میں اس جگہ کی نہیں ہوں۔ اس آیہ کے قبل اور بعد کی آیات یہ ہیں ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ یعنی یہی انعام ہے جسکی بشارت خدا اپنے اون بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ اے رسولؐ کہدو کہ میں تبلیغ رسالت کی کوئی اجرت سوائے قرابتمندوں کے ساتھ محبت کے اور نہیں چاہتا۔ اور جو شخص نیکی حاصل کریگا اسکے لئے ہم اسکی خوبی میں اضافہ کردینگے۔ بیشک خدا بڑا بخشنے والا قدردان ہے۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ آیہ مودت کو اس مقام سے کیا سروکار ہے اور قرآن کے معنی اس کو وہاں سے نکال دینے سے بہتر ہوتا ہے یا موجود صورت میں بہتر ہے۔ میں دونوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں لکھے دیتا ہوں تاکہ انصاف کرنے میں سہولت ہو۔

بغیر آیہ مودۃ کے	جیسا قرآن میں ہے
یہی انعام ہے جسکی خدا اپنے اُن بندوں کو بشارت دیتا ہے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ اور جو شخص نیکی حاصل کریگا	یہی انعام ہے جسکی خدا اپنے اون بندوں کو بشارت دیتا ہے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ اے رسول کہدو کہ

میرا نے تبلیغ رسالت کی اجرت سوائے قرابتمندوں کے ساتھ محبت کرنے کے اور نہیں چاہتا اور جو شخص نیکی حاصل کریگا ہم اوسکے لئے اوسکی خوبی میں اضافہ کردینگے۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا اور قدرداں ہے

ہم اوسکے لئے اوسکی خوبی میں اضافہ کردینگے۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا قدردان ہے

غرض یہ آیہ ویسا ہی بے موقع ہے جیسا ازواج کے متعلق آیتوں کے درمیان آیہ تطہیر کو بے موقع ڈال دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے یاایھا الرسول بلغ + الیوم اکملت لکم دینکم + انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس + قل ماسئلتکم من اجر + قل لا اسئلکم علیہ اجرا جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر ہوا ہے یا ہوگا۔ ان پانچوں آیات میں کوئی خاص تعلق ہے اور خاص ربط ہے جو خلافت کی منشاء کے خلاف تھا۔ اس لئے ان آیتوں کے ساتھ جو جامعین قرآن نے برتاؤ کیا ہے وہ بھی ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے بہرکیف قل ماسئلتکم من اجر فھو لکم کے صحیح ہونے کے لئے ایک آیت سوال اسکے قبل ہونا چاہئے اور میں عرض کرتا ہوں کہ وہ آیہ کریمہ وہی آیہ زیر بحث ہے یعنی قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ہے اور اس آیت میں اور کچھ مطالبہ نہیں ہے سوائے قرابتمندوں کے ساتھ محبت کرنے کے۔ پس اگر ان قرابتمندوں سے اپنے قرابتمند مراد ہوتے تو امت کو کوئی اعتراض کی نہ وجہ تھی اور نہ خدا کو دوسری آیۃ نازل کرکے امت کو سمجھانے کی ضرورت تھی کہ رسول نے جو قرابتمندوں

کے ساتھ محبت کا تم سے مطالبہ کیا ہے اور اسمیں تمہاری ہی بھلائی ہے کیوں اعتراض کرتے ہو۔

نمبر۲:۔ دوسرے درایت بھی یہی ہے کہ رسولخدا نے جو مطالبہ کیا تھا وہ امت کو اپنے اپنے قرابتمندوں کے ساتھ محبت کا مطالبہ نہ تھا بلکہ رسولؐ کے قرابتمندوں کے ساتھ محبت کرنے کا مطالبہ تھا اور امت کو خصوصاً اونکو جو خلافت کی ہوس میں غرق تھے ناگوار ہوا۔ لہذا خداوند عالم کو سمجھانا پڑا کہ بھائی روپیہ پیسہ کا مطالبہ ہے نہیں جو تمہاری جیب سے کچھ جائیگا۔ اس امر کی جانچ تو تمہاری ہو چکی ہے کہ آیہ نجویٰ کے نازل ہوتے ہی تم نے رسولؐ ہی کو چھوڑ دیا تھا اور خداوند عالم کو تمہاری بخالت اور سخاوت کا امتحان کر کے اس آیہ کو منسوخ کرنا پڑا تو پھر کیونکر تمہارے لئے کوئی ایسا حکم نازل ہوگا جس سے تم بھاگو گے چنانچہ سورہ محمدؐ رکوع ۴ میں فرماتا ہے اِنْ یَسْئَلْکُمُوْهَا فَیُحْفِکُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَکُمْ یعنی اگر وہ تم سے مال طلب کرے اور تم پے چمٹ کر مانگے بھی تو تم بخل کرنے لگو۔ اور خدا تمہارے کینے ضرور ظاہر کر کے رہیگا۔ پس مصداق ع آزمودہ را آزمودن جہل است خداوند عالم تم سے روپیہ پیسہ کا سوال نہیں کرتا۔ لیکن آل رسولؐ سے محبت کا مطالبہ اس غرض سے ہے کہ تم دوزخ سے بچوگے اور اونکے خون سے اپنے دامن کو رنگین نہ کروگے۔ و بس۔ جن لوگوں نے اس آیہ کریمہ کی مخالفت کی ہے اور عوض اہلبیت کے ساتھ محبت کر کے رسالت کی اجرت ادا کرنے کے اہلبیتؑ کے ساتھ عداوت کر کے اونکو خراب برباد کیا ہے۔ اب اونکے پیرو کہتے ہیں کہ رسولخدا کیا ایسے تھے

جواپنی رسالت کی اجرت طلب کرتے اور وہ بھی اپنی اولاد کے ساتھ محبت۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت رسولخداؐ حضرت ابراہیمؑ کے دین پر تھے لہذا حضرت ابراہیم کی یہ دعا سورہ ابراہیم رکوع ٦ میں ملاحظہ ہو:۔ رَبَّنَا اِنِّی اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ یعنی اے پروردگار میرے میں نے تیرے محترم گھر کے پاس ایک بے کھیتی کے بیابان میں اپنی کچھ اولاد کو بسایا ہے تاکہ اے پروردگار میرے یہ لوگ برابر یہاں نماز پڑھا کریں تو تو لوگوں کے دل میں انکی طرف میلان پیدا کر اور انھیں طرح طرح کے پھلوں سے روزی عطا کرتا کہ یہ لوگ شکر کریں۔

دیکھا کعبہ کے قریب اپنی اولاد کو بسا کر حضرت ابراہیمؑ یہ معاوضہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے دل اونکی طرف مائل ہوں اور اونکو اچھی روزی ملے۔ تو پھر اگر رسولخداؐ ایسا ہی عوض اپنی اُمت سے طلب کرتے تو کیا مضائقہ اور کسرِ شان ہوتی۔ لیکن رسولخداؐ اور خداوند عالم کو امت سے اسکی کہاں امید تھی کہ اونکے ذریعہ سے رسُولؐ کی اولاد کو روزی نصیب ہوگی۔ اوسکے خلاف خوف تھا کہ امت انکی روزی کو چھین لیگی اور انکو مثل وحشی اور درندوں کے قتل وغارت کریگی۔ لہذا اتمام حجت کے لئے بحکم خداوند عالم رسولخداؐ نے فرمایا کہ بس میں اپنی رسالت کی تم سے اور کچھ اُجرت نہیں چاہتا سوا اسکے کہ میرے قرابتمندوں کے ساتھ محبت کرنا اور اونکو نہ خود قتل وغارت کرنا اور نہ دوسروں کو

ایسا کرنے دیا اور جب اس کا مفہوم غلط سمجھکر امت کے دل میں وہم پیدا ہوا کہ رسولخداؐ یہ سوال اپنے اور اپنی اولاد کے نفع کے لئے کر رہے ہیں تو دوسری آیت نازل ہوئی کہ اے مسلمانوں رسولؐ کی اولاد سے محبت کرنیکا حکم خود تمہاری نجات کے لیے اور اونکے خون میں شریک ہونے سے بچنے کے لئے ہے ورنہ رسولؐ کی ذات کے لئے جو اجرت ہے وہ تو سوائے خداوند عالم کے نہ دوسرا دے سکتا ہے اور نہ خود دوسروں سے حضرتؐ طلب کر سکتے ہیں۔

نمبر۳:۔ اب تفسیر کیطرف رجوع کیجیے تو لکھا ہے کہ جب آیہ مبارکہ نازل ہوا تو رسولخداؐ نے فرمایا کہ جو شخص آل محمدؐ کی دوستی پر مرجائے وہ شہید مرتا ہے۔ سنو جو آل محمدؐ کی دوستی پر مرے وہ مغفور ہے۔ سنو جو آل محمدؐ کی دوستی پر مرے وہ توبہ کر کے مرا۔ سنو جو آل محمدؐ کی دوستی پر مرے وہ کامل الایمان مرا۔ سنو جو آل محمدؐ کی دوستی پر مرا اوسکو ملک الموت پھر منکر و نکیر بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ سنو جو آل محمدؐ کی دوستی پر مرا وہ بہشت میں اس طرح بھیجا جائیگا جیسے دولھن اپنے شوہر کے گھر۔ سنو جو آل محمدؐ کی دوستی پر مرا اوسکی قبر میں جنت کے دو دروازے کھولدیئے جاتے ہیں۔ سنو جو آل محمدؐ کی دوستی پر مرا اوسکی قبر کو خدا جنت کے فرشتوں کے لئے زیارت گاہ بناتا ہے۔ سنو جو آل محمدؐ کی دشمنی پر مرا قیامت میں اسکی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ خدا کے رحمت سے مایوس ہے۔ یاد رکھو کہ جو آل محمدؐ کی دشمنی پر مرا وہ کافر ہے۔ سن رکھو جو آل محمدؐ کی دشمنی پر مرا وہ بہشت کی بو بھی نہ سونگھیگا۔ پھر اوسی وقت کسی نے پوچھا کہ یا حضرت جنکی محبت خدا نے

ہم پر واجب کیا ہے۔ وہ کون ہے فرمایا علیؑ۔ فاطمہؑ اور اونکے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ۔ اور پھر فرمایا جو شخص میرے اہلبیتؑ پر ظلم کرے اور مجھے عترت کے بارے میں اذیت دے اس پر بہشت حرام ہے دیکھو تفسیر کشاف علامہ زمخشری جلد ۳ ص۶۷ مطبوعہ مصر و صحیح بخاری و مسلم و مسند احمد بن حنبل و تفسیر درمنثور سیوطی وغیرہ۔

چنانچہ امام شافعی نے بھی اس آیہ کریمہ کے یہی معنی سمجھے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

یا اھلبیت رسول اللہ حبکم فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

یعنی اے اہلبیتؑ رسولخداؐ تمہاری محبت خدا نے اپنے نازل کردہ قرآن میں واجب کیا ہے اور تمہارے عظیم القدر ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود نہ بھیجے اوسکی نماز ہی نہیں ہے یعنی نماز باطل ہے۔ پھر اورنگ زیب ملقب عالمگیر رحمۃ اللہ نے اپنے وصایا میں بھی اس آیہ کے معنی یہی بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

"ہم آنکہ باسادات لازم السعادات بارہ بموجب آیہ وات ذی القربیٰ حقہ عمل بائد نمود در احترام و رعائت فرو گزاشت نبائد کرد۔ ازیں راہ کہ بموجب آیہ کریمہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ محبت ایں جماعۃ اجر نبوت است ہرگز مقصر نبائد بود کہ مثمر خیر دنیا و آخرت است (ملخص بقدر ضرورت)

اس آیہ کریمہ کے اہلبیتؑ کے متعلق ہونے کا ایک ثبوت خود قرآن پاک سے تو عرض کر چکا کہ جیسے اور آیتیں اونکے متعلق خبط کرنے کیلئے

اپنی جگہ سے ہٹا دی گئی ہیں اور بے موقع و بےمحل رکھدی گئی ہیں۔
ویسے ہی یہ آیہ کریمہ اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا اور بے موقع رکھا گیا ہے دوسرا ثبوت یہ ہے کہ جیسے اہلبیتؑ کے متعلق اور آیتوں کی معنی بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے وہ سلوک بلکہ سب سے بدتر سلوک اس آیہ کریمہ کے ساتھ کیا گیا ہے اور ایسا مہمل اور رکیک معنی گڑھا گیا ہے کہ کافر بھی شرما دے۔ اور نہ معلوم حضرت ابن عباس جنکی طرف یہ معنی منسوب کیا گیا ہے وہ کیا فرما دینگے۔ وہ معنی یہ ہے کہ "اے رسول کریم صلعم کہ دیجئے کہ ہم تم سے اے کافرو اپنی رسالت کا صلہ کچھ نہیں مانگتے۔ ہاں یہ البتہ چاہتے ہیں کہ اپنے قریب نزدیک والوں سے بہ محبت پیش آؤ اور ہم سے معاندانہ انداز نہ رکھو"۔
اے سبحان اللہ کیا نکتہ سنجی ہے۔ رسولخداؐ کافروں کے دین کو خراب و برباد کریں۔ اونکے معبودوں کی مذمت کریں اور اونکو خانہ کعبہ سے نکال کر باہر پھینکدیں۔ اونکے بعض بعض اقارب کو مسلمان بنا کر خانہ خراب کریں۔ اونکے سرداروں کو قتل کریں اور اونکے بعد اون سے اجرت کی گفتگو کریں۔ کیوں نہ ہو اسی کے ہم معنی اصحاب ثلثہ اور اونکے تابعین کے عمل ہوئے ہیں۔ یعنی اولاد رسولؐ کو خراب و برباد کیا۔ اونکے حق سے اونکو محروم کیا اور پھر رسولخداؐ کی شفاعت کے امیدوار ہیں کیا خوب ایک شاعر نے کہا ہے ؎

أَتَرْجُوا اُمَّۃٌ قَتَلُوْا حُسَيْنًا شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ يَوْمَ الْحِسَابِ
مَعَاذَ اللہِ مَا نِلْتُمْ يَقِيْنًا شَفَاعَۃَ اَحْمَدَ وَاَبِیْ تُرَابِ

کیا وہ لوگ جنھوں نے حسینؑ کو قتل کیا امید کرتے ہیں کہ روز

قیامت اونکے نانا اون لوگوں کی شفاعت کرینگے۔ خدا کی پناہ تم کو یقینی نہیں حاصل ہوگی احمد مختار اور ابو تراب کی شفاعت۔

یہ ہے فہم اور سمجھ اہلسنت والجماعۃ کی کہ رسولخداؐ کی اولاد کو خراب و برباد کرنے کے بعد رسولخداؐ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اونکے خیال میں خداوندعالم اور رسولخداؐ کی بھی ویسی ہی سمجھ ہے کہ رسولخداؐ کے ہاتھوں سے کفار کے سرداروں کو قتل کراکے۔ اونکے دین کو ملیامیٹ کراکے۔ اونکے معبودوں کو خانہ کعبہ سے باہر پھنکواکے۔ اور اونکے خاندان کے بعض لوگوں کو مسلمان کرکے خانہ خراب کراکے خداوندعالم رسولؐ کو حکم دیتا ہے کہ کافروں سے اجرت کی بات چیت کریں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ کفار اپنے پرائے سے محبت کریں اور چونکہ رسولؐ کو بھی اون سے قرابت تھی رسولؐ بھی اونکی محبت سے متمتع ہونگے اس استدعا کی سفاہت بدیہی اور مثل روز روشن کے واضح ہے تاہم مزید اطمینان کے لئے ایک آیت پیش کرتا ہوں۔ سورہ النساء رکوع ۲۱ میں خداوندعالم حکم دیتا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی اے مسلمانو مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست مت بناؤ۔ کیا اس حکم کے بعد کوئی عاقل شخص کافروں سے محبت کی بات چیت کرسکتا ہے؟ یا اونکو یہ مشورہ دے سکتا ہے کہ تم اپنے قریب و نزدیک والوں سے بہ محبت پیش آؤ۔ حالانکہ ایسی محبت کافروں کے گمراہی کی باعث تھی جسکی خبر سورہ العنکبوت رکوع ۳ میں ہے۔ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَیْنِکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ الخ یعنی حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر بتوں کو صرف دنیاوی زندگی میں باہم محبت کرنے کی وجہ سے خدا بنا رکھا ہے۔ پھر قیامت کے دن تم میں سے ایک کا ایک انکار کریگا اور ایک دوسرے پر لعنت کریگا۔ اور آخر تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور اس وقت تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا"۔ تو کیا انسان کی یہ حالت جاننے کے بعد بھی خداوندعالم رسولخدا کو حکم دے سکتا ہے کہ کافروں کو آپس میں محبت کرنے کا حکم دیدیں۔ ہرگز نہیں! اور پھر کافروں سے جو اسلام سے متنفر اور رسولخداؐ سے بیزار تھے اون سے کس امر کا اجر طلب کیا جاسکتا تھا۔ اور پھر وہ رسولخداؐ کی بات کیوں سننے لگے؟

الحمدللہ شیعہ کی ایسی سمجھ نہیں ہے۔ وہ جسکے ساتھ محبت واحسان کرتے ہیں اون سے البتہ محبت اور احسان کی امید رکھتے ہیں۔ اور جس سے عداوت کرتے ہیں اون سے کوئی عوض نہیں چاہتے سوائے اسکے کہ خداوندعالم اون سے سمجھے۔ لہذا شیعہ کے خیال میں رسولخداؐ اگر اجر رسالت طلب کرتے تو مسلمانوں سے جنکو کفر کی تاریکی سے نکال کر نور ہدایت میں پہونچا دیا تھا۔ جن کو وحشتی سے مہذب بنا دیا تھا اور چونکہ بتائید غیبی جانتے تھے کہ بعض مسلمان ہوس دنیا میں آپکی اولاد کا حق غصب کریں گے اور دوسرے حکمراں کا ساتھ دیکر اونکو قتل و غارت کرینگے۔ لہذا آپ نے اجر رسالت بحکم خداوندعالم یہ قرار دیا کہ آپ کی اولاد کے ساتھ محبت کیجادے اور اونکو قتل و غارت کرکے مسلمان جہنم میں نہ جاویں اور مصداق شعر شیخ سعدی کے نہ بنیں ع

کس نیاموخت علم تیر از من   کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اس اجرت کا مطالبہ پھر دوسرے پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ یعنی کہدو اے رسولؐ کہ میں تم سے اپنی رسالت کی کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ بجز اسکے کہ جو چاہے اللہ تک پہونچنے کا راستہ پکڑ لے (سورہ الفرقان رکوع ۵)۔ اب اللہ تک پہونچنے کا راستہ کیا ہے؟ وہی جسکی ہدایت اوس نے حضرت نوحؑ سے لیکر رسولخداؐ تک فرمائی ہے جسکی تصریح اوپر کافی کردیگئی ہے کہ کل انبیاء کے وارث اور خلیفہ اونکے بعد اونکی اولاد اور ذریت سے ہوا کئے ہیں۔ اونکے یار اور اصحاب کو اوسمیں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور جن اصحاب نے خود خلافت پر قبضہ کرلیا اور مصداق خَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ کے بنے یا رسولؐ کے اقربا کو ستایا یا اونکا کہنا نہ مانا وہ سب جہنمی ہوا کئے ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ کے اصحاب نے حضرت ہارونؑ کا کہنا نہ مانا اور گوسالہ پرستی کرنے لگے۔ حضرت زکریاؑ نے اپنے اصحاب پر بھروسہ نہ کرکے درگاہ باریتعالیٰ سے وارث طلب کیا۔ غرض جیسے حضرت نوحؑ سے لیکر تمام انبیاء کے وارث اور خلیفہ اونکی ذریت اور اقربا سے ہوا کئے ہیں ویسے ہی رسولخداؐ کا خلیفہ اونکی ذریت سے ہونا تھا۔ اسی اصول کے مطابق بروز ابلاغ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ رسولخداؐ نے اپنی ذریت اور اقربا کو جمع کرکے جناب علیؑ سے معاہدہ کرلیا تھا کہ آپ رسولخداؐ کی حیات میں وزیر اور بعد کو خلیفہ ہونگے۔ پس حضرت علیؑ کا راستہ خدا تک پہونچا دیگا۔ لہذا اونکے قدم سے لگے رہنے سے اس آیہ کریمہ اور آیہ مودۃ دونوں کی تعمیل ہوتی ہے اور سب سے بڑھکر اوس آیہ کریمہ کی تعمیل ہوتی ہے جسمیں خداوند عالم فرماتا ہے کہ تم کو اوس دین

کی تعلیم کیگئی ہے جسکی تعلیم حضرت نوحؑ اور کل انبیاء کو کیگئی تھی۔ جسمیں نہ اجماع تھا نہ استخلاف۔ نہ شوریٰ اور نہ قہر واستیلا

آپ پنج وقتہ نماز میں اور اوسکی ہر رکعت میں یہ دعا مانگتے ہیں:۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الخ یعنی خداوندا مجھکو سیدھی راہ کی ہدایت کر۔ اون لوگوں کی راہ جن پر تونے نعمت نازل کی ہے (سورہ الحمد) اب اس راستہ کی تلاش کیجئے کہ کیا ہی اور کس طرح کی ہے۔ کیا یہ اونکی راہ ہے جنکو نہ خدا نے خلافت کے لئے چُنا اور نہ رسولؐ نے اونکے بارہ میں وصیت کی۔ اور خلیفہ بنکر مصداق خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ کے بنے۔ کیا یہ اونکی راہ ہے جو اجماع۔ استخلاف۔ شوریٰ اور قہر و استیلا کے مکر و فریب و غداری و بغاوت سے خلیفہ بنے؟ ایسے خلفا اور اونکے پیرو پر نعمت نازل ہونا تو غیر ممکن ہے اونکی تعریف تک نہیں ہے بلکہ اونکے لئے عذاب کی بشارت ہے۔ جب تک اہلسنت والجماعۃ اپنے دین اور عمل کو کسی سابق امت اخیار کے مثل اور مشابہ ہونا ثابت نہیں کرتے۔ اوس وقت تک اونکا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں داخل ہونا غیر ممکن ہے۔ آپ کے خلفاء مصداق خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ کے ہیں اور آپ دعا میں اونکے طالب ہیں جن کو خدا و رسولؐ نے خلیفہ بنایا ہے اور جو مصداق اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ کے ہیں یا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا کے ہیں۔ آپ پیرو اونکے ہیں جن کے بارہ میں خدا فرماتا ہے وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ یعنی انصاف کا حکم دینے والوں کے قاتلوں کو عذاب دردناک کی بشارت دے دو۔ اور اونکے طالب ہیں جنکے بارہ میں فرماتا ہے

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا یعنی اونمیں سے کچھ لوگوں کو چونکہ اون لوگوں نے صبر کیا پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں۔ لہذا لازم ہے کہ جس صراط مستقیم اور صراط منعم کے لئے آپ دعا کرتے ہیں اور جنکے طالب ہیں اوس کے خلاف کی راہ پر لعنت کر کے علحدہ ہو جائیے۔ تب آپکا صراط مستقیم پر آنا ممکن ہے ورنہ آپ مصداق قول شیخ سعدی کے ہونگے ؎

بعمد اَمیر وی راہت نہ اینست مرادت کعبہ وروبت چین است

جن پر خداوند عالم نے نعمت نازل فرمایا ہے اور جن پر لعنت کی ہے اونکا ذکر سورہ مریم رکوع ۳ و ۴ میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحٰقؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ادریسؑ کا ذکر فرما کر ارشاد ہوتا ہے:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ...... فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ الخ یعنی یہ پیغمبران مذکورہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے نعمت نازل فرمایا۔ جو حضرت آدمؑ کی اولاد سے ہیں اور اونکی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ اور ابراہیمؑ اور یعقوب کی اولاد سے ہیں اور اون لوگوں سے ہیں جنکی ہم نے ہدایت کی اور منتخب کیا .... پھر اونکے بعد کچھ لوگ خلیفہ بن بیٹھے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا الخ

پس آپ اونکی پیروی کرتے ہیں جو خود بخود خلیفہ بن بیٹھے۔ اور دعا مانگتے ہیں اونکے راستہ کی جن کو خدا نے منتخب کیا ہے۔ خدا کے واسطے نفاق

پرہیز کیجئے۔ اور جس راہ کیلئے پنج وقتہ نماز میں گڑگڑاتے ہیں اوسکی طرف دوڑیئے اور رسولخدا کے اقربا کے ساتھ سچی محبت کرکے اجر رسالت ادا کرکے خدا کی نعمت سے متمتع ہوجیئے اور خدا تک پہونچنے کا راستہ پکڑ لیجئے۔ ورنہ خدا کی آیتوں سے انکار کرکے جہنّم کے سوا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

چونکہ آیہ مودت سے صحابہ کبار نے انحراف کیا ہے اور ایسی بے مروتی اور بے وفائی کی ہے جس کی دوسری مثال دنیا میں غیر ممکن ہے رسولخدا کی حیات میں حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیار کی شہادت پر اصحاب نے تعزیت ادا کی اونکی عورتوں نے مقتولین کے گھر جاکر ماتم قائم کیا۔ لیکن جب رسولخدا نے انتقال کیا تو نہ تعزیت ہے نہ ماتم بلکہ جناب سیدہ کو پرسا اس طرح دیا کہ گھر پر آگ اور لکڑی لے کر گئے کہ گھر کو مع حسنین کے جلا دینگے۔ اور جب جناب سیدہ نے انتقال کیا تو نہ کوئی صاحب کفن و دفن میں شریک ہوئے۔ نہ کوئی صحابہ نے آکر جناب علی کو پرسا دیا اور نہ صحابہ کی عورتوں نے حضرت زینب و ام کلثوم وغیرہ کو پرسا دیا۔ اس کے بعد پھر کیا تھا مسلمانوں کی تلواریں آل رسول کے خون میں نہانے لگیں جسکی شہادۃ ہر مورخ دیتا ہے۔ لہذا اونکی پردہ پوشی کے لئے ہر طرح کا حیلہ کیا گیا ہی اور کیا جاتا ہے۔ اولاً اس آیہ کریمہ کو اسکی جگہ سے ہٹا دیا تا کہ مقصود میں گڑبڑی پڑے۔ دوئم اسکے معنی بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے بعد کیا جاتا ہے کہ سورہ شوریٰ جس میں یہ آیہ کریمہ واقع ہے مکی ہے۔ جس وقت حضرت حسنین پیدا بھی نہیں ہوئے تھے پھر اونکی محبت اس آیہ کریمہ سے کہاں ثابت ہوتی ہے۔ اوّلاً مکی و مدنی ہونیکا اعتراض اوس وقت

قابل توجہ ہوتا جب جامعین قرآن نے اس کا التزام کیا ہوتا کہ مکی آیتیں اور سورتیں ایک جگہ ہوں اور مدنی ایک جگہ لیکن جب خود جامعین قرآن نے جان بوجھکر اولٹ پلٹ کیا ہے تو اس اعتراض کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی چنانچہ تفسیر میں ملاحظہ فرمائیے کہ سورہ شوریٰ مکی ہے مکہ میں نازل ہوا لیکن آیہ مودۃ مدنی ہے۔ مدینہ میں نازل ہوا جہاں حضرت حسنینؑ پیدا ہوچکے تھے دوسرے یہ کہ آیہ کریمہ صرف اقربائے موجودہ ہی کے لئے نہیں ہے اور نہ کوئی شخص اپنی وصیت میں اولاد موجودہ کی تخصیص کرتا ہے اور نہ اولاد آیندہ کو نظر انداز اور ترک کرتا ہے۔ بلکہ رسولخداؐ کے اقربائے موجودہ و آیندہ سب کے لئے ہے۔ جیسا حضرت عالمگیر کے وصیت نامہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ قربیٰ سے اپنے زمانہ کے سادات کو اس آیہ کریمہ کا مصداق سمجھتے تھے۔ لہذا اگر آیہ زیر بحث مکہ ہی میں نازل ہوا تو کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ گویا کلمہ شہادت کا تتمہ قرار پاتا ہے کہ اے مسلمانو جو تم اسلام لاکر مہذب بنے ہو اس کا اجر اور کچھ نہیں ہے سوا اسکے کہ رسولخداؐ جنکے ذریعہ سے تم کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے اونکی اولاد کے ساتھ محبت کرنا۔ اونکو تہ تیغ مت کرنا۔ اونپر ظلم نہ کرنا اور اونکو اونکے حق سے محروم نہ کرنا۔ اس مطلب کی تائید اللہ اور رسولؐ کے حکم سے اور مسلمانوں کے عمل سے ہوتی ہے کہ پنجوقتہ نماز میں محمدؐ اور آل محمدؐ پر ایسے پابندی سے رحمت کی دعا کرتے ہیں جو اپنی اولاد کے لئے بھی کوئی انسان ویسی پابندی کے ساتھ دعا نہیں کرتا۔ یعنی جیسے خدا وحدہ لاشریک کی گواہی ہر نماز میں واجب ہے۔ ویسا ہی محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت کی دعا کرنا واجب ہے۔ اور یہ دعا صحیح نہیں ہوسکتی جب تک خلوص کے ساتھ نہ ہو اور خلوص بغیر محبت کے ممکن

نہیں پس یہ وہ محبت ہے جسکے بغیر نماز ہی باطل ہے۔
معترض کہتے ہیں کہ کسی نبی نے اپنی رسالت کی اُجرت نہیں طلب کی سب نے اپنی اپنی امت سے یہی فرمایا کہ میں تم سے اپنی رسالت کی اجرت نہیں طلب کرتا میری اُجرت تو خدا ہی کے ذمہ ہے تو پھر رسولخدا کیونکر اجر رسالت اپنی امت سے طلب کرتے۔ جن انبیاء نے اپنے اجر رسالت کو خدا کے ذمہ فرمایا ہے اونکا خطاب کفار سے تھا جو اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے ایمان نہیں لاتے تھے اونکے اطمینان کے لئے اونسے کہا جاتا تھا کہ تم یہ مت ڈرو کہ ایمان لانے سے تم کو کچھ خرچ کرنا ہوگا میں تمہارا احتیاج نہیں ہوں بلکہ خداوند عالم ہمارا رازق ہے۔ دوسرے یہ کہ ان ابنیاء کو نہ یہ خوف تھا کہ اونکی امت اونکی اولاد کو قتل کریگی اور نہ وہ ایسی سرزمین میں تھے جہاں ویرانہ اور ریگستان ہو تو پھر وہ انسان سے کیا طلب کرتے یا انسان کے ذریعہ سے کیا امداد چاہتے؟
کسی نبی کا منشاء تو یہ تھا ہی نہیں کہ مثل پیروں اور اونکی اولاد کے دوسرے کی کمائی کھائیں۔ ہاں مطالبہ وہاں ہوتا ہے جہاں ضرورت خاص ہو مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے ایک صاحبزادے حضرت اسحٰق بیت المقدس میں تھے جو بالکل آباد اور زرخیز جگہ ہے اس لئے اونکے اور اونکی اولاد کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے نہ کوئی دعا فرمائی اور نہ خاص طریقہ سے اونکے لئے روزی طلب کی۔ لیکن چونکہ حضرت اسمٰعیل کو ایک ویران جگہ میں جہاں کھیتی وغیرہ کی امید نہ تھی بسایا تھا اس لئے خداوند عالم سے دعا فرمائی کہ خداوندا لوگوں کا دل انکی طرف مائل کردے تاکہ انکی اولاد کو اچھی روزی ملے۔ یہ اُسی دعا کی برکت ہے کہ آج تک اہل مکہ اور اہل حجاز جو نسل اسمٰعیلی سے ہیں حاجیوں کے ذریعہ

سے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔ اگر لوگوں کا میلان مکہ کیطرف کم ہوجاوے اور حاجی نہ جاویں تو اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوجاویں۔ اوسی طرح حبت یہ معلوم تھا کہ مسلمان رسولخداؐ کی اولاد کے ساتھ حسد و کینہ کر کے اونکو قتل و غارت کرینگے تو بحکم خداوند عالم اتمام حجت کے لئے اپنی رسالت کی یہ اجرت قرار دی کہ آپ کی اولاد کے ساتھ محبت کیجاوے اور دشمنوں سے اونکی حفاظت کیجاوے۔ لیکن امت نے کچھ نہ سُنا اور وہ کیا جو کیا۔

بالآخر رسولخداصلعم حکم خدا کے پابند تھے اگر کسی نبی نے اپنی رسالت کی اجرت نہیں طلب کیا تو خدا کے حکم سے رسولؐ مقبول نے جو اجرت طلب کیا تو وہ بھی خدا کے حکم سے جس کا جی چاہے خدا و رسولؐ پر اعتراض کرے۔ اگر یہ امر حدیث و روایت سے ہوتا تو اوسکو موضوع اور کذب ٹھہرا کر جو چاہتا اعتراض کرتا لیکن جب یہ حکم خود قرآن میں موجود ہے تو صاحب ایمان اوسکے سامنے سر جھکا دینگے اور منافق کے چونکہ خلاف پڑتا ہے وہ حیلہ وحوالہ کرینگے۔ چنانچہ جب انکار کا موقعہ نہ دیکھا تو معنی میں تحریف کیا کہ قربیٰ سے مسلمانوں کے اپنے اپنے قرابتمند مراد ہیں حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ اگر تم کو اپنے پرائے کی محبت خدا و رسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ ہے تو تمہارا شمار فاسقین میں ہے اور عذاب خدا کے منتظر رہو۔ جیسا اوپر بحوالہ آیت عرض ہوا ہے۔ پھر اس پر اور یہ مایہ جرأت کر کے کہ دیا کہ رسولخداؐ کافروں سے اجر رسالت طلب کرتے ہیں۔ اور اوسکے عوض اپنے اپنے قرابتمندوں سے محبت کرنیکا حکم دیتے ہیں جسکی سفاہت بدیہی ہے۔ اور تردید بحوالہ آیت کردیگئی ہے۔

آخر اعتراض یہ ہے کہ اگر رسولخداؐ کے قرابتمندوں سے محبت واجب کیگئی ہے

توشیعہ اور خوارج دونوں غلطی پر ہیں۔ اس لئے کہ شیعہ رسولخدا کے سسروں کو نہیں مانتے جو تخت خلافت پر بیٹھ گئے اور خوارج حضرت علیؓ کو نہیں مانتے جو اپنے حق سے محروم کئے گئے اور اہلسنت والجماعۃ حق پر ہیں جو رسولؐ کے بھائی و داماد حضرت علیؓ مظلوم کو بھی مانتے ہیں اور سسرے ظالموں کو بھی مانتے ہیں اور شیخ سعدی کے قول کو بھول جاتے ہیں ؎

نکوئی بابداں کردن چناں است کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

الجواب:۔ اولاً قربیٰ میں سسرالی لوگوں کو داخل کرنا بالکل غلط ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن پاک عرب کے محاورہ میں نازل ہوا ہے نہ کہ ہندوستانی کے محاورہ اور رسم ورواج کے مطابق۔ عربی محاورہ لغت سے دیکھیئے کہ اہل۔ قربیٰ۔ اقرباء اور عشیرۃ سب ذوی الارحام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی باپ دادا کی اولاد کے لئے۔ جسمیں سسرالی لوگ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اہل الرجل۔ اقربا الرجل اور عشیرۃ الرجل کے معنی بنی ابیہ الادنون یعنی اوس شخص کے باپ دادا کی اولاد ہے۔ پس حضرت ابوبکر۔ عمر اور عثمان کا شمار رسولخدا کے قربیٰ میں کسی طور سے جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انذر عشیرتک الاقربین کی دعوت میں یہ لوگ نہیں بلائے گئے جناب علی مرتضیٰ کی بھی جو خصوصیت رسولخدا کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے وہ بحیثیت نسب ہے۔ ایک جگہ آپ کو عشیرتک الاقربین میں داخل کیا تو دوسری جگہ قربیٰ میں یا اہل البیت میں۔ پس حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان کی محبت رسولخدا کے قرابتمندوں کے ساتھ محبت میں شمار نہیں ہو سکتی۔

دوسرے شیعہ اپنی نجات چاہتے ہیں اور نجات کا ذریعہ رسولخدا کو اور رسولخدا کے اون قرابتمندوں اون اصحاب بلکہ اون غلام حبشی کو جانتے ہیں

جوراہ حق پر باقی تھے۔ کسی کا حق غصب نہیں کیا اور نہ کسی پر ظلم کیا۔ اور باقی جنھوں نے رسولخدا کی اولاد اطہار پر اور اصحاب اخیار پر ظلم کیا اون سے تبرا کرتے ہیں گرچہ وہ قرابتمند رسول ہوں۔ اور اسکی سند صاف وہ آیت ہے جہاں خداوند عالم حضرت ابراہیم سے فرماتا ہے کہ آپکی ظالم اولاد کو پیشوائی اور امامت نہیں مل سکتی۔ لہذا شیعے ظالموں کو کسے باشد۔ اپنا ہادی و رہنما اور شفیع نہیں ملنتے۔

اس مطلب سے خداوند عالم بھی بندوں کو آگاہ کردیتا ہے کہ اگرچہ انبیاء کی ذریت ہی میں امامت اور ہدایت تفویض کیگئی ہے لیکن جو اونکی اولاد میں ظالم اور فاسق ہوں اون سے بچنا چنانچہ سورہ الحدید رکوع ۴ میں فرماتا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ یعنی ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بناکر بھیجدیا اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کی تو اونمیں کے بعض ہدایت یافتہ ہیں اور اکثر بہتیرے بدکار ہیں۔ پس شیعے اونھیں قلیل ہدایت یافتوں کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں اور اونھیں کو ہادی اور امام سمجھتے ہیں اور اون کثیر التعداد بنی ہاشم اور اولاد رسول کو جو معصوم نہ تھے بلکہ کبھی باعث فساد ہوئے اونکو ہادی پیشوا اور امام نہیں مانتے۔ ہاں رسولخدا کی قرابت کے خیال سے اونکے ساتھ احسان و مروت واجب جانتے ہیں اور اونکو خمس کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اسکے خلاف اہل سنت والجماعۃ نہ بیچارے معصوم ہی کو مانتے ہیں اور نہ غیر معصوم کو اونکے نزدیک بنی فاطمہ ہونا ایسا جرم قرار پاگیا ہے کہ جو ظلم و ستم اونپر ہو سب روا ہے۔ قتل اونکے لئے جائز۔ آگ میں جلانا اونکے لئے

روا۔ زندہ دیوار میں چُن دینا مباح ۔ اور جو بیچارے کسی طور سے جان بچالے گئے اونکو خمس سے محروم کرکے نان شبینہ کو محتاج کردیا۔ اور زید وبکر کے ساتھ محبت کرکے دعوی کرتے ہیں کہ اوبھوں آیۃ مودۃ کی تعمیل کرکے رسولخدا کو خوش کیا۔ ع براین عقل ودانش بباید گریست۔

نمبر۷ سورہ التوبہ:۔ اسکے نزول اور تبلیغ کے متعلق جو مفسرین لکھتے ہیں اوس کا خلاصہ شاہ ولی اللہ صاحب کے ازالۃ الخفا سے نقل کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"اصل قصہ آنست کہ ابوبکر بلا نزاع امیر حج بود سورۃ برائت اول بدست حضرت صدیق دادہ بودند بعد ازاں جبرئیل فرود آمد کہ آنرا بدست مرتضی باید فرستاد۔ اخرج الترمذی عن انس بن مالک قال بعث النبی صلعم ببراءۃ مع ابوبکر ثم دعاہ فقال لاینبغی لاحد ان یبلغ ھذا الا رجل من اھلی فدعا علیا فاعطاہ ایاھا وعن سعد بن ابی وقاص ان رسول اللہ بعث ابابکر ببراءۃ الی اھل مکۃ ثم بعث علیا علی اثرہ فاخذھا منہ قال ابوبکر وجد فی نفسہ فقال النبی یا ابابکر لا یودی عنی الا انا او رجل منی یعنی ترمذی نے انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسولؐ نے سورہ برائت حضرت ابوبکر کی معرفت بھیجا پھر اونکو واپس بلایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کا کوئی شخص سزاوار نہیں ہے سوائے میرے اہل کے اسکے بعد حضرت علیؑ کو بلاکر سورہ برائت عنایت فرمایا۔ اور سعد بن ابی وقاص سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر کو رسولخداؐ نے سورہ برائت دیکر اہل مکہ کی طرف روانہ کیا پھر اونکے پیچھے حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا۔ پس حضرت نے سورہ براءۃ اون سے لے لیا۔ تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اونکے دل میں برا معلوم ہوا

تو رسولخداؐ نے فرمایا اے ابوبکر اس کو سوا میرے یا وہ شخص جو مجھ سے ہو دوسرا نہیں پہونچا سکتا۔

یہ بھی ایک ڈرامہ ہے جو رسولخداؐ اور خداوند عالم نے ملکر حضرت علیؑ کی شرافت اور فضیلت اور رسولخداؐ کے ساتھ یگانگی اور حضرت ابوبکر کے اظہار نااقابلیت اور رسولخداؐ سے مغائرت کیلئے پیش کیا ہے۔ یہ وہ خدائی ترکیب ہے جسکو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ اگر صاف صاف خداوند عالم ایک آیت نازل کردیتا کہ حضرت ابوبکر قابل سرداری امت نہیں ہیں اور وہ حضرت رسولؐ کے اہل یعنی قرابتمند نہیں ہیں تو اس آیۃ کو قرآن سے ساقط کردینا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ جنھوں نے سورہ الاحزاب کی ۱۲۷ آیتیں غائب کردیں جنھوں نے ستر منافقین کے نام مع ولدیت غائب کردیا اونکے لئے ایک آیت کا غائب کرنا کیا مشکل تھا۔ لہذا یہ ترکیب برتی گئی جس کو کوئی مٹا نہ سکا اور کلام خدا میں تبدل اور تغیر کا ارادہ رکھنے والے منہ دیکھکر رہ گئے اسکے قبل خداوند عالم نے انذر عشیرتک الاقربین میں رسولخداؐ کے قرابتمندوں کی تخصیص کردی ہے۔ پھر مباہلہ میں گرچہ خداوند عالم نے جمع کا صیغہ استعمال کرکے آپکو اجازت دی تھی کہ بہت لڑکوں۔ بہت سی عورتوں اور بہت سے نفسوں کو ہمراہ لیکر مباہلہ کے لئے تشریف لائیں لیکن رسولخداؐ نے صرف حسنین علیہما السلام۔ حضرت فاطمہ زہرا اور علی مرتضی اصلوٰۃ اللہ والسلام علیہم کو ساتھ لیکر واضح کردیا کہ خداوندا نکے سوا دوسرا اس قابل نہیں ہے جس کو اس عظیم الشان تبلیغ میں اپنا شریک کروں پھر اسکے بعد چونکہ حضرت ابوبکر اول اول آپ کی عہد شکنی کرنے والے تھے اور اوس منصب کو اختیار کرنے والے جسکے سزاوار نہ تھے لہذا اونکے

اظہار نا قابلیت کیلیے رسولخدا نے ادلا سورہ براءت اونکو دیا اور پھر بحکم رب العلمین اون سے چھین کر فرمایا کہ یہ جائز ہی نہیں ہے کہ میرے یا میرے اہل کے سوا دوسرا اس کام کو انجام دے۔ اس ترکیب سے یہ بات امت کو بتائی گئی کہ کل امت عموماً اور حضرت ابوبکر خصوصاً اس قابل نہیں ہیں کہ نیابت رسول کر سکیں یا کوئی کام تبلیغ کا انکے ذمہ کیا جا سکتا ہے۔ اسکے لئے صرف رسولخدا کے اہل یعنی قرابتمند سزاوار اور مستحق ہیں۔ اہل سے باپ دادا کی اولاد مراد ہے نہ کہ سالے سسر جیسا اوپر لغت سے ثابت کیا گیا ہی اور یہاں ایک آیت سورہ النساء رکوع ۶ سے پیش کرتا ہوں وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا یعنی اگر میاں بیوی کی نا اتفاقی کا خوف ہو تو ایک ثالث مرد کے اہل سے اور ایک ثالث عورت کے اہل سے مقرر کرو۔ دیکھا شوہر کے اہل ایک ہیں اور زوجہ کے اہل دوسرے۔ پس رسولخدا کے اہل سے مراد صرف آپ کے خاندان کے لوگ ہیں۔ اور یہاں تو صاف انکار ہے کہ حضرت ابوبکر رسولخدا کے اہل سے نہیں ہیں۔ رسولخدا کا ارشاد ہے کہ ان آیات کو سوائے میرا اہل کے دوسرا مثل حضرت ابوبکر تبلیغ نہیں کر سکتا۔ اور خاندان کے لوگوں میں سے حضرت علیؑ کے ساتھ جو خصوصیت ہے اور جو معاہدہ ہو چکا تھا اوس کو اوپر ثابت کر دیا ہے۔ اور پھر سورہ براءت دیکر رسولخدا نے بتا دیا کہ حضرت علیؑ رسولخدا کے اہل ہیں جنکو خداوند عالم بعد رسول کریم تبلیغ احکام کے لئے منتخب اور پسند کرتا ہے۔ اگر اس اصول کو جو سیرت ابنیاء و مرسلین سے بالکل واضح و صریح ہے مدنظر رکھکر رسولخدا سورہ براءت حضرت علیؑ ہی کے سپرد کیے ہوتے تو حضرت علیؑ کی شرافت و بزرگی و فضیلت ظاہر کرنے کا ایسا

اچھا موقع نہ ملتا ۔ اور اگر اس شرافت و بزرگی کے اظہار کیلئے اولاً کسی دوسرے اصحاب کو منتخب کئے ہوتے تو حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت کیسا تھ ناقابلیت اور رسولخداؐ سے مغائرت ثابت کرنیکی دوسری ترکیب تھی۔ لیکن اس ایک ترکیب سے جہاں علیؑ کی فضیلت اور بمصداق انفسنا رسولؐ کے ساتھ آپکا اتحاد و اہلیت ثابت کیا وہاں ابوبکرؓ کی نا اہلیت اور ناقابلیت ثابت کردیا تاکہ امت اونکو کبھی سزاوار امامت و پیشوائی نہ سمجھے ۔ اور جب اونکا انتخاب اور خلیفہ بننا خدا و رسولؐ کو ناپسند ہے تو اونکا استخلاف نامہ کیسے جائز ہوسکتا ہے جب خلافت کی بنیاد ہی غلط ہوئی تو اوسکی عمارت کیا درست ہوسکتی ہے ۔ لہذا تبلیغ اور ہدایت کے لئے رسولخداؐ کے اہل ہی سزاوار ہیں نہ غیر ۔ اس واقعہ سے میرے اوس قول کی تصدیق ہوتی ہے جو صفحہ ۵۳ و ۵۴ رسالہ ہذا میں عرض ہوا ہے کہ کسی کے جنتی ہونے سے ضرور نہیں ہے کہ وہ رہنما و ہادی ہوسکے پس اگر سابقون الاولون کی شرط کو نظر انداز کر کے حضرت ابوبکرؓ کو مہاجر جنتی مانا بھی جاوے اور جتنی بداعمالیاں انکی اس رسالہ میں ظاہر کیگئی ہیں اون سے چشم پوشی کیجاوے تب بھی اس واقعہ کی بنا پر امت کو جائز نہ تھا کہ حضرت علیؑ کی امامت ولایت اور خلافت چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کو اپنا ہادی اور پیشوا مانے جب خدا و رسولؐ کو یہ ذراسی بات بھی ناپسند تھی کہ حضرت ابوبکرؓ سورہ برارت کی دس آیتوں کو کفار مکہ کے سامنے جاکر سناویں تو کیونکر خدا اور رسول کو یہ بات گوارہ ہوسکتی ہے کہ وہ حضرت خلیفہ بنکر احکام قرآنی اور دین رسالت پناہی کو جاری کریں ۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ دنیا میں جو بھی قانون ہوتا ہے تو اوسکا جاری کنندہ نامزد کردیا جاتا ہے ۔ مثلاً تعزیرات ہند کے اجرا کرنے والے مجسٹریٹ اور

جج ہوا کرتے ہیں اور ضابطہ دیوانی کے جاری کرنے والے منصف ۔ صدر اعلیٰ اور جج ۔ پس رسولخدا کے بعد قرآنی احکام کو جاری کرنے والا کون شخص ہو سکتا ہے ۔ رسولخدا کے بعد کس کو حق تھا کہ بیت المال کو اپنے قبضہ میں لیوے ۔ خمس وزکوۃ وصول کرے ۔ حدود قصاص جاری کرے وغیرہ وغیرہ ۔ کیا وہ شخص ان سب کا مجاز ہو سکتا ہے جس کو خدا اور رسول فرمائیں کہ وہ اس قابل بھی نہیں ہے کہ دس آیتوں کو مکہ جا کر کافروں کو سنا دے ۔ جسکے متعلق خداوند عالم اتنے کا روادار نہیں کہ دس آیتوں کو کفار کو سنا دے اوسکے متعلق اجرائے احکامات قرآنی کر کے ہادی و پیشوا ماننا صریحی خدا و رسول کی نافرمانی ہے۔ اور جس کو خدا و رسول اس منصب کا سزاوار و اہل کرے اوس سے انحراف قریب بہ ارتداد ہے ۔

اس واقعہ سے اس حدیث کی بھی تردید ہوتی ہے کہ رسولخدا نے اپنے آخر وقت میں حضرت ابوبکر کو مسجد میں امامت کرنے کے لیے بھیجدیا جو شخص صرف ایک سورہ کی دس آیتوں کو کفار کے سامنے پڑھکر سنانے کی اہلیت اور قابلیت نہ رکھتا ہو اوسکو رسولخدا صلعم کیونکر مسلمانوں کی امامت کرنے کا حکم دے سکتے ہیں ۔ جہاں دس آیتوں سے بہت زیادہ آیات قرآنی و دیگر دعائیں وتسبیح و تقدیس پڑھنا ہوتا ہے ۔ اوسکے علاوہ قیام و قعود و رکوع و سجود بھی کرنا ہوتا ہے ۔ یہ حدیث معویہ کے حکم سے موضوع کی گئی ہے تاکہ خلاف قرآن بات بنائی جاوے کہ رسولخدا نے حضرت ابوبکر کو نماز کی امامت کیلئے بھیجکر اشارہ فرمایا کہ یہ قابل خلافت بھی ہیں ۔

علاوہ اسکے اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا ایمان کیسا تھا خود اونکا اعتراف ہے کہ جب رسولخدا نے اونکو سورہ برأت نہ پڑھنے کا حکم

اون سے لے لیا اور حضرت علیؑ کے حوالہ کیا تو اونکے دلمیں رنج گزرا یا بُرا معلوم ہوا۔ لہذا وہ مصداق اس آیہ کریمہ کے ہیں:۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ یعنی تمہارے پروردگار کی قسم وہ لوگ مومن نہیں ہیں تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑے میں تم کو اپنا حاکم نہ بناویں اور پھر جو کچھ تم حکم دو اوس سے بُرا نہ مانیں بلکہ خوش خوش اوسکو قبول کر لیں (سورہ النساء رکوع ۶) یہ حکم اوس شخص کے لئے ہے جو اپنے کو حق پر سمجھتا ہو اور اپنے مخالف کو بر سر خطا۔ پس اگر رسولخدا کسیکے دعوی اور ادعا رحق کو ڈسمس کر دیں تو اگر وہ مومن ہے تو نہ رنج کریگا اور نہ بُرا مانیگا۔ بلکہ خوش خوش قبول کر لیگا۔ لیکن جب حسب آیہ کریمہ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ یعنی جو تم کو رسول دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں اوس سے باز رہو (سورہ الحشر رکوع ۱) رسولخدا اپنے منصب دا تا کے تین گونہ دے۔ نہ دے۔ دیکر چھین لے کو عمل میں لاویں تو وہاں اور بھی کسی کو جائز نہیں ہے کہ بُرا مانے۔ پس جب اس منصب کے مطابق رسولخداؐ نے حضرت ابوبکر کو سورہ برارت دیکر چھین لیا تو بُرا ماننے کی کون سی بات تھی۔ لہذا جب رسولخداؐ نے سورہ برارت اون سے لے لینے کا حکم صادر فرمایا اور حضرت ابوبکر کو بُرا لگا تو پھر ایمان کا کیا ٹھکانا رہا۔ چونکہ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے اسلئے حضرت ابوبکر کو ایمان میں زیادہ ترقی کرنے کا موقع بھی نہ رہا اس لئے کہ جناب رسولخدا کا وصال ۱۱ھ ہجری میں ہو گیا۔

اگر صرف اسی ایک اہل رسولؐ کی یعنی حضرت علیؑ کی اطاعت کی گئی ہوتی تو اسلام میں جو تفرقہ پڑ گیا وہ واقع نہ ہوتا اور دیگر آل رسولؐ کا حق ضایع

نہ جاتا۔ یہ ایک ناحق کل فساد کا سرچشمہ بنگیا اور اسلام کو خراب و تباہ کر دیا۔
یہ خیال صرف اس ناچیز ہی کا نہیں ہے بلکہ جنھوں نے واقعات اسلام پر نظر انصاف تدبر کیا ہے۔ وہ بھی اس نتیجہ پر پہونچے ہیں چنانچہ ایک مصری عیسائی جرجی زیدان ایڈیٹر رسالہ الہلال اپنی تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۴ ص ۳۷ میں لکھتا ہے۔ اَمَّا عَلِیٌّ فَحِکَایَاتُہٗ فِی الزُّھْدِ وَالتَّقْوٰی کَثِیْرَۃٌ وَکَانَ شَدِیْدُ الْمُتَمَسِّکُ بِالْاِسْلَامِ حَرِیْصًا عَلَی الْعَدْلِ وَالْحَقِّ ... وَلَوْ تَوَلّٰی اُمُوْرَ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ وَالنَّاسُ فِیْ دَھْشَۃِ النُّبُوَّۃِ وَصِدْقِ التَّدَیُّنِ لَکَانَ نَصِیْبُہٗ مِنَ الْحُکْمِ اَطْوَلُ وَلَمَا بَدَا فِیْ تَدْبِیْرِہٖ ضُعْفٌ وَلٰکِنَّہٗ تَوَلَّاھَا وَقَدْ فَسَدَتِ النِّیَّاتِ وَطَمَعَ الْعُمَّالُ فِی الْاَحْکَامِ۔ یعنی حضرت علیؑ کے واقعات زہد و تقویٰ کے متعلق بہت کثرت سے ہیں اور حضرت اسلام کی پوری پابندی کرنے میں نہایت سخت اور انصاف و حق قائم کرنے کے لئے بہت ہی حریص تھے۔
اگر حضرت اوس زمانہ میں مسلمانوں کے خلیفہ ہوتے جو زمانہ حضرت عمر کو مل گیا تھا (یعنی آنحضرتؐ کے بعد ہی) جب لوگوں میں نبوت کی دہشت باقی تھی اور سچا تدین موجود تھا تو حضرت علیؑ کی خلافت کا دور بہت زیادہ ہوتا اور حضرت علیؑ کے انتظام میں کسی قسم کا بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن آپ کو خلافت اوس زمانہ میں ملی جب لوگوں کی نیتیں فاسد کر دیگئی تھیں اور عمال کو احکام میں لالچ دامنگیر تھی۔ جرجی زیدان کے قول سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت ابو بکر۔ عمر۔ عثمان کیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے تھے کہ انکے دور حکومت میں لوگوں کی نیتیں فاسد کر دیگئی تھیں اور عمال کو احکام میں لالچ دامنگیر تھی۔ اسکے بعد بھی

کوئی ان حضرات کو مصداق آیہ کریمہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر کا کہہ سکتا ہے؟ ہاں اس آیۃ کے مصداق حضرت علیؑ ہیں جو اسلام کی پوری پابندی کرنے میں نہایت سخت اور انصاف و حق قائم کرنے کے لئے بہت حریص تھے۔

اس مضمون میں دو امر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ مورخ حضرت عمر کے زمانہ کو رسولخدا ہی کے بعد شمار کرتا ہے۔ اور حضرت ابوبکر کو بالکل بے وجود قرار دیتا ہے اور واقعاً ایسا ہی ہے کہ حضرت ابوبکر تو برائے نام بادشاہ و خلیفہ تھے اور حاکم حکم سب حضرت عمر کا جاری تھا۔ دوسرے یہ کہ عربی محاورہ میں تولّا اور تولی۔ سرداری۔ حکومت اور خلافت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لہذا آیہ انما ولیکم میں ولی کے معنی سردار اور حاکم اور یتول کے معنی حاکم اور سردار ماننے کے ہیں جیسا نمبر ۵ میں عرض ہوا ہے۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ علےؑ اور آل رسولؐ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان وغیرہ رسولخداؐ کے قرابتمند میں داخل ہیں اور اعتقادات شیعہ کا کہیں قرآن میں اشارہ بھی نہیں ہے اوسکی مصداق صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ کی ہے۔

نمبر ۸:۔ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ ط وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ یعنی اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کیطرف سے نازل ہوا ہے اوسے پہونچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا کہ تم نے کوئی پیغام بھی نہیں کیا۔ اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا (سورہ المائدہ رکوع ۱۰)

اس آیہ کریمہ کے صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے کئی مرحلہ کی ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ یہ آیہ کریمہ اپنے صحیح موقع اور محل پر قرآن میں درج کیا گیا ہے یا
بغرض خاص اس کو اسکی جگہ سے ہٹا کر بے موقع اور بے محل رکھدیا گیا ہے
دوسرے اس کا شان نزول کیا ہے اور کس موقع و محل پر نازل ہوا اور رسولخدا صلعم
نے اسکی کیا تعمیل کی۔ جو لوگ اسکے اصلی مقصود پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں
وہ کہتے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ حجۃ الوداع میں عرفات کے روز یا اوس سے بھی
پہلے نازل ہوا تھا۔ یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ حجۃ الوداع کے بعد رسولخدا
صلعم صرف ڈھائی تین مہینہ زندہ رہے۔ تو گویا کہ رسولخدا صلعم کی آخر زندگی میں
ایک حکم ایسا باقی رہ گیا تھا کہ جس کو حضور پہونچاتے ہوئے مضائقہ
فرماتے تھے یہاں تک کہ خداوند عالم کو متنبہ کرنا پڑا کہ اگر یہ حکم نہ پہونچایا تو
حق رسالت ہی نہیں ادا ہوا اور اس تنبیہ کے ساتھ تشفی بھی ہے کہ آپ کو
جن لوگوں کے شر کا خوف ہے اون سے اللہ آپکو محفوظ رکھیگا۔
اوّلاً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا ضروری حکم تھا کہ جسکے نہیں
پہونچانے سے رسولخدا صلعم حق رسالت سے نہیں ادا ہوتے۔ تو پھر
اوس حکم کو پردے میں کیوں رکھا۔ اوس حکم کو صاف صاف جزو قرآن کیوں
نہیں قرار دیا۔ یہ اعتراض بالکل معقول ہے۔ لیکن یہ اعتراض کس پر ہے۔
اللہ پر یا شیعوں پر یا اہلسنت والجماعۃ پر۔ اللہ کے کلام میں تو نقص ہو ہی
نہیں سکتا۔ باقی رہے شیعے تو وہ بیچارے قرآن کے جمع کرنے کی خدمت
سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ جو اعلم قرآن تھے اون سے
جمع کرنے کے متعلق ایک مشورہ بھی نہیں کیا گیا اور جب حضرتؑ نے اپنی خدمت
پیش بھی کی تو نا منظور ہوئی اور کہا گیا کہ ہم کو تمہارے جمع کردہ قرآن کی ضرورت
نہیں ہے۔ پس اس اعتراض کے جوابدہ اہل سنت والجماعۃ ہیں جو صحیفہ عثمانی

برفخر کرتے ہیں اونکو بتانا چاہیئے کہ وہ کونسا حکم تھا جسکو پہونچانیکو خداوند عالم اس شد ومد سے حکم فرماتا ہے۔ کیا اس آیۃ کو بے جگہ رکھکر گول مال کیا ہے یا اس سے کوئی جملہ جو اصل حکم تھا اوس کو غائب کردیا ہے وہ ان سب عنوانوں کو کیوں قبول کرینگے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ اپنے صحیح موقعہ پر ہے اور رسولخدا کو اوس حکم کو پہونچانیکا حکم ہوا تھا جو اس آیہ کریمہ کے متصل ہے لہذا میں اس آیہ کریمہ کو قبل اور بعد کے آیات کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں کہ واقعی اونکا قول صحیح ہے اور قرآن کے معنی صحیح اوترتے ہیں کہ نہیں۔ یا اس آیہ کریمہ کو وہاں سے ہٹا دینے سے معنی فصیح تر اور عمدہ بنتا ہے۔

آیات قبل و بعد معہ آیہ زیر بحث

سورہ المائدہ رکوع ۹ و ۱۰ معہ آیت زیر بحث:-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ط وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

آیات قبل و بعد بغیر آیت زیر بحث

سورہ المائدہ رکوع ۹ و ۱۰ بغیر آیت زیر بحث:-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰ

مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ○ قُلْ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ

یعنی اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور خدا سے ڈرتے تو ضرور میں اونکے گناہوں سے درگزر کرتا اور اونکو جنت نعیم میں داخل کردیتا اور اگر وہ لوگ توریت اور انجیل اور جو صحیفے خدا نے اونپر نازل کیا ہے اونکے احکام کو قائم رکھتے تو یقینی اونکے اوپر سے اور پیر کے نیچے سے رزق آتا - اونمیں سے کچھ لوگ اعتدال پر ہیں اور زیادہ لوگ برائی ہی کرتے ہیں - اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کیطرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اوسکو پہونچادو اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا کہ پروردگار کی کوئی رسالت نہ کی اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا - خدا ہرگز کافروں کو منزل مقصود تک نہیں پہونچاتا - اے رسول تم

وَالْاِنْجِیْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ یعنی اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور خدا سے ڈرتے تو ضرور میں اونکے گناہوں سے درگزر کرتا اور اونکو جنت نعیم میں داخل کردیتا اور اگر وہ لوگ توریت اور انجیل اور جو صحیفے خدا نے اونپر نازل کیا ہے اونکے احکام کو قائم رکھتے تو یقینی اونکے اوپر سے اور پیر کے نیچے سے رزق آتا اونمیں سے کچھ لوگ اعتدال پر ہیں اور زیادہ لوگ برائی ہی کرتے ہیں - خدا ہرگز کافروں کو منزل مقصود تک نہیں پہونچاتا - اے رسول تم کہدو کہ اے اہل کتاب جب تک تم توریت اور انجیل اور جو صحیفے تمہارے پروردگار کیطرف سے نازل ہوئے ہیں اونکے احکام کو قائم نہ رکھوگے اوس وقت تک تم کچھ بھی نہیں ہو -

کہدو کہ اے اہل کتاب جب تک تم توریت اور انجیل اور جو صحیفے تمہارے پروردگار کیطرف سے نازل ہوئے ہیں اونکے احکام کو قائم نہ رکھوگے اوس وقت تک تم کچھ بھی نہیں ہو۔

دوسرے کلام کے ملاحظہ سے صاف ظاہر ہے کہ جو آغاز کلام میں خداوند عالم اہل کتاب کا نقص بیان فرماتا ہے یعنی عدم عمل اوسکو پورا کرنے کو آخر کلام میں فرماتا ہے اور یاایہا الرسول بلغ اس جگہ بالکل بے موقع ہے۔ اور صرف بے موقع ہی نہیں ہے بلکہ قرآن کے سیاق اور ترکیب بیان کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ قرآن کا ترکیب بیان یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ وہیں کہتا ہے جہاں کفار کی ہٹ دھرمی عدم قبول حق۔ عدم سماعت ہدایت وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ رسولخداؐ کو تبلیغ کی فہمائش کے بعد فوراً ہی فوراً یہ خدا کے غضب کا جملہ نہیں استعمال کیاجاتا مثلاً سورہ البقرہ رکوع ۳۵ میں ہے فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ یعنی وہ کافر ہکابکا ہو کے رہ گیا اور خدا ظالموں کو منزل مقصود تک نہیں پہونچاتا یا ظالموں کی ہدایت نہیں کرتا پھر رکوع ۳۶ میں ریاکاروں کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ جو ریاکاری کے ساتھ خیرات کرتا ہے اوس کا ثواب نہیں پاویگا اور خدا کافروں کی ہدایت نہیں کرتا۔ سورہ انعام رکوع ۱۷ میں ہے۔ اوس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو لوگوں کو بغیر سمجھے بوجھے گمراہ کرنے کے لئے خدا پر جھوٹ باندھے خدا نے ہرگز ظالموں کی ہدایت نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طور سے خداوند عالم اس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ اہل کتاب کے کچھ لوگ تو اعتدال پر ہیں اور زیادہ لوگ بدکاری ہی کرتے ہیں۔ خدا ہرگز کافروں کی ہدایت نہیں کرتا۔

لیکن کاتبین قرآن کو جب تذکیر و تانیث کی تمیز نہ تھی۔ لاو نعم میں فرق نہیں کرتے تھے تو سیاق کلام خدا کو وہ کیا جانتے۔ آیہ یا یہا الرسول بلغ کو ایک ہی آیت کے دو جزو کے بیچ میں ڈال دیا۔ یعنی ایک آیت کا ایک جزو اسکے قبل اور دوسرا جزو اسکے بعد رکھدیا۔ سارا قرآن اُلٹ جایئے کہیں جملہ واللہ لا یھدی القوم الکفرین۔ القوم الظلمین۔ القوم الفسقین ایسی جگہ نہیں ملیگا جہاں رسول خدا کو تبلیغ کا حکم دیکر فوراً ہی یہ جملہ مایوسی و غضب نازل کیا گیا ہو۔ یہ جملہ یاس و غضب کافروں۔ ظالموں۔ فاسقوں وغیرہ کے عمل بد اور ہٹ دھرمی کو بیان کرنے کے بعد نازل فرماتا ہے۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ آیہ یا یہا الرسول بلغ بے موقع اور بے محل اہل غرض نے رکھدیا ہے تاکہ اس کا مقصود مبہم اور مجہول رہ جاوے۔

دوسرے یہ کہ اگر بعد ہی والی آیت یعنی اے رسول کہدو کہ اے اہل کتاب جب تک تم توریت و انجیل وغیرہ کے احکام کو قائم نہ رکھو گے اوس وقت تک تم کچھ بھی نہیں ہو مقصود ہوتی تو یا یہا الرسول بلغ کہنے کے بعد پھر قُل کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بالکل لغو ہے کہ ایک ہی امر کے واسطے یا یہا الرسول بلغ اور قُل دونوں استعمال کیا جاوے۔ لہذا جو حکم قُل کے تحت میں ہے وہ اپنی جگہ پر ہے اور یا یہا الرسول بلغ میں کسی دوسری شے کا حکم ہے اور وہ ایسا ہی حکم ہے جس کو سناتے ہوئے رسولخدا کو فساد کا خوف تھا۔

تیسرے یہ کہ جو حکم اور مذمت اہل کتاب کے لئے اس آیت کے قبل اور بعد ہے وہ ایسا خفیف و نرم اور ایسے نرم الفاظ میں ہے کہ رسولخدا کو یا کسی شخص کو اوسکو کہتے ہوئے باک نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر آخر وقت تک رسولخدا نے اتنا بھی اہل کتاب سے نہیں فرمایا تھا کہ اے اہل کتاب اگر تم اپنی کتاب پر

ایمان لاؤ اور اوسکے احکام کو قائم رکھو تو تم کو صلاح و فلاح دارین حاصل ہوگی اور اگر ایسا نہیں کیا تو تم کچھ بھی نہیں ہو تو معلوم نہیں رسولخداؐ نے عمر بھر کیا تبلیغ فرمائی۔ اے رسولخدا صلعم معہ بنی ہاشم کے تین برس تک شعب ابیطالب میں محصور رہے لیکن نہ آپ کافروں سے ڈرے اور نہ خداوندعالم کو حضرت کی تشفی اور تسلی کرنی پڑی۔ پھر کیا حضرت ایسے تھے کہ ایک ایسی نرم بات کہتے ہوئے ڈرتے اور مضائقہ فرماتے۔ آیہ زیربحث کے آس پاس جتنی آیتیں اہل کتاب کے متعلق ہیں وہ اوائل اسلام کی معلوم ہوتی ہیں جب رسولخداؐ اون سے نرم نرم بات فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ کم سے کم اپنی کتابوں پر ایمان قائم رکھو اور کفر و شرک مت اختیار کرو۔ اور جیسے جیسے اسلام قوی ہوتا گیا اہل کتاب کی مذمت زیادہ واضح بیان کیجانے لگی۔ مثلاً سورہ آل عمران کے رکوع ۱۰ میں ہے کہ اے رسول کہدو کہ اے اہل کتاب ایمان والوں کو خدا کی راہ سے کیوں روکتے ہو۔ اوسی سورہ کے رکوع ۷ میں ہے کہ اے اہل کتاب تم کیوں حق و باطل کو گڈمڈ کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو۔ سورہ النساء رکوع ۷ میں ہے اور سورہ المائدہ رکوع ۳ میں کہ اہل کتاب تحریف کرتے ہیں اور ملعون ہیں۔ سورہ البقرہ آل عمران وغیرہ میں ہے کہ جو اہل کتاب حق کو چھپاتے ہیں وہ ملعون ہیں اور خدا نے اونپر لعنت کی ہے۔ ان سب مذمت کے بعد صاف صاف دعوت ہے کہ مسلمان ہوجاؤ۔ دیکھو سورہ البقرہ رکوع ۱۶ اور سورہ آل عمران رکوع ۱۲۔ اسکے بعد سورہ الاحزاب رکوع ۳ میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ اہل کتاب میں جن لوگوں نے جنگ خیبر میں کفار کی مدد کی تھی اونکو اونکے قلعوں سے بیدخل کردیا۔ اور اونکے دلوں میں تمہارا ایسا رعب بٹھادیا کہ تم اونکو قتل کرنے لگے

اور قید کر کے غلام بنانے اور اونکی زمین باغات اور مکانوں کے مالک ہوگئے۔ سورہ التوبہ رکوع ۴ میں یہ حکم ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ خدا ہی پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ اللہ اور اوسکے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ سچے دین ہی کو اختیار کرتے ہیں (یعنی مسلمان نہیں ہو جاتے) اون لوگوں کو قتل کئے جاؤ، یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔ پھر اسی سورہ کے رکوع ۱۶ میں ہے کہ اے مسلمانوں کفار میں سے جو لوگ تمہارے آس پاس ہیں اونکو قتل کئے جاؤ کہ وہ تم میں کرارپن محسوس کریں۔ غرض سورہ التوبہ کے نزول کے وقت خداوند عالم نے اہل کتاب وکفار دونوں کا خاتمہ کردیا اور صاف صاف حکم ہوا کہ جب تک تم مسلمان نہیں ہوگے اوس وقت تک تم کو پناہ نہیں ہے۔ سورہ التوبہ غور سے پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسولخدا اور مسلمانوں کو وہ قوت اور اقتدار حاصل ہوگیا تھا کہ اسکے عوض کہ مسلمان غیروں سے ڈریں خود دوسرے مسلمانوں سے خوف کھاتے تھے۔ الغرض جب اسلام کو ہر طرح کا اطمینان حاصل تھا اور کفار واہل کتاب کو صاف صاف اسلام کی دعوت دیجا چکی تھی تو اوسکے بعد حجۃ الوداع کے زمانہ میں خداوند عالم کا یہ حکم کہ اے رسول تم کہدو کہ اہل کتاب اگر اپنی کتاب کے احکام کو قائم رکھیں گے تو اونکو صلاح و فلاح حاصل ہوگا ورنہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بالکل لغو و بے معنی ہے اور پھر ایسے حکم کے پہونچانے میں رسولخدا کا مضائقہ کرنا اور خدا کا متنبہ کرنا کہ اگر اہل کتاب سے نہ کہا گیا تو گویا کہ کوئی کام رسالت کا نہ ہوا اور بھی لغو اور مہمل ہے اور جن سے رسولخدا جزیہ لیویں یا اونکو اس قدر

قتل کریں کہ مسلمانوں میں کراہیں محسوس کر کے مرعوب ہیں اونسے رسولخداؐ کا ڈرنا بالکل جمع بین الاضداد ہے خصوصاً جب سورہ المائدہ رکوع ۱ میں خداوند عالم نے فرمادیا ہی کہ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی آج کے دن کافر تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔ پس اب تم اونسے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرو۔ اس حکم کے بعد بھی رسولخداؐ کسی صورت میں کفار سے ڈر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ ارے جب خداوند عالم نے حضرت موسیٰ اور ہارون سے فرمایا قَالَ لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی یعنی خداوند عالم نے فرمایا تم دونوں بھائی مت ڈرو۔ بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں اور سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں سورہ طٰہٰ رکوع ۲۔ تو اس ارشاد کے بعد حضرت موسیٰ کبھی فرعون سے نہ ڈرے تو اس حکم کے بعد کہ اے میرے حبیب تم کفار سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرو۔ کیونکر رسولخداؐ کفار سے ڈرتے اور خدا کے حکم کی نافرمانی کرتے۔ لہٰذا آیہ یایہا الرسول بلغ میں جو رسولخداؐ کو خوف تھا وہ کفار سے ہرگز نہ تھا بلکہ یہ خوف مسلمانوں ہی سے تھا کہ وہ مرتد ہو کر خود رسولؐ سے جھگڑ پڑینگے اور رسولخداؐ کی ساری زندگی کی محنت اکارت جاویگی۔ غالباً رسولخداؐ کا منشا ہکا اوس حکم کو مدینہ جا کر سنادیں۔ لیکن خداوند عالم جانتا تھا کہ جہاں خلافت کی ہوس رکھنے والے ہونگے اور جہاں اونکے کنبہ اور قبیلہ کی کثرت وہاں منافقوں کو مخالفت کی زیادہ جراءت ہوگی۔ جیسا کہ صرف وصیت لکھنے کا ارادہ کرنے سے ظاہر ہو گیا۔ مگر جہاں ہر دیار کے مسلمان موجود ہونگے اونکے سامنے اور مقابلہ میں اہل مدینہ کو جراءت نہ ہوگی۔ بلکہ اونکی ہوا ہیں کم سے کم احکام الٰہی کو رسالتمآب کی زبانی سن لینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بعض اس آیہ زیر بحث کے بھی ٹکڑے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا یہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل ما بلغت رسالتہ ایک حکم ہے اور واللہ

یعصمک من الناس دوسرا حکم ہے اور یہ آخر ٹکڑہ اس لئے نازل ہوا کہ کفار اور اہل کتاب رسولخداؐ کو قتل کا ارادہ رکھتے تھے اور صحابہ باری باری رسولخداؐ کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ اس حکم حفاظت کے نازل ہونیکے بعد پہرہ چوکی موقوف ہوا۔ یہ سب قصہ اور حکایات معاویہ شاہی کے اختراعات ہیں جو اوسکے حکم سے حق پر پردہ ڈالنے کے لئے گڑھے گئے ہیں۔ جب مکہ میں رسولخداؐ کا خدا حافظ تھا اور پہرہ چوکی کی ضرورت نہ تھی تو پھر مدینہ میں جب ہر دین والوں کو رسولخدا مغلوب کر چکے تھے مکہ فتح ہو چکا تھا اور سارا عرب تابع ہو گیا تھا اور رسولخداؐ کو خداوند عالم کا حکم آچکا تھا کہ کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں اون سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرو۔ تب رسولخداؐ کفار سے کیا ڈرتے اور خدا کا بھروسہ چھوڑ کر پہرہ چوکی کی حفاظت میں بیٹھتے۔ ہجرت کے وقت تو رسولخداؐ حضرت ابوبکر کو سمجھا دیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے کفار سے مت ڈرو اور جب کفار کو نیست و نابود کر دیا تو خود اُن سے ڈرنے لگے اور خدا کو بھول کر پہرہ چوکی بٹھایا۔ خدا رحم کرے اُن پر جنھوں نے اس طرح کے لغویات گڑھے ہیں۔

الحاصل جامعین قرآن خلیفہ بن بیٹھے اور قرآن کے وارث اور مالک بنکر آیتوں کو اِدھر کا اُدھر کرکے قرآن کی پیشینگوئی کی تصدیق کردی کہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ یعنی ارادہ رکھتے ہیں کہ کلام خدا کو بدل دیںگے اور رسولخداؐ کو مجبور کیا کہ قیامت میں اُنکی شکایت کریں وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا یعنی رسولخداؐ شکایت کرینگے کہ پروردگارا میری قوم نے قرآن کو بکواس یعنی مہمل بنا دیا۔ اب اونکے تابعین کو نہیں معلوم ہے کہ یا یہا الرسول بلغ میں کس بات کی تبلیغ کا حکم تھا کہ خداوند عالم کو اس شان کی تاکید کرنے کی ضرورت ہوئی اور وہ بھی ایسی تاکید کہ جسکی مثال سارے قرآن میں نہیں ہے اور بیچارے طرح طرح کی بات بناتے ہیں لیکن کوئی بات پوری نہیں اُترتی۔ سب باتوں کی قرآن ہی

میں تردید موجود ہے۔

لیکن الحمد للہ حق ہیں اور حق جو کیلئے خداوند عالم نے وعدہ فرمایا ہے کہ اوس نے قرآن کو نازل فرمایا ہے اور وہ اوس کا محافظ ہے۔ اولاً جامعین قرآن کی عقلوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ جن آیتوں کو وہ گڑبڑ کرنا چاہتے تھے وہ اونکو ایسی جگہ نہ رکھ سکے جہاں کچھ جوڑ ملتا بلکہ جن آیات کو اونکی جگہ سے ہٹا کر بے جگہ رکھا ہے وہ خود پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہماری جگہ کی نہیں ہیں جیسا اس رسالہ میں واضح کیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ مفسرین نے بتا دیا ہے کہ جس آیت کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا ہے وہ کہاں کی ہے اور اونکا مقصود کیا تھا، اور رسولخداؐ نے اوس آیہ کی کیا اور کیونکر تعمیل فرمائی۔ چنانچہ امامؒ واحدی اپنی تفسیر میں۔ امام رازیؒ تفسیر کبیر میں نظامؒ اعرج تفسیر نیشاپوری میں۔ حافظؒ ابن کثیر شامی اپنی تفسیر میں۔ حافظؒ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں۔ علامہؒ عینی شرح صحیح بخاری میں۔ ابن مردویہؒ مناقب میں۔ اور امام شیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں:۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال کنا نقرءُ علی عهد رسول اللہ صلعم یاایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك اِنّ علیا مَولیَ المومنین وَان لم تفعل فما بلغت رسلتهٗ وَاللہ یعصمك من الناس۔	عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم لوگ جناب رسولخداؐ کے زمانہ میں اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ اے رسولؐ پہونچا دو اوس حکم کو جو تمہارے پروردگار کیطرف سے نازل ہوا ہے کہ علیؑ مومنین کے مولا ہیں۔ اگر تم نے

نہیں کیا تو میری رسالت ہی کو نہیں پہونچایا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا دیکھا جامعین قرآن نے یہ ظلم عظیم کیا کہ ان علیا مولی المومنین کو آیت سے غائب کر دیا تاکہ مقصود خداوند عالم کا پتہ نہ لگے اور لعبدہ اس آیہ کریمہ کو بے موقع اور

بے محل رکھکر خداوند عالم کے کلام کو بدلنے کا ارادہ کیا کہ کچھ کا کچھ سمجھا جاوے۔ یہی مصلحت تھی کہ وہ لوگ جنکے دلمیں قرآن کی وقعت اور محبت تھی اور جنھوں نے رسولخداؐ ہی کے زمانہ میں قرآن کو حفظ کیا تھا یا لکھ لیا تھا وہ قرآن کے جمع کرنے میں شریک نہیں کئے گئے اسلئے کہ وہ ان سب اولٹ پلٹ اور حذف واسقاط پر راضی نہ ہوتے اور یہ کام اونکے سپرد کیا گیا جنکو نہ قرآن کی کوئی قدر تھی اور نہ اوس سے ڈرتے تھے اور اوسکے ساتھ وہ سلوک کیا جو اس رسالہ میں واضح کیا گیا ہے۔ یعنی نہ حق پر پردہ ڈالنے سے ڈرے اور نہ معنی کو بدلنے کا ارادہ کرنے سے دریغ کیا۔

لیکن مفسرین نے صحیح بات بتاکر خداوند عالم کے وعدہ کو پورا کردیا کہ میں نے قرآن کو نازل کیا ہے اور میں اوس کا محافظ ہوں۔ غرض جامعین قرآن نے اس آیہ کریمہ سے ان علیا مولی المومنین کو غائب کردیا اب اونکے ہواخواہ اور تابعین کہتے ہیں کہ اس آیہ میں حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق اشارہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی صاف حکم ہو اور پھر کہتے ہیں کہ اگر حضرت علیؑ کی خلافت ایسی ہی ضروری تھی کہ بغیر اوسکے پہونچائے رسولخداؐ کی رسالت ناقص رہی جاتی تھی تو صاف حکم قرآن میں خلافت کے متعلق کیوں نہیں نازل کردیا۔ یہ ویسا ہی اعتراض ہے جیسا کوئی مفتری کسی دستاویز سے شے مقصود کو محو کردے اور بعدہٗ کہے کہ اوس شے کا دستاویز میں ذکر بھی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں دستاویز کے کاتب شاہد اور جنکے سامنے شے مقصود کا تذکرہ ہوا تھا بلائے جاتے ہیں کہ اوس دستاویز کا مقصود کیا تھا ویساہی عمل میں کرنا چاہتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ کس قدر ضروری حکم ہے کہ جسکے نہیں پہونچانے سے حسب آیت قرآن رسولخداؐ کی عمر بھر کی محنت اکارت ہوتی ہے۔ جیسا خدا فرماتا ہے وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ یعنی اگر اس حکم کو نہیں پہونچایا تو حق رسالت نہیں ادا کیا۔ اب سوال کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ پھر ایسے ضروری

حکم کو خداوند عالم صاف صاف کیوں نہیں فرماتا کہ مبہم رکھتا ہے ؟ نہیں نہیں
ایسا حکم راز میں نہیں رکھا جاسکتا تھا ضرور ہے کہ خداوند عالم اوسکو صاف صاف
جزو قرآن قرار دیوے۔ اثنا عشرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں یہ تھا ان علیا مولی
المومنین جو خلافت پر قبضہ کرنے والے کے خلاف تھا۔ اس لئے اس جملہ کو غائب
کردیا۔ یہی وہ حکم ہے جسکی رسولخداؐ کے آخر وقت میں ضرورت تھی ۔یہی وہ حکم ہے
جسکے متعلق ایسی تاکید شدید ہے کہ قرآن میں اوسکی دوسری مثال نہیں ہے اور یہی
وہ حکم ہے جس کو پہونچاتے ہوئے رسولخداؐ منافقین سے ڈرتے تھے۔ اگر خداوند عالم
یہ نہ بتاتا کہ بعد رسولخداؐ امت کو کسکی پیروی کرنا چاہئے تو خود قرآن ناقص رہتا اور
اوس پر کذب کا الزام عائد ہوتا۔ قرآن کا دعویٰ ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ
ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ یعنی ہم نے قرآن میں کوئی بات نہیں چھوڑا ہے
پھر سب کے سب اپنے پرور دگار کے حضور میں لائے جاویں گے (سورہ الانعام ع ۴)
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ
لِلْمُسْلِمِينَ یعنی اے رسولؐ ہم نے تم پر قرآن نازل کیا ہے جسمیں ہر چیز کا بیان ہے اور
مسلمانوں کے لئے ہدایت رحمت اور خوشخبری ہے۔ سورہ النحل رکوع ۱۳
غرض جب قرآن کا دعویٰ ہے کہ اوسنے کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے اور سب بات
بیان کردیا ہے اور مسلمانوں کو بتا دیا ہے تو اس دعوی کے پورا کرنے کے لئے ضرور
ہے کہ مسلمانوں کو بتادے کہ رسولخداؐ کے بعد اونکو کیا کرنا چاہئے اور کس کی پیروی کرنی چاہئے
یاد کیجئے کہ جب جب رسولخداؐ نے کہیں ایک جماعۃ مسلمانوں کی روانہ فرمایا ہے یا
اپنے سے علیحدہ کیا ہے تو ضرور اونکا ایک امیر نامزد کردیا ہے۔ مثلاً جب قریب ستر
مسلمانوں کو حبشہ کی ہجرت کا حکم دیا ہے تو حضرت جعفر کو اونکا امیر مقرر فرمادیا ہے
اور جب مہم موتہ پر لشکر روانہ فرمایا ہے تو زید ابن حارثہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور

حکم ہوا کہ اگر زید شہید ہو جاویں تو حضرت جعفر امیر لشکر ہونگے اور جب وہ شہید ہو جاویں تو زید بن رواحہ جنکے بعد کچھ حکم نہ فرمایا اور مقصود یہ تھا کہ انکی شہادت کے بعد واپس آنا چاہیے جنگ مناسب نہیں ہے۔ پس جو اللہ کا رسولؐ مسلمانوں کے ایک گروہ کے لئے اتنا انتظام کرے کہ کسی حالت میں اونکو بے امیر کے نہ چھوڑے وہ خود اپنے انتقال کے وقت سارے عرب کے مسلمانوں کو نہ بتاوے کہ بعد حضرت مسلمانوں کا کون امیر ہوگا۔ کون بیت المال کا انتظام کریگا۔ کون خمس۔ زکوٰۃ و دیگر احکامات قرآن پاک کو جاری کریگا۔ کون جہاد کا حکم دیگا وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اپنے بعد بے سر کی فوج چھوڑ گئے اور مسلمانوں میں دنگا فساد اور خون ریزی کی بنیاد قائم کر گئے۔ اور پھر خداوند عالم کیونکر راضی ہوتا کہ قرآن میں یہ دعوی کرنے کے بعد کہ میں نے کوئی بات نہیں چھوڑی اور سب باتیں مسلمانوں کو بتادی ہے ایسے عظیم الشان مسئلہ کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کو نہ بتائے کہ بعد رسولؐ اونکو کیا کرنا چاہیئے اور کس کو امیر اور خلیفہ بنانا چاہیئے اور اپنے دعوی کی تکذیب گوارا فرماوے۔ ہاں جن لوگوں نے دنیاوی ہوس میں اس بارہ میں جو خدا اور رسولؐ کا حکم تھا اوسکو پس پشت ڈالدیا۔ البتہ اپنی عیب پوشی کیلئے کہیں گے کہ نہ قرآن نے کوئی حکم خلافت کے بارے میں صادر فرمایا اور نہ رسولؐ نے کچھ ارشاد فرمایا اگرچہ ایسا کہنے سے بہت سی آیات قرآنی کی تکذیب بھی ہو۔ چنانچہ اہلسنت والجماعۃ کہتے ہیں کہ یہ بات مسلمانونکو نہیں بتائی گئی اور وہ آزاد چھوڑ دیئے گئے کہ کہیں اجماع۔ کہیں استخلاف۔ کہیں شوری کہیں قہر واستیلاء کے مکر و فریب سے آل رسولؐ کو اونکے حق سے محروم کرکے خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ کے مصداق بنا کریں اور اگر حق شناس اونکی خلافت اور امارت پر ایمان نہ لاویں تو اونکو کافر سے بدتر کہکر اونکے طعام کو حرام کہیں اور اونکو قتل و غارت کریں اور طرح طرح کے ظلم اونپر ڈھائیں۔

لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن سچا اوس کا دعوی سچا اور اوس نے ضرور تعلیم دی ہے کہ مسلمانوں کو رسول ص کے بعد کیا کرنا چاہئے۔ کیا جس خدا نے مسلمانوں کو ذری ذری بات کی تعلیم دی ہے۔ مثل غسل طہارت۔ کھانا پینا۔ دوا ایسے مسئلہ کیطرف سے خاموشی اختیار کرتا جس سے اسلام پاش پاش ہونے والا تھا۔ نہیں نہیں اولاً خداوند عالم نے عام طور سے آل رسول ص کے ساتھ محبت و الفت کرنیکو حکم دیا بعدہٗ عام طرح سے اطاعت و فرماں برداری کا حکم ہوا کہ حضرت علی ۔ فاطمہ ۔ حسن اور حسین علیہم السلام کو میدان مباہلہ میں طلب کر کے اونکے منہ سے جھوٹوں پر لعنت کہلا کر مثل روز روشن ثابت کر دیا کہ یہ صادق اور سچے ہیں اوسکے بعد حکم دیا کہ یا یہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین یعنی اے مسلمانو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ پھر فرمایا انما ولیکم اللہ الخ یعنی بس اللہ اور رسول اور وہ مومن جو حالت رکوع میں زکوۃ دے مسلمانوں کے مولا ہیں اور جو لوگ ان تینوں فرد یعنی اللہ اور رسول ص اور اوس مومن خاص کی ولایت قبول کریں وہی لشکر خدا ہیں اور غالب ہیں۔ پھر آل رسول ص کی محبت واجب کیا اور جب مسلمانوں کو اعتراض ہوا تو سمجھایا گیا کہ انکی محبت کا واجب کرنا تمہاری ہی بھلائی کے لیئے ہے نہ کہ رسول یا آل رسول ص کے ذاتی نفع کے لئے ہے۔

غرض یہ سب تعلیم تھی تاکہ مسلمانوں کے دلوںمیں آل رسول ص کی طرف سے جو حسد و بغض تھا وہ کم ہو اور وہ حکم آخری سُننے کیلئے تیار ہو جاویں لیکن افسوس کہ آخری حکم سُننے کیلئے تیار ہونے کے عوض جو خلافت اور سلطنت کی ہوس رکھتے تھے اونکا بغض بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ رسول خدا ص کو خوف ہوتا تھا کہ اگر حضرت علی ع کی خلافت کا ذکر کیا گیا تو وہ لوگ مرتد ہو جاویں گے اور اونکی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمان بھی ثابت قدم نہ رہیں گے اور ساری عمر کی محنت رائیگاں

جاویگی۔ یہی خوف حضرت کو اپنے بعد کی خلافت کا ذکر کرنے سے روکتا تھا لیکن خداوند عالم اپنی مشیئت آپ جانتا ہے اور تاکہ قرآن کا یہ دعوی کہ سب باتیں مسلمانوں کو بتادی ہیں ناقص نہ رہجاوے یہ حکم تاکیدی نازل فرمایا کہ اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کیطرف سے نازل ہوا ہے کہ علیؑ مومنین کے مولا و سردار ہیں اوسکو پہونچادو اگر ایسا نہ کیا تو گویا کہ حق رسالت نہیں ادا کیا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا۔ یہ تاکیدی حکم قرآن پاک کے قاعدے کے بالکل مطابق ہے کہ جس امر واجب اور مستحسن کیطرف انسان غفلت یا نافرمانی کرنے والا ہوتا ہے اوسکی تاکید کرتا ہے اور جس فعل بد کیطرف رغبت کرنے والا ہوتا ہے اوسکو منع کرتا ہے جیسا اوپر عرض ہوا ہے۔ پس چونکہ خلافت کے جھگڑے سے بدترین جھگڑا اسلام میں کوئی نہیں ہے۔ یہ ایسا جھگڑا ہے کہ اسمیں اختلاف کرنے والے ایک دوسرے کو کافر ومنافق۔ بلکہ کافر سے بدتر کہنے میں نہیں پرہیز کرتے۔ لہذا اس مسئلہ کا فیصلہ کرکے حجۃ خدا ختم کرنا ضرور تھا اور چونکہ یہ مسئلہ مسئلہ رسالت سے کم اہمیت نہیں رکھتا اس لئے خداوند عالم نے اس مسئلہ کا حکم سنانے کو رسولخداؐ کو مجبور کیا اور فرمادیا کہ اگر یہ حکم نہیں سنایا تو گویا کہ رسالت کا حق نہیں ادا کیا کیونکہ آپکی رسالت کا منشاء انسان میں اتفاق اور اتحاد پیدا کرکے اونکو مہذب اور امن پسند بنانا تھا اور مسئلہ خلافت اونیں پھر نفاق۔ کشت وخون اور درندگی پیدا کرنے والا تھا۔ لہذا اس تاکید سے خداوند عالم نے اپنی حجۃ ختم کرائی۔

اس تاکیدی حکم کے نازل ہوتے ہی رسولخداؐ کو ایک لمحہ بھی دیر کرنیکا موقع نہ رہا اور خم غدیر میں نزول فرمادیا اور معمول بہ منزل تک پہونچنے کا بھی انتظار نہ فرمایا۔

اس سے اون مفسرین کی تصدیق ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ آیہ یا ایہا الرسول بلغ عرفات کے دس روز بعد نازل ہوا۔ اس لئے کہ اگر حج کا ارکان ختم کرکے مکہ

سے کوچ کیا جاوے تو خم غدیر پر حاجی ۱۸ ذی الحجہ تک پہنچیں گے اور یہی تاریخ اس آیہ کے نزول اور رسولخدا کے ارشاد کی کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ صحیح ہے۔ چنانچہ اس واقعہ سے یورپین مورخین نے جن کو شیعہ اور سنی کے جھگڑے سے کوئی سروکار نہیں ہے یہی سمجھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا۔

(۱) مسٹر ڈیون پورٹ جن کا ذکر آیہ انذر عشیرتک الاقربین کے موقع پر کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ دو فرقوں شیعہ سنی میں سے ایک اُن (محمدؐ صاحب) کے عمزاد بھائی اور داماد علیؑ سے جیسا کہ بمقتضائے انصاف وحمیت ہے تولا رکھی بایں نظر کہ آنحضرتؐ ان سے ہمیشہ محبت والفت علانیہ رکھتے تھے اور چند مرتبہ انکو اپنا جانشین بھی ظاہر کیا تھا۔ علی الخصوص دو موقعوں پر (۱) آیہ انذر عشیرتک الاقربین کے موقع پر جیسا اوپر عرض ہوا ہے (۲) دوسرے جب آنحضرتؐ نے اپنے انتقال سے چند ماہ بیشتر ۱۸ اپریل ۶۳۱ء کو جبرئیلؑ کا لایا ہوا ایک خطبہ ایک گاؤں میں جس کا نام غدیر خم ہے اور دو نواح جحفہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ بہت سے لوگوں کو جمع کر کے بڑی شان وشوکت سے ایک منبر پر جو اسی کام کیلئے نصب کیا گیا تھا پڑھا جسمیں حمد خداوندی کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو تین دفعہ جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور تینوں دفعہ یہ حکم لائے کہ میں اپنے ماننے والوں سے خواہ گورے ہوں یا کالے یہ ظاہر کردوں کہ علیؑ میرے خلیفہ اور وصی اور امام ہیں۔ میرے گوشت وخون ہیں۔ میرے لئے ویسے ہی ہیں جیسے ہارون موسیٰ کے لئے۔ خدا نے انکو بڑی خوبیاں عنایت فرمائی ہیں۔ میرے بعد انکی فرمانبرداری ویسی ہی کرنا چاہئے جیسی میری فرمانبرداری کرتے ہو۔ اس خطبہ کے تمام ہونے پر ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے علیؑ کے ہاتھ چومے اور اونکو اس جانشین پر مبارکباد دی اور

اقرار کیا کہ تمام احکام کو سچے عنوان سے بجالائیں گے۔

(۲) مسٹر ہاٹلر لکھتے ہیں۔ محمدؐ نے خود ہی اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولخداؐ مسلمانوں سے خائف تھے اگر ایسا ہوتا تو من الناس نہیں کہا جاتا بلکہ من المومنین یا من المسلمین کہا جاتا کیونکہ مدنی سورتوں میں الناس کا لفظ کفار کیلئے استعمال کیا گیا ہے اور جو لوگ ایمان لا چکے تھے اونکے لئے مومنین استعمال کیا گیا ہے۔ صحیح معنی ہضم کرنے کے لئے کیا کیا بے بہا دلیلیں پیش کیجاتی ہیں۔ کیا کوئی مسلمان اور مومن ہونے سے انسانیت سے خارج ہوجاتا ہے کہ اوسکے لئے خداوند عالم الناس کا لفظ نہیں استعمال کرتا؟ حالانکہ یہ دعوٰی ہی بالکل غلط ہے۔ الناس کا لفظ مومن۔ منافق اور کافر سب کے لئے استعمال کیا گیا۔ مثلاً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ۔ یعنی بعض ایسے ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے (سورۃ البقرہ رکوع ۲) یہاں الناس کا لفظ منافق کے لئے استعمال ہوا ہے۔ پھر اوسی رکوع میں مومن کیلئے استعمال ہوا ہے:۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ یعنی جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جیسا کہ سچے مومن ایمان لائے ہیں۔ پھر رکوع ۲۵ میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ یعنی اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔ یہ آیت مومن خالص کے لئے ہے جسمیں الناس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا اس موقع پر رسولخدا صلعم مسلمانوں سے خائف تھے یا کفار سے اوس کا پتہ صرف لفظ الناس سے نکالنا شعبدہ بازی اور دھوکا ہے۔ اس کا پتہ بس واقعات اور تفسیر سے چل سکتا ہے

ممکن ہے کہ یہاں بھی مکی مدنی کا جھگڑا پیش کیا جاوے کہ مکی آیتوں میں الناس کافر اور مومن دونوں کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن مدنی آیتوں میں الناس مسلمانوں کے لئے نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بھی بالکل غلط ہے جیسا اوپر عرض ہو چکا ہے کہ مکی آیتیں جنکو اول میں ہونا چاہئے تھا اونکو جامعین قرآن نے آخر میں ڈالدیا ہے اور مدنی آیتیں اور سورتیں جن کو آخر میں آنا چاہئے تھا اونکو آغاز میں رکھدیا ہے چنانچہ سورہ البقرہ جس سے میں نے آیتوں کو پیش کیا ہے وہ پورا کا پورا مدنی ہے جیسا سورہ المائدہ جسمیں آیہ زیر بحث ہے وہ بھی مدنی ہے لہذا اس جھگڑے کی کوئی گنجائش نہیں ہے سوروں کے آغاز میں ہونے سے یہ گمان کرنا کہ مکی ہیں اور آخر میں ہونے سے یہ گمان کرنا کہ مدنی ہیں بالکل غلط ہے بلکہ زیادہ تر قرآن کا مجموعہ اسکے خلاف ہے۔

بہر کیف حج آخری کے وقت مکہ وغیرہ سب فتح ہو چکا تھا اور کافروں کا ذرہ برابر خوف وخطر نہ تھا اور رسولخدا صلعم کا دین سب دینوں پر غالب ہو چکا تھا اور خوف کے عوض رسولخدا ص کو امن اور اطمینان حاصل ہو چکا تھا لہذا رسولخدا ص کو کفار کا تو خوف تھا ہی نہیں۔ ہاں اونکا البتہ خوف تھا جو بظاہر مسلمان ہوئے تھے اور حصول وہیلہ کے لئے رسولخدا صلعم کی وفات کا انتظار کر رہے تھے جنھوں نے رسولخدا ص کو وصیت نہیں لکھنے دی اور کہدیا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ غرض رسولخدا ص تیور سے پہچانتے تھے کہ منافقین حضرت علی ع سے بغض رکھتے ہیں اور اگر آپکو مولائے مومنان فرما کر اپنے بعد آپکی خلافت قائم کرینگے تو پوشیدہ بغض کھل پڑیگا اور لوگ مرتد ہو کر آپ ہی سے جھگڑنے لگیں گے اور جس دین کو اس قدر محنت اور تکلیف برداشت کرکے قائم کیا تھا وہ آغاز ہی میں خراب و برباد ہو جاویگا اور مصداق اس کا ہوگا ہ

درختے کہ اکنوں گرفت است پاے بہ نیرو شخصے برآید ز جاے

ان سب کی طرف سے اطمینان دلانے کے لئے خداوند عالم نے حضرت رسول سے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم آپکو محفوظ رکھیگا اور آپ کے ساتھ بے ادبی اور جھگڑا نہیں ہوگا۔

اس تاکیدی حکم کے بعد رسولخداؐ کو اب موقع ذرہ برابر دیر کرنے کا نہ رہا اور نہ اتنا توقف فرمایا کہ اچھے منزل پر پہونچکر اس حکم کی تعمیل فرمادیں۔ اس آیہ کریمہ کا نازل ہونا تھا کہ ایک غیر معمولی مقام پر جسے خم غدیر کہتے ہیں اوتر پڑے اور جو آگے چلے گئے تھے اونکو واپس بلایا اور جو پیچھے تھے اونکا انتظار کیا یہانتک کہ کل میدان مسلمانوں سے بھر گیا اور کجاوؤں کا منبر بناکر اوس پر تشریف لے گئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا جو علامہ شہاب الدین احمد نے اپنی مشہور کتاب توضیح الدلائل میں لکھا ہے اور اسکے بعض بعض مقامات کو اکثر مفسرین اور راویوں نے لکھا ہے۔ میں بخوف طوالت اس خطبہ کا صرف اردو ترجمہ اسوۃ الرسول سے نقل کرتا ہوں:

میں خدا کی نعمتوں کیلئے اوس کا حمد ادا کرتا ہوں جو میری ذات میں اوسکی طرف سے ودیعت ہوئے ہیں اور اون امتحان و بلا کیلئے بھی منت گزار ہوں جو میری عترت اور اہلبیتؑ پر نازل ہونے والے ہیں اور دنیا کی ناگوار مصیبتوں اور آخرت کی مہلک زحمتوں پر اوس سے مدد مانگتا ہوں۔ پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ سواے خداے واحد کے اور کوئی نہیں ہے وہ بالکل یکتا ہے اور بڑی عظمت والا ہے اوس نے اپنے لئے کوئی زوجہ یا فرزند یا مددگار نہیں قرار دیا ہے اور اوسکے بندوں میں سے میں بھی ایک بندہ ہوں لیکن اوس نے اپنی پیغمبری کے لئے مجھکو تمام خلق پر بھیجا ہے تاکہ وہ لوگ جو ہلاک

ہونے والے ہیں وہ ایک حجت کے ساتھ ہلاک ہوں اور جو نجات پانے والے ہیں وہ ایک حجت کے ساتھ نجات پائیں۔ مجھے خدا نے تمام عالم میں کہ جس میں تمام اولین و آخرین بھی شامل ہیں برگزیدہ فرمایا ہے اور کنجیاں خزانے کی مجھے عطا فرمائی ہے اور جو عہد کہ مجھ سے فرمایا ہے اس کا مجھ سے استحکام فرمایا ہے اور اپنا راز میرے سپرد کیا ہے اور میری امداد کی ہے۔ اس وجہ سے مجھے اوس کی بصیرت حاصل ہوئی ہے۔ پس میں آغاز کرنے والا ہوں اور میں ہی انتہا پر پہونچانے والا ہوں۔ سوائے ذات اقدس الٰہی کے اور کسی ذریعہ سے قوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اے لوگو خدا سے اتنا ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو مگر دین اسلام پر اور یاد رکھو خدا تمام چیزوں پر احاطہ کئے ہوئے ہے قریب ہے کہ میرے بعد کچھ قومیں ہونگی وہ مجھ پر تہمتیں باندھیں گی اور لوگ اونکے جھوٹ کو قبول کرینگے۔ مگر خدا کی پناہ اگر میں خدا کیطرف سوائے امر حق کے اور کچھ زبان پر لاؤں اور سوائے سچ کے اوسکے حکم کے خلاف کچھ اور بات کہوں اور سوائے اوس حکم کے جو خدا نے مجھے دیا ہے میں تمہیں کوئی اور حکم کروں اور سوائے اللہ کے اور چیزوں کیطرف تمہاری دعوت کروں اور جو لوگ ظالم ہیں وہ بہت جلد جان لینگے کہ کیسی بازگشت اونکی ہونے والی ہے (خطبہ کے اس مقام پر آپ پہونچے تھے کہ عبادہ بن صامت کھڑے ہوگئے اور پوچھا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کب ہوگا۔ اور وہ کون لوگ ہیں ہمیں بتا دیجئے اور پہچنوا دیجئے تاکہ ہم اون سے پرہیز کریں) آنحضرتؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو ابتدا سے ہماری دشمنی کے لئے آمادہ ہیں اور جب میری جان یہاں تک پہونچیگی (حلق مبارک کیطرف اشارہ کر کے) اوس وقت ظاہر ہونگے۔ عبادہ نے کہا پھر ایسے وقت میں کس کی طرف رجوع کریں۔ فرمایا کہ تم اون لوگوں کی پیروی اور اطاعت کرو جو میری عترت میں سب سے زیادہ پیش قدم ہیں اور میری پیغمبری کے علم کے لینے والے ہیں۔ وہی تم کو گمراہی سے باز رکھینگے اور نیکی کیطرف دعوت کرینگے۔ یہی

اہلبیتؑ اہل حق ہیں۔ صدق و راستی کے معدن ہیں۔ کتاب و سنت کو تم لوگوں میں زندہ رکھینگے اور الحاد و بدعة سے تم کو بچائیں گے۔ حق کے ذریعہ سے باطل کو پست کرینگے اور کسی جاہل کیطرف میلان نہ کرینگے۔ اے لوگو خدا نے مجھے اور میرے اہلبیت کو ایک مٹی سے بنایا ہے اور اوس سے سوا میرے اور میرے اہلبیت کے کسی اور کو نہیں بنایا ہے ہم اول وہ لوگ ہیں کہ جنکی سب سے اول خلقت ہوئی اور جب خدا ہم کو پیدا کر چکا تو ہمارے نور سے تاریکی کو روشن کر دیا اور پھر ایک طینت کو ہمارے سبب سے زندہ کیا۔ اور فرمایا یہ لوگ بہترین امت سے ہیں۔ میرے علم کے حامل ہیں۔ میرے اسرار کے خازن ہیں اور اہل زمین کے سردار ہیں۔ حق کیطرف دعوت کرنے والے ہیں اور راستی کے ساتھ خبر دینے والے ہیں اونکو کبھی شک نہیں ہوتا۔ کوئی عیب اونکو عارض نہیں ہوتا۔ یہ کبھی راہ خدا سے پیچھے ہٹنے کے نہیں۔ کبھی خدا کے عہد کو توڑتے نہیں۔ یہ وہ ہادی ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔ ائمہ راشدین ہیں جو انکی ولایت واطاعة کے ساتھ میرے پاس آئے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جو انکی عداوت لیکر آئے وہی گمراہ ہے انکی محبت ایمان ہے۔ انکا بغض نفاق ہے۔ یہی ائمہ ہدایت کرنے والے اور احکام خدا کی مضبوط رسیاں ہیں۔ انھیں کے ذریعہ سے اعمال صالح تمام ہوتے ہیں اور انھیں کی محبت کا ہمیشہ اولین اور آخرین سے عہد لیا گیا ہے اور یہی وہ ارحام ہیں جنکی قسم خدا نے تم کو دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ڈرو اوس خدا سے جسکے متعلق تم سے سوال کیا جائیگا اور ارحام سے بیشک خدا تمہارا نگہبان ہے اور انکی محبت کیطرف تمکو دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے محمدؐ میں تم سے اجر رسالت سوا اسکے کچھ اور نہیں چاہتا کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے خدا نے ہر عیب و نجاست کو دور کر کے طیب و طاہر کیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جب گویا ہوتے ہیں تب نہایت راست گو ہوتے ہیں اور جب اون سے کوئی بات پوچھی جاتی ہے اوس وقت

بڑے جاننے والے ثابت ہوتے ہیں اور جو چیز اونکے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے اوسکی حفاظت کرتے ہیں اور میرے اہلبیت میں دس خصلتیں ایسی ہیں کہ سوا اونکے اور کسی میں وہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ علم۔ حلم۔ نبوت۔ بزرگی۔ شجاعت۔ راستگوئی۔ پاکیزگی۔ عفت۔ یہی لوگ کلمہ تقویٰ ہیں۔ یہی وسیلہ ہدایت ہیں۔ حجبت عظمیٰ ہیں عروۃ الوثقیٰ ہیں۔ یہ لوگ بموجب ارشاد خدا تمہارے سید و سردار ہیں اور جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں وہ میرے خدا کا حکم ہے۔ حاضرین آگاہ ہو (حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا) کہ جس کا میں مولا ہوں بس علیؑ اوسکے مولا ہیں۔ خدایا دوست رکھ اوسکو جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اوسکو جو اسے دشمن رکھے اور مدد کر اوسکی جو مدد کرے اوسکی اور ذلیل کر اوسکو جو اوسکو ذلیل کرے۔ حاضرین علیؑ کے بارے میں خدا نے وحی فرمائی ہے کہ وہ سید المرسلین ہے۔ پرہیزگاروں کا اور نیکوکاروں کا امام ہے اور اون لوگوں کا پیشوا ہے جنکی پیشانیاں نورانی ہیں اور جو کچھ خدائے سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے وہ میں نے تمہیں پہونچا دیا اب علیؑ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں اور اپنے لئے اور تمہارے لئے مغفرت کا خواستگار ہوں۔

اس خطبہ مبارکہ سے مثل روز روشن واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کے درمیان کچھ لوگ ایسے تھے جو ابتدا ہی سے رسولخداؐ کے ساتھ دشمنی کے لئے آمادہ تھے جنھوں نے قریب وفات سرور کائنات ظاہر ہوکر تہمتیں باندھیں اور لوگوں نے اونکے جھوٹ کو قبول کیا اور انھیں کی طرف وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ میں اشارہ ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ رسولخداؐ کی وفات کے قریب کون کون دشمن ظاہر ہوئے حکم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر عمر وغیرہ حضرت اسامہ کے ساتھ شام چلے جاویں لیکن یہ لوگ عدول حکمی کرتے ہیں اور نہیں جاتے۔ رسولخداؐ بددعا فرماتے ہیں کہ خدا اوس شخص پر لعنت کرے جو جیش اسامہ کے ساتھ جانے میں پہلو تہی کرے اور یہ لوگ لشکر

میں انگلی دے لیتے ہیں حکم ہوتا ہے کہ کاغذ دوات لاؤ ایسی وصیت لکھدوں کہ پھر میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے یار لوگ مانع ہوتے ہیں اور کہتے ہیں (معاذ اللہ) کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے۔ مجھکو اسکی وصیت کی حاجت نہیں ہے۔ میرے لئے کتاب خدا کافی ہے اور بعد وفات کفن دفن چھوڑ کر سقیفہ میں دنیا طلبی کے لئے دوڑ جاتے ہیں۔ جنکے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے ؎

اہل دنیا کار دنیا ساختند — مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند

یہ وہ دشمن ہیں جنکی خبر خود قرآن پاک میں ہے ہم انکی بھی خبر ہے جنھوں نے انکی تہمت اور جھوٹ کو قبول کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الفرقان رکوع ۳ :-

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ۝ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝ یعنی جس دن ظلم کرنے والا افسوس اور حسرت سے اپنے ہاتھ کو دانتوں کاٹیگا اور کہیگا کاش رسولؐ کے ساتھ میں سیدھا راستہ پکڑے ہوتا۔ ہائے افسوس میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔ بے شک نصیحت آنیکے بعد اس نے مجھکو گمراہ کر دیا اور شیطان تو آدمی کا رسوا کرنے والا ہی ہے۔ رسول بارگاہ خداوندی میں عرض کرینگے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے تو اس قرآن کو بے معنی اور لغو بنا دیا تھا (خدا فرماتا ہے) اور ہم نے اسی طرح گنہگاروں میں سے ہر نبی کے لئے دشمن پیدا کیا ہے اور تمہارا پروردگار ہدایت اور مدد کے لئے کافی ہے۔

ان آیات کو واقعات سے تطابق دیجئے تو کوئی شبہ نہیں رہتا کہ کون مراد ہے

گویا کہ جنکی طرف ان آیات میں اشارہ ہے۔ انھیں کیطرف رسولخداؐ کے خطبہ میں اشارہ ہے۔ انھیں کے ہاتھ میں قرآن کی وہ گت ہوئی جو اس رسالہ میں ظاہر کی گئی ہے جس سے وہ مہجور ہوا۔ انھیں کو جناب علی مرتضیٰ اپنے مشہور خطبہ شقشقیہ میں فلاں فلاں فرماتے ہیں۔ انھیں کے کذب کو کہ قرآن پاک میں نہ خلافت کے متعلق کوئی حکم ہے اور نہ قرآن آل رسولؑ کی کوئی خصوصیت بتاتا ہے اور فقرا کو کہ گروہ انبیاء نہ میراث لیتے ہیں اور نہ اپنی اولاد کیلئے میراث چھوڑتے ہیں۔ لوگوں نے قبول کر کے اپنی عاقبت خراب کی ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کا کینہ پوشیدہ رسولخداؐ کے آخر وقت میں کھل پڑا اور رسولخداؐ کے ساتھ عدول حکمی اور بے مروتی کے مرتکب ہوئے۔

جن کو انکار ہو وہ فرمادیں وہ کون رسولخداؐ کا دشمن تھا جسکی خبر قرآن پاک میں ہے؟ وہ کون دشمن تھا جو رسولخداؐ کے آخر وقت میں ظاہر ہوا؟ وہ کون تھا جس نے قرآن کو اولٹ پلٹ کر بے معنی کر دیا ہے؟ وہ کون تھا جسکی طرف وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس میں اشارہ ہے۔ اگر آپکو ایسا کوئی شخص نہیں ملتا تو میں جن کا پتہ دیتا ہوں اونکو پہچان کر قرآن کی تصدیق کیجئے۔ اور دھوکے میں نہ رہئے ورنہ آئندہ افسوس حسرت کام نہ دیگی اور جسکے متعلق رسولخداؐ نے خطبہ میں وصیت فرمائی ہے یعنی علیؑ اور اولاد علی اونکا دامن پکڑ کر حیات ابدی حاصل کیجئے۔

اگر کوئی صاحب کہیں کہ واقعات غدیر خم کے اور خطبہ مذکورہ بالا کے بہت قبل آیہ یا ایہا الرسول بلغ کا نزول ہوا تھا تو اولاً اونکو یہ بتانا چاہئے کہ وہ کون سا ایسا ضروری مسئلہ تھا جو آخر وقت تک نہیں بیان کیا گیا تھا اور جسکے بغیر بیان کئے رسولخداؐ صلعم حق رسالت سے سبکدوش نہیں ہوتے تھے۔ دوسرے جیسا حکم تاکیدی ہے ویسا ہی مہتم بالشان اوسکی تعمیل ہونا چاہئے۔ ویسا اہتمام

ویسا انتظام کس مقام پر ہوا جیساکہ رسو لخدا نے غدیر خم پر فرمایا۔ مجھکو تو کوئی واقعہ تاریخ اسلام میں ایسا نظر نہیں آتا کہ جسمیں رسو لخدا صلعم نے ویسا انتظام مجمع کا کیا ہو جیساکہ غدیر خم پر۔ اور پھر اگر کوئی امر دفعتاً لاحق نہیں ہوا تو کیا ضرورت تھی کہ عرفات کا میدان اور مجمع چھوڑ کر رسو لخدا ایسے ویرانے اور غیر معمولی جگہ پر منزل فرماتے۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ آیہ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ نے نزول کرکے رسو لخدا کو آگے قدم بڑھانے سے روک دیا اور بہ تعمیل حکم خداوندعالم جو فرمانا تھا وہ اس خطبہ مذکورہ میں ارشاد فرمایا یعنی مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ اس کا ترجمہ شبلی صاحب یوں فرماتے ہیں جس کا میں محبوب ہوں اوس کا علی محبوب ہونا چاہئے الہی جو علی سے محبت رکھے اوس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اوس سے تو بھی عداوت رکھ۔

ماشاء اللہ شبلی صاحب نے کیا ہی خوب ترجمہ فرمایا ہے کُنْتُ ماضی کا صیغہ ہے جسکے معنی تھا کے ہے نہ کہ ہیں اور ہوں۔ پھر محبوب ہونا چاہئے کہاں سے آیا؟ ایک لفظ بھی اس ارشاد نبوی میں نہیں ہے جس سے کسی امر کی فرمائش یا حکم کے معنی نکلتے ہوں۔ پھر حرف ف کا ترجمہ ہضم کرگئے جو شرط کی جزا کیلئے یا تقدیم و تاخیر کے لئے آتا ہے۔ غرض صیغہ کے اعتبار سے لیکن زوائد کو ترک کرکے اور متروک کو قائم رکھکر شبلی صاحب کے مذاق کے مطابق یہ ترجمہ ہوگا کہ میں جس کا محبوب تھا اب علی اوس کا محبوب ہے۔ یہ نیا انداز کسی سے لوگوں کی عداوت اور بغض دفع کرنے کا ہے واقعی اگر کسی نے حضرت علی کی شکایت کی تھی اور اوس کا دفعیہ رسو لخدا کو منظور ہوتا تو صرف اونھی لوگوں کو سمجھا دیتے اس اہتمام اور مجمع کی کیا ضرورت تھی اور پھر الفاظ حسب حال اور موزوں استعمال فرماتے مثلاً یوں کہنا زیادہ فصیح ہوتا ان کنتم تحبونی فاحبوا علیا یعنی اگر تم

لوگ ہم کو دوست رکھتے ہو تو علیؓ کو دوست رکھو۔ لوگوں کو محبت ہو یا نہ ہو محبت ہو کر بغض سے بدل جاوے یا بغض محبت سے بدل جاوے لیکن رسولخداؐ کو تو ہمیشہ دین اسلام سے اور مسلمانوں سے محبت تھی اور بعد وفات بھی ہے تب حضرت اپنی محبت کا اختتام کیونکر ارشاد فرماتے ہیں کہ میں جس کا محبوب تھا اب علیؓ اوس کے محبوب ہیں۔ اس معنی کے قباحت کو دیکھکر دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علیؓ اسلام اور مسلمانوں کے ایسے ہی دوست درفیق ہیں جیسے خود نبی کریم صلعم۔

افسوس حق پر پردہ ڈالنے کی غرض سے آیت اور تفسیر کے معنی بگاڑے جاتے ہیں شان نزول خبط بے ربط کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رسولؐ کو نا فرمان تک بتایا جاتا ہے اس لئے کہ مَن کُنتُ مَولَاہُ فَعَلِیٌّ مَولَاہُ کے ارشاد کا سبب یَا اَیُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغ نہیں بتایا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیہ کریمہ عرفات کے میدان کے بہت قبل نازل ہوا تھا لیکن رسولخداؐ نے کوئی تعمیل اسکی نہ کی اور غدیرخم کے واقعہ کی شان شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث میں خاص تصریح نہیں ہے کہ ان الفاظ کے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ بخاری میں ہے کہ اس زمانہ میں حضرت علی یمن بھیجے گئے تھے یہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انھوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو انکے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا تھا۔ انیں سے ایک صاحب نے آکر رسولخدا صلعم سے شکایت کی آپ نے فرمایا علیؓ کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔ عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لئے اس موقع پر یہ الفاظ فرمائے گئے (منقول از اسوۃ الرسول)۔ کیا دیانت اور ایمان ہے کہ لکھنے کو ایک مجلد کتاب تحریر فرماتے ہیں اور رسولخداؐ کے مقصود کی تحقیق کرنیکے

غرض اسکو مجہول چھوڑ دیتے ہیں اور اوس مقصود کو خفیف وحقیر کرنے کی غرض سے عجب نہیں کہکر ٹالدیتے ہیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ جس شخص کو رسول خدا اپنے مقابلہ اور درجہ میں امت کے سامنے پیش کرتے ہیں اوس مقصود کی پوری تحقیق کیجاتی تاکہ اہل اسلام سے عدول حکمی نہ واقع ہوتی۔ لیکن چونکہ یہ تحقیق مصنف کے مذہب کے خلاف تھی اسکا استخفاف کرتے ہوئے ٹالدیا۔

ایک دوسرے صاحب دوسرا ہی راگ گاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نیز جو قرینہ اس حدیث کے موقع کا بیان کیا گیا ہے جس پر اہلسنت دجماعۃ کے ان تمام اکابرین کا اتفاق ہے جو اسکی روایت کرتے ہیں وہ بھی اسی کا مقتضی ہے کہ لفظ مولا سے مراد نبوی دوست کے تھے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ حج سے واپسی میں چند اہل یمن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علی کرم اللہ وجہہ کی شکایت کرنے لگے کہ آپ نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا یعنی بحیثیت گورنر کے حضرت علیؑ جب یمن تشریف لے گئے تھے تو اہل یمن کو آپ سے کچھ شکایتیں پیدا ہوگئی تھیں انکو سنکر رسول عربی صلعم نے اہل یمن کی فہمایش کی اور اونکو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام اسلام اور مسلمانوں کے ایسے ہی دوست و رفیق ہیں جیسے کہ خود نبی کریم صلعم۔ حضرت کی اس تقریر سے اہل یمن کا اٹھا ہوا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور اس طرح اختلاف کی تخم پاشی جڑ نہ پکڑ سکی اور اس کا خاتمہ ہوگیا۔

سبحان اللہ اب ان دونوں بیانات میں یہ اختلاف ہے کہ ایک صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے ہمراہی نے شکایت کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ اہل یمن نے شکایت کی تھی۔ غرض شکایت کا عموماً دفعیہ یہ ہوا کرتا ہے کہ جو بات یا امر منسوب

کر کے شکایت کیجاوے اوسکو حق بتایا جاوے یا تحقیقات کر کے اوسکو غلط ثابت کیا جاوے ۔ شکایت کے بعد صرف اوس شخص کی تعریف و توصیف سے کیا فائدہ ہے ۔ مثلاً شیعہ شکایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر نے رسولخدا کی عدول حکمی کی اور جیش اسامہ کے ساتھ نہ گئے اور بڑا ظلم یہ کیا کہ رسولخدا کو وصیت لکھنے سے روک دیا اور مخل ہوئے ۔ اب اس کا دفعیہ یہ کہ اگر یہ لوگ رسولخدا صلعم کے سسر تھے فدائی تھے ۔ اصحاب تھے ۔ یہ کیا ۔ وہ کیا ۔ نہیں ہو سکتا بلکہ اس طرح کی تعریف اور توصیف کرنے والے پر بے انصافی کا الزام ہوگا ۔

اگر یہ واقعہ ہوتا کہ لوگوں نے حضرت علیؑ کی شکایت کی تھی تو کم سے کم رسولخدا اولاً اوس شکایت کی تحقیق کر کے اوسکی اصلاح فرماتے اوسکے بعد پھر لوگوں میں میل ملاپ کراتے ۔ بغیر شکایت کے رفع دفع کئے ہوئے میل ملاپ کرانا پتھر پر تخم ریزی کرنا اور خود کو مورد الزام چشم پوشی و جنبہ داری بنانا ہے ۔

دوسرے یہ کہ جب شکایت مکہ میں ہوئی تو وہیں اس کا تدارک کیوں نہ کیا گیا اور اگر تدارک کرنا ایسی ضروری نہ تھا تو پھر کسی منزل معمولہ پر فروکش ہونے کے بعد فرمایا گیا ہوتا ۔ غیر معمولی جگہ پر فرود کرنا چہ معنی دارد

تیسرے یہ کہ غدیر خم مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے اور مدینہ مکہ سے اتر ہے لہذا غدیر خم بھی مکہ سے اتر ہے اور یمن بالکل دکھن ۔ تو اہل یمن واپسی کے وقت دکھن جاویں گے اور رسولخداؐ اور اصحاب کل اتر جاوینگے ۔ پھر چند منزلوں کے بعد اہل یمن سے اور رسولخداؐ سے کیونکر ملاقات ہو سکتی ہے کہ اونکی شکایت کا دفعیہ غدیر خم پر کیا جاتا ۔ غرض دروغگو را حافظہ نباشد کا مضمون ہے ۔ اور ایسے ہی مضمون پر اکابر اہلسنت والجماعۃ کے اتفاق کا دعویٰ کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ شبلی صاحب کو لکھنا پڑا کہ احادیث میں یہ خاص تصریح نہیں ہے ۔

کہ ان الفاظ کے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اس حدیث کے بیان کی ضرورت قرآن کے حکم سے پیش آئی وہاں تو شبلی صاحب تلاش کرتے نہیں اور تلاش کرتے ہیں احادیث میں تو وہاں کیسے ملے۔ جو چیز جہاں کی ہے وہاں تلاش کرنے سے ملتی ہے اوسکے غیر جگہ نہیں ملتی۔ ہاں احادیث آپکو وہیں ملینگی جو معاویہ کے حکم سے تیار کیگئی ہیں کہ قرآن واحادیث سے جو فضائل علیؑ اور اولادِ علی کے ثابت ہوتے ہیں اونکی مناقض ہوں یا کم سے کم معنی و مطلب کو مبہم و مجہول کردیں لیکن الحمدللہ۔ اللہ اور رسولؐ کا فرمودہ ایسا نہیں ہوتا جس کا معنی کسی کے بگاڑنے سے بگڑ سکے۔ چنانچہ شبلی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو انکے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا تھا انہیں سے ایک صاحب نے آکر رسولخدا صلعم سے شکایت کی آپ نے فرمایا علیؑ کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ اہل یمن کی شکایت پر رسول صلعم نے اہل یمن کو فہمایش کی اور اونکو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام اسلام اور مسلمانوں کے ایسے ہی دوست ورفیق ہیں جیسے خود نبی کریم صلعم۔ اس جوڑ پیوند لگانے پر بھی فرمودہ رسولخداؐ کا مطلب مثل روز روشن کے درخشاں ہے کہ حضرت علیؑ کو امت کے ساتھ وہی حق اور اختیار حاصل ہے جو رسول کریم صلعم کو حاصل تھا۔ اور یہ حق واختیار رسول کے نائب وخلیفہ کے دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا حالانکہ غدیر خم پر جہاں رسولخداؐ نے باہتمام بلیغ من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا وہاں ایک راوی نے بھی نہ حضرت علی کی شکایت کا ذکر کیا ہے اور نہ وہاں کسی اختلاف کا ذکر ہے بلکہ جن لوگوں نے اس ارشاد نبوی کے موقع کا ذکر کیا ہے سب کا بہ اتفاق یہ بیان ہے کہ رسولخداؐ نے اولاً حمد وثنا رخداوندی ادا فرمایا اوسکے بعد اپنی رحلت کی خبر دی اور بعد کے

آنے والے احداث وفساد کیطرف اشارہ فرمایا بالآخر حضرت علیؑ کو من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرماکرامت کے سپرد کیا جیسا خطبہ بالا میں مذکور ہے۔ جو شخص عقل سلیم کے ساتھ موقع ومحل کو مدنظر رکھکر اور انتظام رسالت پناہی کو ملاخطہ کرکے اس حدیث کے معنی پر نظر کرے گا اوس کو مولا کا معنی سوا مالک اور سردار کے دوسرا نظر نہیں آئیگا۔ تمر شعر

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اب آپ ہی کے مفسرین اور اماموں کی زبانی اس حدیث کے اسباب کی جگہ بتائے دیتا ہوں۔ امام[۱] واحدی اسباب نزول میں۔ حافظ[۲] محمد بن یوسف کفایہ الطالب میں۔ امام[۳] نووی اپنی شرح میں۔ امام[۴] ابوحاتم رازی اور حافظ[۵] ابونعیم کتاب ما نزل من القرآن فی علی میں لکھتے ہیں۔

عن ابوسعید الخدری قال نزلت ھذہ الآیۃ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک یوم غدیر	یعنی ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت غدیر خم کے روز نازل ہوئی۔

چنانچہ امام[۱] واحدی تفسیر میں۔ امام[۲] رازی تفسیر کبیر میں۔ نظام[۳] الدین تفسیر نیشاپوری میں۔ حافظ[۴] ابن کثیر شامی اپنی تفسیر میں۔ حافظ[۵] ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں علامہ[۶] عینی شرح صحیح بخاری میں۔ ابن[۷] مردویہ مناقب میں۔ امام[۸] سیوطی در منثور میں۔ امام[۹] ثعلبی اپنی تفسیر میں۔ امام[۱۰] شوکانی فتح القدیر میں۔ امام[۱۱] احمد بن حنبل مسند میں وغیرہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ غدیر خم پر آیہ یا ایہا الرسول بلغ نازل ہوا تو حضرت نے وہیں منزل کردی حالانکہ وہ حقیقتاً کوئی مشہور ومعروف مقام نہیں تھا۔ نہ عرب کی وہ منزل گاہ تھا اور نہ وہاں کوئی آبادی تھی نہ منڈی اور نہ سیر و تفریح گاہ۔ ایک چٹیل میدان تھا اور کوسوں کا بے گیاہ ریگستان

اور وہیں وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور اوس خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جسکے صحیح معنی یہ ہیں کہ میں جس کا مولا تھا اب علی اوسکے مولا ہیں یعنی دور نبوت ختم ہو رہا ہے اور آفتاب رسالت غروب کرنے والا ہے اور دور علی شروع ہونے والا ہے اور بدر امامت طالع ہونے والا ہے۔ مولا کے جو بھی معنی چاہئے لیجئے لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جس معنی میں رسول خدا امت کے مولا تھے یعنی جو رشتہ رسول ص کو امت سے تھا اور اب عنقریب منقطع ہونے والا تھا وہ رشتہ علی کے ساتھ قائم فرمایا جاتا ہے اور علی ع اوسی معنی میں امت کے مولا ہیں جس معنی میں رسو خدا ص اپنی حیات میں مولا تھے اور اس رشتہ کے قائم کرنے کے ساتھ خداوند عالم دوسرا آیہ کریمہ اپنی رضا اور خوشنودی کا نازل فرماتا ہے۔

نمبر ۹ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یعنی آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو تمام کیا اور تمہارے لئے اس اسلام کے دین کو پسند کیا۔

اس آیہ کریمہ کی بھی وہی حالت ہے جو دیگر آیات متعلق اہلبیت ع کی حالت ہے کہ اسکی جگہ سے ہٹا کر اوس کو غیر جگہ پر رکھدیا جہاں سے اس کو کوئی ربط نہیں ہے۔ مثلاً سورہ البقر رکوع ۲۱ میں ہے:۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ یعنی خدا نے تو تم پر بس مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر وقت ذبح خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا گیا ہو حرام کیا ہے۔ پس جو شخص مجبور ہو اور سرکشی کرنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اور اوس میں سے کوئی چیز کھالے تو اوس پر گناہ نہیں ہے۔

پھر سورہ الانعام رکوع ۱۸ میں ہے :- قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ - یعنی اے رسول تم کہو کہ میں تو جو وحی میرے پاس آئی ہے اوسمیں کوئی چیز کسی کھانے والے پر جو اوس کو کھائے حرام نہیں پاتا مگر جب کہ وہ مردہ یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت ہو یہ تو بے شک ناپاک اور حرام ہیں یا (وہ جانور) نافرمانی (کا باعث) ہو کہ (وقت ذبح) خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور پھر جو شخص مجبور ہو جاوے اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اور اوسے کیسے کھائے تو تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ مثل انھیں آیتوں کے احکام کے بیچ میں آیۂ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ لا کر ڈالدیا ہے۔ سورہ المائدہ رکوع ۱ : حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ - یعنی تم پر حرام کیا گیا مردار خون - سور کا گوشت اور جو خدا کے سوا دوسرے نام پر ذبح کیا گیا ہو - اور گردن مروڑا ہوا - اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور ڈوب کر مرا ہوا اور سینگ سے مار ڈالا گیا ہوا اور جسکو درندہ نے پھاڑ کھایا ہو - الا یہ کہ تم نے اوسکو ذبح کر لیا ہو - اور بتوں پر چڑھا کر ذبح کیا گیا ہو - اور جس کو تم پانسے سے تقسیم کرو -

ان سب کا استعمال گناہ کی بات ہے۔ اے مسلمانوں اب تو کفار تمہارے دین کیطرف سے مایوس ہو گئے تو اب اون سے مت ڈرو بلکہ صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو پورا کر دیا اور تمہارے اس دین اسلام کو پسند کیا پس جو شخص مخمصہ میں پڑ کر مجبور ہو اور گناہ کیطرف مائل نہ ہو اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے تو خدا بے شک بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

غرض ان تینوں آیتوں کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم حرام جانوروں کا ذکر کرکے حالت مجبوری میں اونکے استعمال کا فوراً ہی ذکر کرتا ہے اور بیچ میں کسی دوسرے امر کی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ سے لے کر اِسْلَامَ دِیْنًا تک بےموقع اور بےمحل جامعین قرآن نے رکھدیا ہے۔ اور اس آیہ کریمہ کو اس موقع اور جگہ سے نہ کوئی سروکار ہے اور نہ ربط۔ اگر کھانے پینے کے احکام پر دین کامل ہوتا تو قبل وہ سب حکم نازل ہو چکا تھا جیسا آیتوں سے ظاہر ہے لیکن اونکے متعلق تکمیل دین نہیں کیگئی۔ لہذا ضرور ہے کہ تکمیل دین دوسرے حکم سے ہو اور اوس حکم کا تلاش کرنا اور معلوم کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ حکم وہی یا ایہا الرسول بلغ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ قبل آیہ یا ایہا الرسول بلغ کے نازل ہوا تھا اس طرح کا قول کسی طور سے قابل اعتبار نہیں ہے اسلئے کہ الیوم اکملت لکم دینکم یعنی آج تمہارے دین کو کامل کر دیا کہنے کے بعد پھر کیونکر کوئی عاقل کہہ سکتا ہے یا ایہا الرسول بلغ یعنی اے رسول ہمارے حکم کو پہنچا دو ورنہ تم نے حق رسالت ادا نہیں کیا اور اگر امت کا خوف ہے تو خدا تم کو اونکے شر سے محفوظ رکھیگا۔ ایسے ضروری حکم کے باقی رہتے اتمام اور تکمیل دین کی خوشخبری نہیں آسکتی۔ لہذا اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ بعد یٰاَیُّھَا الرسول بلغ کے نازل ہوا اور انھیں دونوں آیت کے درمیان رسولخدا کا ارشاد ہونا چاہیئے جو اول آیت کی تعمیل ہو۔

اور جس تعمیل پر دوسری آیت کا نزول ہو۔ اسکے خلاف جو بھی روایت ہو یعنی جو کوئی بھی کہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم قبل یاایھا الرسول بلغ کے نازل ہوا وہ سراسر غلط ہے اور قرآن کے مقصود کو بگاڑنا ہے۔ جیسا آغاز رسالہ میں عرض ہوا ہے۔ بہر کیف اس آیت کی شان نزول اور موقع نزول کو مفسرین نے بتا دیا ہے کہ گیا ہے وہ کسی کے گڑ بڑ کئے گڑ بڑ نہیں ہو سکتا چنانچہ فقیہ ابن مغازلی مناقب میں۔ علامہ ابراہیم النظری کتاب خصائص العلویہ میں۔ علامہ صالحانی اپنی کتاب المناقب میں۔ اور علامہ شہاب الدین احمد توضیح الدلائل میں مجاہد کی اسناد سے لکھتے ہیں فقال عمر بن خطاب، بخ بخ لک یا ابن ابیطالب اصبحت مولائی ومولیٰ کل مومن ومومنۃ۔ فانزل اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ دیکھا یہ خدا کی مشیئت اور مزاج شناسی تھی کہ وہ جانتا تھا کہ یہی موقع صحیح ہے اور بعد کو جب کل مسلمان منتشر ہو جاویں گے اور صرف اہل مدینہ اور خصوصاً وہ جو خلافت کی ہوس رکھتے تھے رہ جاویں گے تو پھر وہی خرابی ہوگی جو وصیت کے لکھنے کے ارادہ پر ظاہر ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اگر رسولخدا تبلیغ احکام پر اصرار فرماتے تو حضور پُر نور کے سامنے ہی جنگ ہو جاتی اور جو امور حضرت علیؑ کو پیش آئے وہ خود رسولخداؐ ہی کو پیش آتے۔ یا جیسا وصیت کے لکھنے سے صبر فرمایا اس حکم کے پہونچانے سے بھی صبر فرماتے اور بہت بڑا نقص اسلام میں رہ جاتا کہ نہ خدا نے اور نہ رسولؐ نے امت کی ہدایت فرمائی کہ بعد رسولؐ کیا کرنا چاہئے اور خدا کی حجت باقی رہ جاتی۔ جب رسولخداؐ نے بحکم خداوند عالم غدیر خم پر اپنی رحلت اور حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان فرمایا اور مسلمانوں نے حضرت علیؑ کو مبارکباد بھی دیدی کہ آپ میرا اور کل مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے تب خداوند عالم نے اس تمام اسلام سے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار فرمایا جسکے بعد پھر دوسرے احکام کے نازل

کرنیکی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرت ابوبکرؓ کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ جب آیہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کیونکہ اونکی جزرس بصیرت نے اسمیں حضرت رسولخداؐ سے مفارقت کا سامان ہیپایا یعنی ان پر ظاہر ہوگیا کہ انکا پیارا نبی اپنا مقصد زندگی پورا کرچکا اور اب وہ دنیا میں رہنے والا نہیں"۔

سبحان اللہ کیا جزرس بصیرت ہے۔ قرآن اور حدیث سے کوئی بھی ایسی نظیر پیش نہیں کرسکتا ہے کہ رسولؐ اپنا مقصد زندگی پورا کرنے تک زندہ رہتا ہے۔ جسکے پورا کرنیکے بعد فوراً اس دار فانی سے رحلت کرجاتا ہے حضرت داودؑ خدا کے حکم سے مسجد بنوا رہے تھے لیکن قبل تکمیل مقصود آپکا انتقال ہوگیا اور اونکے وارث حضرت سلیمانؑ کو بنوانے کا حکم ہوا۔ آپ اوسکو اور دیگر عمارات کو بنوا رہے تھے کہ قبض روح ہوگیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جتنے دین نبوت اور کتاب لیکر آئے لیکن قبل اسکے کہ دس بارہ آدمی بھی آپ پر ایمان لائیں آپ آسمان پر بلا لئے گئے۔ انکے خلاف حضرت نوحؑ کی بددعا سے کفار غرق ہوگئے اور صرف مومنین باقی رہ گئے اب اونکا کچھ کام باقی نہ تھا لیکن ۹۰۰ برس عمر کی حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے اونکو مصر سے نکالنے کے بعد چالیس برس تک بنی اسرائیل کے ساتھ سرگرداں رہے لیکن مقصود پورا کرنے کے بعد فوراً رحلت نہ کرگئے۔

پھر نہ معلوم کس بنا پر اور کس نبی کے نمونہ پر حضرت ابوبکرؓ کی جزرس بصیرت نے یہ جان لیا کہ دین کامل ہونے کے بعد رسولؐ کا دنیا سے کوچ ہے؟ غرض کیا گیا جتنی پر نہ جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں کسی جزرس بصیرت کی ضرورت ہی نہ تھی رسولخدا صلعم نے صاف صاف اعلان فرمادیا تھا کہ یہ آخری حج ہے اسکے بعد پھر حضرتؐ کا دنیا سے کوچ ہے۔ اسی لئے اس حج کا نام حجۃ الوداع بھی ہے۔ یہ بات

سب مسلمان قبل نزول آیہ الکملت لکم دینکم کے معلوم کر چکے تھے۔ اگر حضرت ابوبکر کو مفارقت رسولخدا کے خیال سے رونا آتا تو قبل ہی رو چکے ہوتے اور اس آیہ کے نزول کا انتظار نہ کرتے۔

کیسے تعجب کی بات ہے کہ ساری امت اور آل رسول کے درمیان صرف حضرت ابوبکر ایسے محبت دار تھے کہ مفارقت کے خیال سے پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے گئے اور رسول صلعم اونسے ایسے بیزار کہ منہ دیکھنے کے بھی روادار نہیں۔ اپنے آخری وقت میں عوض اسکے کہ اپنے پاس رہنے دیں جیش اسامہ کے ساتھ فوراً جانیکا حکم دیتے اور جب بیچارہ نہ گیا تو فرمایا لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ یعنی جو شخص پر خدا لعنت کرے جو جیش اسامہ کے ساتھ جانے سے پہلوتہی کرے۔ پھر بھی جب یار لوگ نہ گئے تو رسولخدا صلعم نے وصیت لکھنے کا ارادہ کیا اور یاروں نے مخالفت کی گھر سے نکلوا دیئے گئے۔ اوسکے بعد صحابہ کو رسولخدا کا آخری دیدار بھی نصیب نہوا۔ یہاں تک کہ حضرت نے وفات پائی اور دفن ہوئے۔ جو صرف مفارقت کے خیال سے پھوٹ پھوٹ کر رو دیے وہ کیونکر آخر وقت اتنے دنوں رسول کی حضوری سے غائب رہا اور کیونکر رسولخدا نے اون سے مہجوری گوارا فرمائی؟ اس موقع پر سورہ النساء کے رکوع ۹ میں جو آیت ہے دیکھو تلاوت فرمائیے اور اصحاب کے فعل سے تطابق کیجئے تو حق واضح ہوجاتا ہے

من رسول الا لیطاع باذن اللہ ط ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ہ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ یعنی ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ خدا کے حکم سے لوگ اسکی اطاعت کریں اور (اے رسول)

جب ان لوگوں نے (نافرمانی کرکے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور تم بھی اونکی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ پس تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہیں تا وقتیکہ اپنے جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ تم فیصلہ کردو اوس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اوس کو مان بھی لیں۔

پس اگر حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ وغیرہ جیش اسامہ کے ساتھ نہ گئے اور رسولخداؐ کی زبانی لعنت سنکر اور اطاعت کرنے کے عوض رسولخداؐ کی وصیت لکھنے کی مخالفت کرکے گھر سے نکلوائے جانے کے مستحق ہوکر اپنی جان پر ظلم کرنے کے بعد رسولخداؐ کے پاس چلے آتے اور معافی مانگتے تو خدا انکے گناہوں کو بخش دیتا۔ لیکن یہ سب تو اوس وقت کرتے جب ایمان صحیح ہوتا اور رسولخدا صلعم کے حکم اور ارشاد کا پاس ہوتا جس کو اتنا بھی پاس نہ ہو اور جو اپنی نافرمانی اور آخروقت کی بے مروتی پر نادم بھی نہ ہو وہ مفارقت کے خیال سے کیا رو سکتا ہے اور اوسکے ایمان کا کیا ٹھکانا ہے۔

بات یہ ہے کہ یا ایہا الرسول بلغ کی تعمیل میں رسولخدا صلعم نے اپنی رحلت کی خبر دی اور حضرت علیؑ کو اپنی جگہ پر مسلمانوں کا مولا مقرر فرمایا اور حضرت عمرؓ نے اپنی چالاکی سے خوش خوش مبارکباد بھی دیدی اور خداوند عالم نے آیہ اکملت لکم دینکم نازل فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ چونکہ اوس قدر چالاک نہ تھے سمجھے کہ زندگی بھر کی آرزو خاک میں مل گئی اور حضرت عمرؓ جس سے ہر طرح کی امید زیادہ وابستہ تھی وہ بھی اس انتظام خداوندی اور تدبیر رسالت پناہی پر راضی ہوگئے تو اب کیا امید ہے لہذا ان پر گریہ طاری ہوا لیکن جب دونوں صاحب اکٹھے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن یعنی کہا کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم نے تو صرف مذاق

کیا ہے۔ پھر کیا تھا نہ رونا تھا نہ دھونا۔ بلکہ ہر طرح کی جرأت اور رسولخداؐ سے بے اعتنائی اور بے مروتی۔ نافرمانی و عدول حکمی۔ رسولؐ اُن سے بیزار کہ گھر سے نکلوا دیا اور وہ رسولؐ سے لاپروا کہ معافی مانگ کر حضوری کی درخواست تک نہ کی۔ اس توجیہ کی تصدیق واقعات سورہ برائت بھی کرتے ہیں کہ جو ذرہ سی سرداری سورہ برائت کے ملنے سے حاصل ہوئی تھی اوسکے چھن جانے سے حضرت ابوبکر کو رنج ہوا اور منہ بنائے حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ کیوں لیا گیا اور رسولخداؐ کو انھیں سمجھانا پڑا کہ اس کام کے سزاوار میرے اہل ہیں نہ تم اور تمہارے ایسے دوسرے اصحاب۔

واقعی اگر حضرت ابوبکر رسولخدا صلعم کی مفارقت کے خیال سے روئے تو اونکے پیرو اہلسنت والجماعۃ کو کیا ہو گیا ہے کہ وفات رسولخدا صلعم پر خوشیاں مناتے ہیں مولود پر مولود کرتے ہیں مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں؟ یہ نہ حضرت ابوبکر کی تقلید کرتے ہیں اور نہ دنیا کی معمولی ہمدردی اور مروت کا پاس کرتے ہیں اور شیعے جو وفات رسولخداؐ پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی شہادت پر زار و قطار روتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور اسیری حرم رسولخداؐ پہ سینہ زنی کرتے ہیں۔ سر پر خاک اوڑاتے ہیں۔ اونکو بدعتی وغیرہ کہتے ہیں اور ان سب تعزیت و ہم غم کو روکنا چاہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا رونا جیسا اوپر عرض ہوا وہ حصول جاہ و دولت کے لئے تھا جب اوسکی طرف سے مایوسی ہوئی تو روئے اور جب اطمینان ہو گیا تو خوشیاں منائیں۔ اس سنت کی تقلید میں اہلسنت والجماعۃ نہ رسولخداؐ کی وفات کا غم کرتے ہیں۔ نہ علی مرتضیٰؑ کی شہادت پہ افسوس کرتے ہیں اور نہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور اسیری حرم پر ان کا دل مغموم ہوتا ہے۔ بلکہ رسولخدا صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کو خلافت ملی اس لئے خوشیاں کرتے ہیں اور مولود

کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے بعد معویہ کو خلافت ملنے کا سامان ہوگیا جو ماںگی مراد تھی پھر غم کا ہیکا۔ امام حسینؑ کی شہادت اور اسیری حرم وتاراجی خانہ رسولخدا صلعم کے بعد بنی امیہ کا تسلط بالکل بے خوف وخطر ہوگیا۔ اس لئے اس روز غم واندوہ کرنے کے عوض اونکو خوشی اور فرحت ہوتی ہے۔ روزے رکھتے ہیں خضاب و مہندی لگاتے ہیں۔ سرمہ لگاتے ہیں۔ لباس فاخرہ پہنکر آپس میں معانقہ ومصافحہ کرتے ہیں اور جو رسولخداؐ اور آپکے آل اطہار کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اوسکو بدعتی وغیرہ کہتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرت ابوبکر کی موافقت میں جو بات بنائی گئی ہے یہ اوس کا جواب ہے۔ اب اونکے ہواخواہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر رسولخداؐ حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کئے ہوتے تو کیا اصحاب کل کے کل ایسے تھے کہ اون سے مخالفت کرکے حضرت ابوبکر کی خلافت پر راضی ہوجاتے۔ معترض کو یاد رکھنا چاہیے کہ اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے کہ آخر وقت میں جیش اسامہ کو کوچ کا حکم ہوتا ہے۔ بجائے اسکے تعمیل حکم میں مدینہ سے باہر جاکر لشکریوں کا انتظار کرتے ہیں اور کوئی صاحب اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ رسولخداؐ کی زبانی لعنت خدا سنتے ہیں اور خوف نہیں کرتے اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے کہ رسولؐ نے آخری وصیت لکھنے کا ارادہ فرمایا لیکن چند اصحاب کی مخالفت کی وجہ سے وہ وصیت نہ لکھ سکے۔ اصحاب رسول ایسے ہی تھے کہ رسولؐ نے اونکو اپنے گھر سے نکلوادیا اور اونھوں نے آخر وقت تک معافی مانگ کر دیدار رسولخدا نہیں حاصل کیا۔ اور صرف اعزانے گور وکفن کیا۔ اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے کہ رسولؐ کو بے گور وکفن چھوڑ کر دنیا طلبی میں مصروف ہوگئے۔ اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے کہ خدانے اونکو حکم دیا کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰادِقِیْنَ یعنی سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔ اور سچوں اور جھوٹوں کو بھی پہچنوا بھی دیا جیسا اس رسالہ میں ثابت کیا گیا۔

ہے لیکن اصحاب نے سچوں کو چھوڑ کر اونکا ساتھ دیا جو قرآن کی آیات سے کاذب و منافق ثابت ہوتے ہیں۔ اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے کہ رسولخداؐ نے جو اول اول معاہدہ حضرت علیؑ سے کیا تھا کہ آپ زندگی میں بھائی اور وزیر رہیں گے اور بعد وفات خلیفہ۔ اوس معاہدہ کو بالائے طاق رکھدیا۔ اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے کہ بعد وفات رسولخداؐ آپکی صاحبزادی فاطمہ زہراؑ کو اس طرح پُرسا دیا کہ آگ لکڑی لیکر دروازے پر آئے اور قسم کھاکر کہا کہ گھر کو معہ حسنینؑ کے جلا دینگے۔ اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے کہ بعد وفات فاطمہ زہراؑ نہ جناب علیؑ کو پُرسا دیا نہ اونکی عورتوں نے حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ کو تعزیت دی اور نہ تشفی نہ تسکین دلائی اور نہ گور و کفن میں شریک ہوئے۔ اصحاب رسولؐ ایسے ہی تھے کہ نبی کے پیارے نواسے حضرت حسینؑ کو مع اٹھارہ بنی ہاشم اور چودہ رفقاء اور اصحاب کے میدان کربلا میں ذبح کر ڈالا اور عترت رسولؐ کو قید کرکے یزید پلید کے دربار میں شام لے گئے۔ ایسے اصحاب کیلئے صرف ایک حکم من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی مخالفت کرنا کیا تعجب کی بات ہے۔

اس پر پھر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب اصحاب رسولؐ ایسے سرکش اور نافرمان تھے تو پھر قرآن اور حدیثوں کا کیا اعتبار ہے جو انھیں کے ہاتھوں سے ہم کو ملا ہے۔ واقعاً حضرت ابوبکر نے ایک حدیث گڑھی تو معویہ کے حکم سے ہزاروں لاکھوں حدیثیں گڑھی گئیں اور حدیثوں کا اعتبار ایسا جاتا رہا کہ میں اثبات حق میں حدیث پیش کرنے سے دریغ کرتا ہوں۔ اس لئے کہ صحیح احادیث کی ضد میں میرے مخالف حضرات اون وضعی حدیثوں کو پیش کردینگے جنکو عموماً پیش کرتے ہوئے وہ خود شرماتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ رسولخدا صلعم ممدوح اور نیکوکار بیبیوں کے مقابلہ میں اون سے محبت کریں جنکی مذمت قرآن

میں بھری ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضرت ام سلمہ حضرت سودہ۔ حضرت ماریہ قبطیہ وغیرہ ایسی بیبیوں کے ساتھ محبت کا ایک تذکرہ بھی نہ ہو اور حضرت عائشہ کے تذکروں سے صحیح بخاری مالامال ہو۔ کیا رسول کی یہی شان ہے کہ اپنی زوجہ محترمہ کو کاندھے پر چڑھا کر حبشیوں کا ناچ دکھاویں اور گانا سناویں۔ حضرت عائشہ کی خلوت کے متعلق وہ وہ احادیث صحیح بخاری میں لکھی ہیں جن کا کوئی شریف آدمی تذکرہ نہیں کرتا اور میرا قلم اونکو دھراتے ہوئے لرزتا ہے۔ صحیح بخاری کو صحیح کا خطاب اسی بنا پر دیا گیا ہے کہ وہ ایسی حدیثوں کا مجموعہ ہے جو خلفاء اور ہوا خواہان خلفاء کے مطابق ہیں۔ اگرچہ وہ نقشہ مخرب اخلاق واطوار شریفانہ ہوں۔ قرآن پر بھی پورے طور سے ہاتھ صاف کیا گیا۔ خلیفہ بن کر اوسکے بھی وارث بنگئے اور اوس کو ایسا خلط ملط کیا ہے کہ رسولخدا قیامت میں فریاد کرینگے کہ قوم نے قرآن کو ہذیان بنا دیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ کلام اللہ ہے اور وہ بھی ایسا کلام جس کا مثل کوئی انسان نہیں بنا سکتا۔ اسلئے اسمیں اضافہ نہ کرسکے ورنہ اسمیں بھی نا اہلوں کی مدح بھر کر مثنوی ردم ثانی بنا دیتے۔ لیکن الحمدللہ کہ اسکی طرز وادانے اسکو اضافات اور موضوعات سے محفوظ رکھا ہے۔ اور جو کچھ بھی قرآن میں موجود ہے وہ ایسا معتبر اور قابل اطمینان ہے کہ دوسری کوئی کتاب ایسی معتبر اور قابل عمل نہیں ہے اور اگرچہ اسکے بعض مقام کو اہل غرض نے مشتبہ کرنا چاہا ہے تو چونکہ خداوند عالم نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اس لئے ایسے مفسرین کو خلق کیا جنھوں نے آیتوں کی شان نزول وغیرہ محفوظ رکھکر حق جو کیلئے راستہ صاف کر دیا ہے۔

چنانچہ مفسرین نے بتلا دیا ہے کہ یا ایہا الرسول بلغ بمقام خم غدیر نازل ہوا اور اوسکی تعمیل میں بعد خطبہ طویل رسولخدا صلعم نے اپنی رحلت کی خبر دی اور فرمایا

من کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنی ہیں جس کا مولا تھا اب علی اوسکے مولا ہیں اور اس تعمیل حکم خداوندی کے بعد آیہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوا۔ لیکن چونکہ معویہ کے حکم سے ایسی حدیثیں گڑھی گئی ہیں جو فضائل اہلبیت پر پردہ ڈالیں لہذا اہلسنت والجماعۃ کو جو پیرو صحیح بخاری کے ہیں نہیں معلوم ہے کہ یا ایھا الرسول بلغ کب نازل ہوا۔ اس سے کون سی تبلیغ مقصود تھی اور رسول خدا کس سے خوف کرتے تھے اور جب خداوند عالم نے لوگوں کے شر سے اطمینان دلایا تو اس آیہ کریمہ کی کیا تعمیل فرمائی۔ اور نہ انکو یہ معلوم ہے کہ وہ کون سا روز تھا اور کون سی بات تھی جس پر خداوند عالم نے فرمایا کہ آج دین کامل ہوگیا۔ خدا کی نعمت پوری ہوگئی اور خداوند عالم اس دین اسلام سے راضی ہوا۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ صرف حضرت ابوبکر اور عمر ہی رسول کی خلافت کے انتظام کے مخالف تھے۔ بلکہ جن جن لوگوں میں کینہ اور قبیلہ کا تعصب باقی تھا اور جن کو حضرت علیؑ کا جہاد اور اپنے سرداروں کا قتل یاد تھا وہ سب حضرت علی کے مخالف تھے۔ یہ خداوند عالم کی نبض شناسی تھی جس نے غدیر خم کو اس اعلان کے لئے تجویز کیا کہ جہاں اوسکے احکام کی تبلیغ میں خلل نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا تاکیدی حکم اس مقام پر پہونچا اور رسولخدا کو ایک قدم آگے بڑھنے نہ دیا اس موقع سے حضرت کا کوچ کرنا اور حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان شایع ہونا تھا کہ نفاق کھل پڑا۔ جسکی ایک خبر بطور نمونہ سورہ المعارج کی اول دو آیتوں میں ہے:۔

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ یعنی ایک مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا جو انکار کرنے والوں کے لئے ہوکر رہیگا جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یہ بھی ایک واقعہ ہے اور دریافت طلب یہ ہے کہ کون

سائل تھا۔ کیا اوس نے مانگا اور کیوں مانگا اور وہ عذاب کیا تھا جو ٹل نہیں سکتا۔ سَاَلَ صیغہ ماضی ہے یہ سوال ہو چکا اور اس کا جواب بھی مل چکا یہ کوئی آیندہ کی دھمکی نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرہ خواص الامہ۔ علامہ محمد بن یوسف الزرندی کی کتاب معارج الوصول۔ ملک العلماء دولت آبادی کے مناقب السادات۔ علامہ سمہودی کے جواہر العقدین محدث شیرازی کے روضۃ الاحباب۔ علامہ عبد الرؤف مناوی کے فیض القدیر اور علامہ محمود بن محمد القادری کے صراط السوی اور حلبی کے انسان العیون۔ علامہ احمد بن فضل بن محمد باکثیر کے وسیلۃ الآمال اور علامہ محمد بن اسمعیل الامیر کے روضۃ الندیہ اور حافظ بن یوسف الگنجی کے کفایہ الطالب اور امام ابواسحاق ثعلبی کی تفسیر میں یہ تفسیر اس آیہ کی دی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے
امام ابواسحق ثعلبی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ سفیان بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آیہ سال سائل بعذاب واقع کس کے حق میں نازل ہوا ہے سفیان بن عتبہ کہنے لگے تو مجھ سے ایک ایسا مسئلہ پوچھتا ہے کہ تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی نہیں پوچھا تھا مجھ سے جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے روایتاً اپنے آباء کرام سے بیان فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غدیر خم کے مقام پر پہونچے تو لوگوں کو جمع کر کے سب کے سامنے جناب امیرؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس کا میں مولا تھا اب علی اوس کا مولا ہے اور یہ بات لوگوں میں تمام جگہ مشہور ہو گئی تو یہ خبر نعمان ابن حارث فہری کو بھی معلوم ہوئی تو وہ اپنے ناقہ پر سوار ہو کر جناب رسالتمآب صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ناقہ سے اوتر کر آپ کے قریب پہونچا اور کہنے لگا یا محمدؐ آپ نے اس کو حکم دیا کہ

ہم اس بات کی گواہی دیں کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک آپ اوسکے رسول برحق ہیں۔ ہم نے آپکا یہ حکم مان لیا۔ پھر آپنے ہمکو پانچ وقتوں کی نماز پڑھنے کا حکم دیا وہ بھی ہم نے قبول کرلیا۔ پھر آپنے ہمکو زکوۃ دینے کا حکم دیا۔ ہم نے وہ بھی قبول کرلیا۔ پھر آپنے ہمکو روزہ رکھنے کا حکم دیا ہم نے وہ بھی قبول کیا۔ پھر آپ نے ہمکو حج کرنیکے لئے حکم دیا ہم نے وہ بھی قبول کیا۔ اسپر آپ راضی نہ ہوئے اور اپنے ابن عم کا بازو تھام کر اوٹھایا اور اونکو ہم لوگوں پر فضیلت دی اور فرمایا جسکا میں مولا تھا اوس کا اب علی مولا ہے۔ یہ بات حضور نے اپنی طرف سے فرمایا ہے یا خدا کے حکم سے حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اوس ذات کی جسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ یہ بات خدا کی طرف سے ہے پس حارث یہ کہتا ہوا اپنے ناقہ کیطرف لوٹا کہ اے خدا محمد صلعم جو کچھ بیان فرماتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو اوس پر آسمان سے پتھر برسا یا اوسکو عذاب دردناک میں مبتلا فرما۔ جب وہ اپنے ناقہ کیطرف لوٹا اور ابھی اوس تک پہونچا بھی نہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے اوسپر پتھر برسایا جو اوسکے سر پر گرا اور پشت سے نکل گیا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ پس خدا تعالیٰ نے یہ آیہ نازل فرمائی۔

اس تفسیر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسولؐ کا فرمانا من کنت مولاہ فعلی مولاہ ایک ایسا اہم امر تھا کہ غدیر خم سے تمام دیار وامصار میں پھیل گیا اور جو لوگ حضرت علیؑ سے بوجہ بنی ہاشم ہونے کے یا بوجہ آپ کے جہاد کے ناراض تھے اور آپ کے ساتھ کینہ رکھتے تھے وہ اس عہدہ جلیلہ کے عطا ہونے سے برہم ہوئے اور خود رسول خداؐ پر اعتراض کرنے کو آپہونچے۔

معترض کہیں گے کہ یہ شیعہ کی تفسیر ہے اور ہم نہیں مانتے نہ مانئے لیکن سائل سائل کی تفسیر معقول ارشاد ہو کہ کون سائل تھا۔ کیا اوسکا سوال تھا۔ اور

عذاب کا سوال اوس نے کیوں کیا۔ اور پھر یہ تفسیر شیعہ بھی خاص نہیں ہے بلکہ آپ حضرات اہلسنت نے بھی اس کو لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو اسحاق محمد بن ابراہیم ثعلبی نے اپنی تفسیر مسمی بالکشف والبیان عن تفسیر القرآن میں اس روایت کو اسی تفصیل سے لکھا ہے۔ نیز علامہ سبط ابن الجوزی نے کتاب تذکرۃ خواص الامۃ میں محمد بن یوسف زرندی نے کتاب معارج الوصول میں ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی نے اپنی کتاب میں علامہ سمہودی نے کتاب جواہر العقدین میں جمال الدین محدث صاحب روضۃ الاحباب نے اپنی کتاب اربعین میں۔ علامہ عبدالرؤف مناوی نے کتاب فیض القدیر میں۔ محمد ابن محمد قادری نے صراط سوی میں۔ علامہ حلبی نے انسان العیون میں۔ احمد بن الفضل بن محمد باکثیر نے وسیلۃ الآمال میں محمد بن اسمعیل امیر نے روضہ ندیہ میں۔ حافظ محمد ابن یوسف گنجی نے کتاب کفایۃ الطالب میں اور مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری نے ارجح المطالب میں اسی طرح لکھا ہے۔

المختصر تقریر بالا سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ آیہ یا ایہا الرسول بلغ اور آیہ الیوم اکملت دنیکم کو جامعین قرآن نے اونکی جگہ سے ہٹا کر بے ربط کر کے حقیقت حال پر پردہ ڈالنا چاہا ہے اور جب مفسرین نے اونکی چالبازیوں کو ظاہر کر کے خدا کے وعدہ حفاظت کو پورا کیا تو اب یار لوگ ان آیات کے معنی وغیرہ میں تحریف کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا ایہا الرسول بلغ میں کہیں حضرت علیؑ کا تذکرہ نہیں ہے۔ اور رسولخداؐ کو کفار سے ڈر تھا۔ حالانکہ خداوند عالم کفار سے ڈرنے کو منع فرما چکا تھا اور رسولخداؐ کو اطمینان دلایا تھا کہ کفار خود مایوس ہو رہے ہیں پھر ان علیاً مولی المومنین کو اس آیہ کریمہ ہی سے غائب کر دیا لیکن مفسرین کے اقوال سے ثابت ہے کہ یہ جملہ اس آیہ کا جزو تھا اور جن مفسرین

نے اس جملہ کا ذکر نہیں کیا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت میں علی کی فضیلت بیان کرنا مقصود تھی۔ لیکن رسولخدا تامل کرتے تھے کہ مبادا امت مخالفت نہ کرے۔ مگر جب خداوند عالم نے تاکید فرمائی کہ اگر اس حکم کو نہ پہونچایا تو گویا کہ پیغمبری ہی نہ کی اور امت سے محفوظ رکھنے کا وعدہ بھی فرمایا تو حضرت نے تعمیل حکم کی جسکے ساتھ ہی خداوند عالم نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور جب ایک منافق نے اعتراض کرکے باور نہ کیا کہ رسولخدا نے خداوند عالم کے حکم سے ایسا کیا ہے تو اپنے اوپر عذاب کا سوال کیا اور خداوند عالم نے عذاب نازل فرماکر اوس کو فی النار کیا اور رسولخدا کی صداقت کو ایک منکر کو ہلاک کرکے ثابت کردیا۔ یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے سب انتظام کیا لیکن رسولخدا صلعم نے تعمیل کرتے وقت عوض خلیفہ یا سردار کا لفظ استعمال کرنے کے مولا کا لفظ لاکر ہم کو شبہہ میں ڈال دیا کہ ایسا لفظ استعمال کیا جسکے کئی معنی ہیں اور اوس سے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت اور امامت نہیں ثابت ہوتی۔ اس اعتراض کے جواب کیلئے بہتر ہے کہ ذرا قرآن ملاحظہ فرمایئے کہ مولیٰ کے کیا معنی ہیں تب اعتراض کیجئے۔ سورۃ الانفال رکوع ۵: فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ یعنی اے مسلمانو سمجھ لو کہ خدا تمہارا مولا یعنی مالک ہے اور وہ کیا اچھا مالک اور مددگار ہے۔ پھر سورہ الحج رکوع ۲ میں کچے اسلام لانیکا اور ذری سی تکلیف پہونچنے پر مرتد ہوجانیکا بیان کرکے خداوند عالم فرماتا ہے:۔ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ یعنی یہ لوگ اونکو پکارتے ہیں جن کا نقصان قریب ہے اور نفع بعید۔ بیشک ایسا مالک بھی برا ہے اور ایسے رفیق بھی برے ہیں۔ غرض قرآن میں مولیٰ کا لفظ زیادہ تر مالک کے لئے استعمال

کیا گیا ہے اور اس لفظ کے استعمال سے رسولخدا صلعم کا مقصود یہ تھا کہ اس لفظ کا معنی وہی لیا جاویگا جس معنی میں اللہ ورسولؐ قرآن پاک میں مولا کہے گئے ہیں۔ اور کوئی اہل غرض مثل حدیث کے اس کے معنی کو نہیں بدل سکتا اور پھر اولاً اپنے کو مولا فرما کر حضرت علیؑ کو مولا فرمانے سے مراد یہ تھی کہ جو تعلق رسولخدا کو امت سے تھا وہ رشتہ اب حضرت علیؑ سے قائم ہوا یہ ایسی حد بندی ہے کہ کوئی اس لفظ کے معنی اب تک نہیں بگاڑ سکا۔ آپ نے مولا کے معنی محبوب دوست اور رفیق کے قرار دیا ہے۔ لیکن وہ کیسا محبوب۔ دوست اور رفیق ایسا کہ جیسے اللہ اور خود رسولخدا صلعم تو رسولخدا کے ایسے محبوب۔ دوست اور رفیق کی رفاقت چھوڑ کر زید و بکر کی رفاقت سے خدا آپ کو مل سکتا ہے؟ لہذا مولا سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے جو اس موقع کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ میرے مخالف فرمادینگے کہ خلیفہ کا لفظ زیادہ موضوع تھا اولاً لفظ خلیفہ ایک جگہ بھی قرآن پاک میں کسی نبی ورسولؐ کے وارث اور وصی کے لئے نہیں استعمال ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ لفظ کئی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صرف ایک جگہ حاکم کے معنی میں ہے اور زیادہ تر دنیا کی نعمتوں پر تصرف کرنے والے مراد ہیں۔ کہیں صرف بعد کے آنے والے مراد ہیں۔ لہذا اس لفظ کو استعمال کرنے سے یاروں کو زیادہ موقع بگاڑنے کا ملتا۔ چنانچہ اس لفظ کو یاروں نے اپنے لئے مخصوص کرکے چاہا کہ اس خطاب کو عزت بخشیں لیکن صحبت کے اثر سے عوض عزت کے ذلت ہی نصیب ہوئی اور ان لوگوں خلیفہ سے مراد وہ شخص ہوا کرتا ہے جو اپنے اوقات گذشتی وغیرہ میں صرف کرتا ہے اور کوئی کار خیر اوس سے نہیں ہوتا اور پھر دوسرا معنی اسکے درزی کے قائم ہوگئے ہیں۔ ان سب ہونے والے امور پر نظر کرکے رسولخدا نے وہی لفظ استعمال کیا ہے کہ باوجود ناموافقت زمانہ

اوسکے معنی میں خلل نہیں پڑ سکا۔ اور جب کوئی یا مولا کہتا ہے تو یا خدا مراد ہوتا ہے یا حضرت علیؑ۔ اور جو بھی کوشش اوسکے بگاڑنے کی کیگئی ہے اوس سے خسر الدنیا والآخرہ کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوا۔ لہذا یہ ماننا پڑیگا کہ آیہ یا ایہا الرسول بلغ کی تعمیل میں جو رسولخداؐ نے حضرت علیؑ کو مولا فرمایا اوس سے اپنے بعد حضرت کی سرداری امامت اور امارت مقصود تھی۔ اور اس حکم کے پہونچانے سے خداوند عالم نے راضی اور خوشنود ہو کر آیہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل فرمایا اور جب انکار کرنے والے نے انکار کیا تو خدا نے اوس پر عذاب نازل فرمایا جیسا سَاَلَ سَائِلٌ کی تفسیر سے ثابت ہے۔

جن صاحب کو اس سے اختلاف ہو وہ فرماویں کہ آیات بلغ ما انزل الیک اور الیوم اکملت لکم دینکم کے صحیح مقامات کہاں ہیں اور واقعی یہ آیتیں کہاں سے اپنے موجودہ مقامات پر لائی گئی ہیں۔ اور جس مقام پر اس وقت ہیں اگر اسی کو صحیح کہا جائے تو قبل اور بعد کے جملوں سے کیا ربط ہے اور پھر ان دونوں آیتوں کی اور سَاَلَ سَائِلٌ اور حدیث من کنت مولاہ کی شان نزول کیا ہیں اور یا ایہا الرسول بلغ کی تعمیل رسولخداؐ نے فرمائی کہ نہیں اور فرمائی تو وہ کون سا حکم تھا جسکی تعمیل میں رسولخداؐ باوجود خدا کیطرف سے اطمینان دلانے کے اور یہ ارشاد فرمانے کے کہ کافر اب مایوس ہوگئے ہیں اون سے مت ڈرو خائف تھے کہ اس موقع پر خداوند عالم کو دوبارہ کہنا پڑا کہ اللہ یعصمک من الناس۔

خلاصہ کلام یہ کہ خداوند عالم نے خلفاء کا بار بار جنگ اور جہاد سے فرار ظاہر فرما کر تبلا دیا کہ گرچہ ظاہر یہ لوگ ایمان لائے ہیں لیکن قلب ابھی کفر کے احاطہ سے باہر نہیں نکلا ہے۔ ورنہ رسولخداؐ کو جنگ حنین میں یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ میں نبی ہوں اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ نماز میں رسولخداؐ کو کھڑا چھوڑ کر کھیل تماشے اور سوداسلف کیطرف دوڑ جانے کو بیان فرما کر حکم دیا کہ جو لوگ تمہارے دین کو کھیل تماشے کے برابر سمجھیں اونکے پاس بھی مت پھٹکو۔ آیہ نجوی سے اونکی بخالت کا ذکر کر کے تبلا دیا کہ قیامت تک خداوند عالم نے انکے

دلمیں نفاق ڈالدیا ہے۔ بالآخر دس آیات سورہ برارت کی حضرت ابوبکر کو عطا فرمانے کے بعد چھنوا کر ظاہر فرمادیا کہ انمیں ذرہ برابر قابلیت تبلیغ احکام ربانی کی نہیں ہے اور هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ یعنی اے اصحاب عنقریب تم حاکم بنکر دنیا میں فساد کروگے (سورہ محمد رکوع ۳) فرماکر مسلمانوں کو آگاہ کردیا کہ حکومت اور خلافت میں انکا ساتھ نہ دینا ورنہ تم لوگ بھی گمراہ ہو جاؤگے۔ اس کے بعد بھی جو شخص قرآن پاک پر ایمان و اعتقاد رکھتا ہو اُس کا انکی خلافت اور امامت پر راضی رہنا اور راہ نجات حاصل کرنیکی امید رکھنا تعجب بالائے تعجب ہے۔

انکے مقابلہ میں حضرت علی علیہ السلام سے بروز آیہ انذر عشیرتک الاقربین معاہدہ کرکے اعلان کردیا کہ حضرت علیؑ رسولخداؐ کی زندگی میں وزیر رہیں گے اور بعد کو خلیفہ۔ آیہ مباہلہ سے بتادیا کہ سوائے حضرت علی۔ فاطمہ۔ حسن اور حسین علیہم السلام کے امت محمدی میں کوئی بھی ایسا صادق نہیں ہے جسکی زبانی خداوند عالم جھوٹوں پر لعنت کراسکے اور پھر انھی بزرگوں کی طہارت اور عصمت کا ذکر فرماکر سچوں کا ساتھ دینے کا حکم نازل فرماکر امت محمدی کو حکم دیا کہ انھیں کے دامن سے تم کو صراط مستقیم مل سکتی ہے۔ آیہ انما ولیکم اللہ سے بتادیا کہ جیسے اللہ اور رسول تمہارے ولی ہیں ویسے ہی ولی حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ پھر آیہ مودت سے ان کی اور انکی اولاد کی محبت واجب کی تاکہ ان سے عدول حکمی نہ کیجاوے اور نہ ان پر ظلم و ستم کیا جاوے ان سب کے بعد حضرت ابوبکر سے دس آیت سورہ براءت کی چھنوا کر اور حضرت علیؑ کو عطا فرماکر امت کو جتلادیا کہ دیکھو حضرت ابوبکر میں تبلیغ قرآن کی ذرہ برابر بھی قابلیت نہیں ہے۔ میرے بعد انکی طرف ہرگز ہرگز نہ جانا بلکہ حضرت علیؑ کا ساتھ دینے سے تم کو خدا اور رسولؐ ملیگا۔ ان ہی میں تبلیغ قرآن کی قابلیت ہے۔ اور یہی سچے اسلام کو دنیا میں قائم رکھیں گے۔ بالآخر حج آخری سے واپسی کے وقت آپ نے بحکم

خداوند عالم اپنی رحلت کی خبر دی اور امت کیلئے اپنا مولا رہنا بیان فرمایا اور حکم ہوا کہ جس کا میں اب تک مولا تھا اب علیؑ اوسکے مولا یعنی مالک ہیں۔ اسکے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ شیعہ مذہب کی جھلک بھی قرآن پاک میں نظر نہیں آتی تو وہ مثل نصاریٰ کے ہے۔ جنھوں نے احمد کا ترجمہ "تسکین دہندہ" یا "ستودہ صفت" کر کے رسولخداؐ کی رسالت سے انکار کر دیا اور اب اونکو نہیں معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد جس ذات کی آمد کی خبر دی تھی وہ کون ہے اور وہ آیا کہ نہیں۔ اسی طرح اہلسنت والجماعۃ آل رسولؐ اور قربیٰ اور اہل بیت الرسولؐ کا غلط مفہوم قرار دیکر اور صادقین۔ ولی۔ مولیٰ وغیرہ کا غلط ترجمہ کر کے اولاد رسولؐ کی خلافت اور سرداری سے انکار کر بیٹھے۔ اور انکو نہیں معلوم ہے کہ وہ کون افراد ہیں جن کو قرآن پاک صادقین کہکر اونکا ساتھ دینے کا حکم دیتا ہے جن کو قرآن پاک مثل اللہ و رسول ولی مومنان کہکر اونکی ولایت کے اقرار کا حکم دیتا ہے۔ جن کو بحکم خداوند عالم رسولخداؐ اپنے بعد مولیٰ فرماتے ہیں۔ غرض مذہب شیعہ کی خبر اور اوسکی صداقت اور حقانیت ویسی قرآن پاک میں مذکور ہے جیسے رسولخدا محمد مصطفےٰ صلعم کی رسالت کی خبر انجیل میں موجود ہے۔ اور جیسے نصاریٰ نام کا ترجمہ کر کے الضالین کے مصداق بنے اوسی طرح اہلسنت والجماعۃ حضرت علی علیہ السلام سے جو اوائل اسلام میں خلافت کا معاہدہ ہوا تھا اوس کو توڑ کر اور آل رسول۔ اہل بیت الرسول۔ صادقین۔ ولی مولیٰ وغیرہ کے معنی و مفہوم کو بدل کر مصداق اس آیہ کریمہ کے بنے:- فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ یعنی بس ہم نے اونکی عہد شکنی کی وجہ سے اونپر لعنت کی اور انکے دلوں کو سخت کر دیا کہ ہمارے کلام کو بدل کر دوسرے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور جن جن باتوں کی انھیں نصیحت کیگئی تھی انہیں سے ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے۔ (سورہ المائدہ رکوع ۳)

یہ ہے فرق آل اور اصحاب کا اور یہی فرق آل واصحاب کا ہر نبی اور رسول کے متعلق ملیگا۔ معترض اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ سب صحیح ہے تو حضرت علی کیوں دب گئے۔ کیوں خلافت کا دعوی نہیں کیا اور کیوں اوسکے واسطے جنگ و جدال کیا بلکہ اسکے برعکس حضرت ہمیشہ خلفار کے ساتھ شیر و شکر بنے رہے اور ہمیشہ اپنے مشورہ سے اونکی مدد فرمایا کئے۔

الجواب:۔ اوپر کے خطبوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت علی کبھی خلفار کی خلافت سے راضی نہ تھے۔ موقع ملنے سے برابر ظاہر فرمایا کئے کہ وہ لوگ غاصب اور ظالم ہیں اور حضرت مظلوم۔ البتہ جہاد نہیں فرمایا اوسکی دو وجہ ہے اول وصیت رسولخدا صلعم کی ہے جو ارجح المطالب جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ میں درج ہے۔

عن علی قال قال لی رسول الله صلعم انت بمنزلة الكعبة توتی و لا تاتی فان اتاك هؤلاء القوم دسلموها اليك يعنی الخلافة فاقبل منهم وان لم ياتوك فلا تاتهم حتی ياتوك

حضرت علی مرتضیٰ سے روایت ہے کہ رسولخدا صلعم نے آپ سے فرمایا کہ اے علیؑ تم بمنزلہ کعبہ کے ہو اوسکے حضور میں سب حاضر ہوتے ہیں اور وہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔ پس اگر یہ قوم تمہارے پاس آکر خلافت کو پیش کرے تو قبول کر لینا ورنہ تم خود اس غرض سے انکے پاس نہ جانا یہاں تک کہ وہ خود تمہارے پاس آویں۔

اس وصیت میں نبی اور امام کے منصب کو ظاہر کیا گیا ہے کہ نبی اور امام کو جائز نہیں ہے کہ لڑکر لوگوں کو اپنی اطاعت کیلئے مجبور کریں یا سلطنت حاصل کریں۔ بس انکا کام حق و باطل کا بیان کر دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا امت کے اختیار میں ہے۔ اگر امت نے مانا تو جنتی ہوئے اور اگر نہ مانا تو ہلاک ہوئے۔ نبی اور امام کو کسی کے ایمان لانے سے نہ ذاتی نفع ہے اور نہ انکار کرنے سے ذاتی نقصان ہے۔ اگر

حضرت ابوبکر و عمر خلافت پر قبضہ کر کے بادشاہ بنگئے تو اچھا کیا لیکن اگر حضرت علیؑ
اور اونکی اولاد کے مطیع رہتے تو کوئی بُرا نہ کہتا جیسے قبل میں بھی بیک وقت
ایک نبی اور دوسرا بادشاہ ہوا کیا ہے خواہ نبی کی اطاعۃ ہوئی خواہ نافرمانی وہ نبی
ہی باقی رہے ۔لیکن بادشاہ نے اگر نبی اور رسولؐ کی اطاعۃ کی تو اوسکو دین و دنیا
دونوں ملا جیسے عزیز مصر اور حضرت یوسف یا حضرت موسیٰ کے بعد نبی شمویل اور
طالوت بادشاہ ۔اور اگر بادشاہ نے نبی سے انکار کیا ۔اونکو قید کیا ۔اونکو قتل کیا تو
خداوند عالم کے غضب میں مبتلا ہوا جیسے حضرت یحییٰؑ اور اونکے وقت کا بادشاہ ۔یا
حضرت موسیٰ اور فرعون اور حضرت عیسیٰ اور شاہنشاہ روم ۔

آیات وانذر عشیرتک الاقربین ۔یا انما ولیکم اللہ یا یاایھا الرسول بلغ
کے جواب میں کہلجاتا ہے کہ خداوند عالم نے سب کچھ حضرت علیؑ کی خلافت کا بندوبست
کیا لیکن وہ ایسی ملیامیٹ ہوئی کہ کوئی نام بھی نہیں لیتا ۔تو پھر خداوند عالم یا تو قادر
نہیں ہے ۔یا اوسکی ترکیبیں سب بھونڈی تھیں ۔اور سب کی سب رائیگاں ہوئیں ۔

الجواب:۔ یہ ویساہی اعتراض ہے جیسکہ کوئی آیہ کریمہ وعھدنا الی ابراھیم
واسمعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعکفین والرکع السجود یعنی اور ابراہیم
اور اسمعیل سے عہد و پیمان لیا کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجدہ
کرنے والوں کے واسطے پاک و صاف رکھو (سورہ بقرہ رکوع ۱۵)

پھر اعتراض کرے کہ خدا نے کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کے ہاتھوں تعمیر کرایا اور
ان بزرگوں سے عہد لیا کہ طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کیلئے اسکو
پاک و پاکیزہ رکھیں گے ۔مگر یہ عہد وغیرہ کچھ کام نہ آیا اور بت پرستوں نے تین
سو ساٹھ بُت چڑھا کر خانہ کعبہ کو صدیوں ناپاک رکھا ۔یا خداوند عالم نے جیسا
کہ اسی رکوع میں حکم دیا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی یعنی مقام ابراہیمؑ

میں نماز پڑھو لیکن اصحاب پرستوں نے اس کو پس پشت ڈالدیا اور ایک مصلےٰ کے عوض چار مصلے گڑھ لیئے - یا خداوند عالم نے فرمایا المسجد الاقصی الذی بٰرکنا حولہ یعنی مسجد اقصیٰ وہ ہے جسکے چاروں طرف خدا نے برکت نازل کی ہے لیکن ان سب برکتوں پر لات مار کر ناحق پرستوں نے بیت المقدس میں اپنے لئے الگ الگ چار مصلے قائم کر لئے -

یا خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کی خلافت و عصمت و بزرگی کیلئے ہر طرح کا بندوبست کیا اور فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا لیکن شیطان نے سجدہ نہ کیا اور اوس پر قیامت تک کے لئے خداوند عالم سے حیات کا وعدہ لیکر اوس کے بندوں کو بہکایا کرتا ہے اور خداوند عالم سے کچھ بن نہیں پڑتی - حضرت ذکریا کی دعا اور گڑگڑانے پر حضرت یحییٰؑ کو خداوند عالم نے پیدا کیا تاکہ وہ دین کو سنبھالیں لیکن دین کو سنبھالنے کے عوض حضرت یحییٰ عمر بھر رویا کئے اور بادشاہ کے حسب خواہش فتویٰ نہیں دینے کے عوض میں قتل ہو گئے - حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو کس اہتمام سے خداوند عالم نے پیدا کیا علاوہ سب امداد کے روح القدس کو آپکا ناصر و مددگار بنایا لیکن یہودیوں نے کچھ نہ سُنا اونکو سولی پر چڑھا ہی دیا اللہ میاں بھی اونکو نہ بچا سکے بجز اسکے کہ اونکے ہمشکل ایک آدمی کو یہودیوں کی تشفی کے لئے نہ دیدیا -

غرض علےٰ مرتضیٰ کے ساتھ بھی دنیا نے ایسا ہی برتاؤ کیا ہے لیکن جس طرح خانہ کعبہ میں خدا کو ترک کرکے کافروں نے بتوں کو نصب کرکے اونکی عبادت کی اور نہ خدا ہی کا نہ خانہ کعبہ ہی کا کچھ نقصان ہوا - اوسی طرح اگر حضرت علیؑ کو ترک کرکے عمر و بکر کو خلیفہ مقرر کرکے اونکی اطاعۃ کی تو حضرت علیؑ کا کچھ نقصان نہیں ہوا اور جیسا خانہ کعبہ میں مقام ابراہیمؑ کے اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے مقابلہ میں حنفی - مالکی - شافعی - حنبلی مصلوں کو قائم کرنے سے قرآنی مقامات

کی عظمت وشان میں فرق نہیں ہوا۔ اوسی طرح خدا کے مقرر کردہ خلیفہ حضرت علیؑ کے مقابلہ میں کسی دوسرے کو خلیفہ اختیار کرنے سے آپکی کسرشان نہیں ہوئی اور اونکے قاتل اور قتل میں شریک ویسے ہی ہیں جیسے حضرت یحییٰ۔ حضرت ذکریاؑ۔ حضرت عیسیٰؑ وغیرہ کے قاتل۔

المختصر خداوند عالم نے اس دنیا کو نفس ناطقہ۔ نفس امارہ۔ تقویٰ و پرہیزگاری وہوا وحرص کا دنگل بنایا ہے جسکے راز کو کوئی بشر ابھی تک نہیں سمجھا ہے۔ اس دنیا میں جس نے خدا کی اطاعۃ کی اور اوسکے حکم کو مانا اور اوسکے مقرر کردہ نبی وامام کی اطاعۃ کی وہ جنتی اور فائز ہوا۔ اور جس نے اوسکے حکم سے سرتابی کرکے اپنا من گڑھت معبود وامام بنالیا وہ جہنمی ہوا۔

اس دنگل میں ظاہری شکست کو خداوند عالم فتح اور کامرانی فرماتا ہے اور ظاہری فتح وغلبہ کو خسر الدنیا والآخرۃ۔ چنانچہ سورہ البقر رکوع ۱۹ میں فرماتا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۝ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔ یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے اونکو کبھی مردہ نہ کہنا بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو شعور نہیں ہے۔ اور ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور اے رسولؐ ایسے صبر کرنے والوں کو بشارت دیدو جو جب ان پر کوئی مصیبت آپڑے تو وہ بول اُٹھے ہم تو خدا ہی کے ہیں اور ہم اوسی کی طرف کو جانے

والے ہیں۔ انھیں لوگوں پر اونکے پروردگار کی طرف سے عنایتیں ہیں اور رحمت۔ اور یہی لوگ ہیں ہدایت یافتہ۔

اور ظالم فتحمند کے بارے میں سورہ مریم رکوع ۵ میں فرماتا ہے:۔ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُنْدًا یعنی اے رسول کہدو کہ جو شخص گمراہی میں پڑا ہے تو خدا اوسکو ڈھیل ہی دیتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا جس کا اون سے وعدہ کیا گیا ہے یا عذاب یا قیامت تو اوس وقت اونھیں معلوم ہو جائیگا کہ مرتبہ میں کون بدتر ہے اور لشکر میں کون کمزور و بیکس ہے۔ لہٰذا خلفاء کی سلطنت اور آل رسول ؐ کی مصیبت پر اترانا خدا وند عالم پر مضحکہ کرنا ہے اور قرآن کی آیتو کی طرف سے غفلت۔

غرض حضرت امیر علیہ السلام نے جو اپنی خلافت اور حق کیلئے جنگ نہ فرمائی وہ بھی تابع قانون قدیمہ کے تھا جیسے کسی نبی اور ولی نے اپنے منوانے کیلئے تلوار نہیں کھینچی اوسی طرح حضرت علی ؑ نے اپنی خلافت منوانے کے لئے تلوار نہیں کھینچی اور نہ مثل اوروں کے رسول ؐ کے کفن و دفن کو چھوڑ کر سقیفہ میں دوڑے اور نہ کسی سے سازو باز فرمایا بلکہ مثل کعبہ کے اپنی جگہ پر بسکینہ و وقار تشریف فرما رہے یہاں تک کہ جب آپ کے دشمن آپ کے پاس امداد کے لئے حاضر ہوئے تو مشورہ نیک اور امداد سے دریغ نہ فرمایا لیکن کسی صورت میں اپنے مقام سے نہ ہلے۔

ہاں جب بعد قتل حضرت عثمان امت نے آپ پر ہجوم کیا اور قبول خلافت کے لئے مجبور کیا تو آپنے عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ اور اب آپ کا فرض ہو گیا

کہ ظالموں کو روکیں اور باغیوں کی سرکوبی فرمادیں جیسا کہ اوپر کے خطبات سے واضح ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کبھی خلفاء سے ناراض نہ تھے بلکہ اس طرح ان لوگوں کی عظمت کرتے تھے کہ اونکے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھے اور مثل شیر و شکر کے اونکے ساتھ آپ زندگی بسر کرتے تھے۔

الجواب:۔ یہ سلوک حضرت کا بہ تحت آیہ کریمہ:۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا تھا۔ یعنی تم سب کے سب ملکر خدا کی رسی مضبوطی سے تھامو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۱۔

جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے اور اونکے اصحاب نے حضرت ہارون کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی کرنا اختیار کیا تو حضرت ہارون نے بھی قتال اسی خوف سے نہیں کیا کہ امت میں تفرقہ پڑ جائیگا۔ چنانچہ سورہ طٰہٰ رکوع ۵ میں ہے قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ۔ یعنی حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا کہ ہمارے اصحاب گمراہ ہوگئے تو میری پیروی میں اُن سے قتال کیوں نہ کیا کیا تم نے میری عدول حکمی کی کہا اے بھائی میری ڈاڑھی اور سر نہ پکڑیئے میں تو یہ ڈرا کہ کہیں آپ یہ نہ کہئے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا بھی خیال نہ کیا۔

بس اسی اصول پر حضرت علیؑ نے خلفاء سے اپنے حق کیلئے قتال نہ فرمایا بلکہ قتال کرنے کے عوض فعل مباح میں اونکی موافقت کی۔ چنانچہ بنظر اظہار یکجہتی

آپ نے اپنی اولاد کا نام وغیرہ بھی مثل خلفاء اور اولاد خلفاء کے رکھا۔
حالانکہ حضرتؑ اور آپکے اہل خاندان اسکے مستحق تھے کہ دوسرے اونکے اور انکی
اولاد کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھیں ۔ یہ تو حضرتؑ کی خوبی تھی کہ باوجود
ہر طرح کے ظلم و مصائب کے صرف اسلام میں اتفاق قائم رکھنے کی غرض سے آپ
اس طرح کا سلوک فرماتے تھے لیکن خود خلفاء اور اونکے تابعین واعتصموا
بحبل اللہ جمیعا سے اس قدر منحرف تھے کہ ہمیشہ کوشاں رہے کہ جس طرح
ہو اہلبیتؑ اور آل رسولؐ اور اُنکے شیعوں سے علحدگی ہو جاوے اور کبھی میل
نہ ہونے پاوے ۔ چنانچہ اونھوں نے کبھی اپنی اولاد کا نام آل رسولؐ کے نام
پر نہیں رکھا ۔ اس طرح کی رواداری برتنے کے عوض عمل برعکس کیا ۔ جیسے
جیسے زمانہ گزرتا گیا اپنے ناموں کو ایسا بدلا کہ کبھی اہل رسولؐ اور آل
محمدی کو پسند نہ ہو ۔ چنانچہ وہ ایسے گمنام ہوئے کہ اب اونکو خلیفہ ماننے
والے اور اونکے مقلد بھی اون ناموں سے پرہیز کرتے ہیں ۔ اب نہ کوئی معویہ
کہلاتا ہے نہ یزید نہ مروان اور نہ ہارون الرشید نہ مامون الرشید نہ متوکل
وغیرہ ۔ یہ سب نام دنیا سے غائب ہو گئے ۔ یہاں تک کہ اونکے تابعین ٹنگرو
منگرو ۔ تین کوڑی ۔ پچکوڑی ۔ چھیدی وغیرہ ایسے نام ہندوؤں کی تقلید
میں اپنی اولاد کے نام کے لئے پسند کرتے ہیں ۔ لیکن متوکل معتصم باللہ ہارون الرشید
یزید ۔ معاویہ وغیرہ کے قریب بھی نہیں جاتے ۔ پس جب اس طرح کے نام
رکھنے سے ہندو مذہب کی کوئی تعریف نہیں ہے اوسی طرح اگر آل رسولؐ
نے اپنی اولاد کا نام خلفاء اور اونکی اولاد کے نام کے مشابہ رکھا تو اہلسنت
والجماعۃ کے مذہب کی کوئی تعریف نہیں ہے بلکہ جس نے اس طرح کے نام
رکھے اونکی رواداری ۔ صلح پسندی اور فرقہ بندی کی مخالفت ثابت ہوتی ہے ۔

خلفاء نے اتنی ہی کوشش پر اکتفا نہیں کیا کہ اونکا - اونکی اولاد اور پیرو کا نام آل رسولؐ کے نام کے مشابہ نہ بننے پاوے بلکہ فرقہ بندی کے جوش میں اسلام پر یہ ظلم کیا کہ جو نام اللہ اور رسولؐ نے مسلمانوں کے مومن فرقہ کے لئے پسند کیا تھا یعنی شیعہ اور جس نام اور خطاب کے ساتھ اونکو جنتی اور رفائز فرمایا تھا اوس کو ترک کر دیا اور اوس فرقہ سے علحدہ ہو کر اپنے فرقہ کیلئے یہ نام اہلسنت والجماعۃ اختراع کیا چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جو اہلسنت والجماعۃ کے بڑے روشن ضمیر عالم ہیں اپنے تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں صٓ

اول فرقہ شیعہ اولیٰ و شیعہ مخلصین کہ پیشوایان اہلسنت والجماعۃ اند بر روش جناب مرتضوی در معرفت حقوق اصحاب کبار و ازواج مطہرات و پاسداری ظاہر و باطن با وصف وقوع مشاجرات و مقاتلات و صفائی سینہ و برارت از غل و نفاق گذرانیدند و اینہا را شیعہ اولیٰ و شیعہ مخلصین نامند و ایں گروہ من جمیع الوجوہ بحکم "اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ از شر ابلیس پر تلبیس محفوظ و مصون ماندند"

صٓ ۱۹ "باید دانست کہ شیعہ اولیٰ کہ فرقہ سنیہ و تفضیلیہ اند در زمان سابق بشیعہ ملقب بودند و چون غلاۃ و روافض و زیدیاں و اسماعیلیہ بایں لقب خود را ملقب کردند و بقصد قبائح و شرور اعتقادی ذکی گردیدند تحاعن التباس الحق بالباطل فرقہ سنیہ و تفضیلیہ ایں لقب بر خود نپسندیدند و خود را باہل سنت و جماعت لقب

لے جناب علی مرتضیٰ جیسا صحابہ کو جانتے تھے اور جو قدر اونکی کرتے تھے وہ حضرتؑ کے خطبوں سے ظاہر ہے اور اس زمانہ کے شیعہ اونہی خطبوں کے موافق ایمان رکھتے ہیں اگر اہلسنت و جماعۃ بھی حضرت کے خطبوں کے موافق اپنا ایمان درست کرلیں تو سب فرقہ بندی موقوف ہو جاتی ہے - حضرت کی کتاب یا خطبوں کا مجموعہ مسمی بہ نہج البلاغۃ مشہور و معروف کتاب ہے - اگر اہلسنت و جماعۃ کو حضرت علی کی روش فی الواقع پسند ہے تو آئیے شیعہ اور سنی اسی کتاب مبارک کے مطابق اپنا ایمان درست کر کے اتفاق کرلیں اور فرقہ بندی کو خیر باد کہیں نمونہ کے طور پر حضرت کے اقوال اس کتاب مبارک سے صٓ ۱۱۳ - ۱۱۵ - ۱۲۲ - ۱۶۸ رسالہ ہذا میں دیدیئے گئے ہیں وہ ملاحظہ ہوں - اگر اہلسنت و جماعۃ کو واقعی روش مرتضوی پسند ہے تو ان خطبوں کے مطابق ایمان درست کر کے روش مرتضوی اختیار کیجاوے -

کردند - حالا واضح شد کہ اینچہ در کتب تاریخ قدیمہ واقع می شود کہ فلاں من الشیعتہ او من شیعۃ علی حالانکہ او از رؤسائے اہل سنت وجماعۃ است نہ ست است۔ صـ ۹۲ " در اصل ایں لقب خاص شیعہ اولیٰ بود کہ پیشوایان اہل سنت وجماعۃ اند:- صـ ۱۰۶ " و دارقطنی از ام المومنین ام سلمہ روایت کند کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ وَشِیْعَتُکَ فِی الْجَنَّۃِ الخ یعنی فرمود رسولخدا صلعم مر علی را تو و تابعان تو در جنت اند... وغیرہ وغیرہ"

غرض شاہ صاحب کے ان جملوں اور اعترافات سے یہ امر بالکل واضح ہوگیا کہ قدما میں کچھ ایسے لوگ صالح تھے جنکو شیعہ علی کہا گیا ہے اور رسولخدا صلعم نے انکا نام شیعہ رکھا اور حضرت علیؑ کو اور آپکے شیعہ کو جنتی فرمایا۔ یہ امر اس قدر مستند اور معتبر ہے کہ جب شاہ صاحب اس سے انکار نہ کرسکے تو یہ فسانہ گڑھا کہ یہ خطابات فی الحقیقت اہلسنت والجماعۃ کے لئے ہیں لیکن جب روافض وغیرہ نے اپنے کو شیعہ کہنا شروع کیا تو حق و باطل کے آپس میں ملجانے کے خوف سے اس نام مبارک سے احتراز کیا اور اپنے کو اہلسنت وجماعۃ کہا۔ افسوس کہ شاہ صاحب نے فلاں فلاں کہکر حق پر پردہ ڈالا ہے۔ جن لوگوں کے متعلق فلاں من شیعتہ اور فلان من شیعۃ علیؑ ہے اگر انکا نام پوشیدہ نہ رکھے ہوتے بلکہ عوض فلاں کے اون اسمائے گرامی کو اپنی تصنیف میں جگہ دیکر ظاہر کئے ہوتے تو حق واضح ہوجاتا کہ آیا وہ لوگ واقعی اہل سنت وجماعۃ تھے جو حضرت ابوبکر۔ عمر و عثمان کو خلیفہ برحق جانتے تھے اور حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ۔ یا وہ لوگ شیعہ تھے اور تین خلافتوں سے انکار کرکے حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل کہتے تھے۔ لیکن شاہ صاحب کو تو حق پر پردہ ڈالکر اہلسنت وجماعۃ کو گمراہی میں رکھنا تھا وہ اُن شیعوں کا نام کیونکر ظاہر کرتے۔ تاہم کتب احادیث و تواریخ قدیمہ میں اون شیعوں کے نام کی تلاش کیجئے تو معلوم ہو جائیگا کہ وہ

ویسے ہی شیعہ تھے جیسے اس زمانہ کے۔ اور اہلسنت وجماعۃ سے اونکو نہ کوئی سروکار ہے اور نہ مشابہت۔

بہرکیف یہ نئی ترکیب ہے۔ کیا بعض مسلمانوں کی سودخواری۔ شراب خواری قبر پرستی وغیرہ کو دیکھکر کوئی مسلمان صالح اس پر راضی ہوسکتا ہے کہ اوس کا نام مسلمان کے سوائے دوسرا رکھا جاوے۔ مسلمانوں میں رافضی ہوئے ناصبی ہوئے خارجی ہوئے۔ قادری ہوئے۔ چشتی ہوئے۔ یزیدی ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کسی نے اسم مبارک اسلام کو نہیں ترک کیا۔ اسلام کے وسیع دامن میں سب کے سب بیٹھے گزرتے ہیں اور سب نے اپنے کو سچا مسلمان سمجھکر اون بشارتوں کا اپنے کو مستحق سمجھتے ہیں جو سچے مسلمانوں کو دی گئی ہیں اور خداوندعالم اور اوسکے رسولؐ کے عطاکردہ خطاب سے بخوف ظالمین ومنافقین وغیرہ احترازا نہیں کرتے۔ اور خداوندعالم کو بھی تہتر فرقوں میں سے ایک ناجی فرقہ کے چننے میں نہ کوئی دقت ہوگی اور نہ کچھ اشتباہ ہوگا اور نہ فرقہ ناجیہ کا ناریوں کے ساتھ اسلام میں شریک نام رہنا کچھ نقصان پہونچا سکتا ہے۔ بس اگر اہلسنت وجماعۃ واقعی شیعہ اولیٰ تھے اور شیعہ کے نام کے ساتھ جناب رسولخداؐ نے اونکو بشارتیں دی تھیں تو اونکو کیا پڑی تھی کہ اس اسم مبارکہ ومبشرہ کو ترک کردیا۔ اگر لقب شیعہ میں چند فرقے مثل رافضی۔ تفضیلیہ وغیرہ رہتے تو سچے شیعوں کا کچھ نقصان نہ تھا بلکہ خدا اونکو گمراہوں میں سے ویساہی چن لیتا جیسا سچے مسلمانوں کو منافقین اور کذابین سے چن لیگا۔ ہاں شیعہ کے مشترک نام میں رہنے سے تفرقہ اندازوں کا پیٹ نہ بھرتا۔ لہذا اس اسم مبارک کو ترک کرکے اپنے فرقہ کے لئے دوسرا نام تجویز کیا اور خداوندعالم اور اوسکے رسولؐ کے پسندکردہ نام سے احتراز کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب قیامت میں فرشتے شیعوں کو جنت کیطرف بلائیں گے تو یہ منہ دیکھتے ہی رہ جاویں گے۔ شیعہ رافضیوں کا صرف حضرت

ابوبکر کی خلافت سے انکار بلکہ صرف محبت آل اطہار اہلسنت وجماعت کو ایسا برا معلوم ہوا کہ رسولخدا صلعم کے عطا کردہ خطاب سے باز آئے۔ حالانکہ بیچارے رافضیوں نے نہ کسی کو ناحق قتل کیا تھا اور نہ کسی کا حق غصب کیا تھا۔

چنانچہ امام شافعی نے شیعہ رافضیوں کا جو قصور تھا اوس کو بہت واضح اور صریح لفظوں میں بیان کردیا ہے۔ بیہقی نے مزنی سے روایت کی ہے کہ اوس نے کہا سنا میں نے امام شافعی کو یہ شعر کہتے ہوئے ؎

إِذَا نَحْنُ فَضَّلْنَا عَلِيًّا فَإِنَّنَا رَوَافِضُ ۔۔۔ بِالتَّفْضِيلِ عِنْدَ ذَوِي الْجَهْلِ

جب تعریف کی میں نے حضرت علیؑ کی تو رافضی ہوگیا میں بوجہ فضیلت بیان کرنے جاہلوں کے سامنے

وَفَضْلُ أَبِي بَكْرٍ إِذَا مَا ذَكَرْتُهُ ۔۔۔ رُمِيتُ بِنَصْبٍ عِنْدَ ذِكْرِي لِلْفَضْلِ

اور جب حضرت ابوبکر کی فضیلت کا ذکر کیا تو مجھ کو ناصبی کہا گیا۔

فَلَا زِلْتُ ذَا رَفْضٍ وَنَصْبٍ كِلَيْهِمَا ۔۔۔ بِحُبَّيْهِمَا حَتَّى أُوَسَّدَ فِي الرَّمْلِ

نہیں چھوٹیگا مجھ سے یہ دونوں رفض اور نصب بوجہ اونکی محبت کے یہاں تک کہ قبر میں جاؤں۔

دوسری روایت حافظ جمال الدین الزرندی المدنی نے امام شافعی سے نقل کی ہے کہ امام شافعی نے فرمایا ؎

قَالُوا تَرَفَّضْتَ قُلْتُ كَلَّا ۔۔۔ مَا الرَّفْضُ دِينِي وَلَا اعْتِقَادِي

لَكِنْ تَوَلَّيْتُ غَيْرَ شَكٍّ ۔۔۔ خَيْرَ إِمَامٍ وَخَيْرَ هَادٍ

إِنْ كَانَ رَفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ فَإِنَّنِي أَرْفَضُ الْعِبَادِ

لوگوں نے پوچھا کیا تم رافضی ہوگئے تو میں نے کہا ہرگز نہیں رافضی نہ میرا دین ہے اور نہ اعتقاد ہے۔ لیکن بے شک میں نے تولا کیا یعنی سردار مانا بہترین امام اور بہترین رہنما کو۔

اگر آل محمدؐ کی محبت رفض ہے تو میں . ناروں میں سب سے بڑا رافضی ہوں (دیکھو ینابیع المودۃ ص۲۹۷)

میں ان اشعار اور اقوال سے یہ نہیں دکھانا چاہتا کہ امام شافعی آل محمدؐ سے خلوص رکھتے تھے اور آل محمدؐ کو سردار مانتے تھے . بلکہ صرف یہ کہ جو آل محمدؐ کے ساتھ محبت رکھتا تھا وہ رافضی کہا جاتا تھا - اور بیچارے شیعوں کو صرف آل رسولؐ کی محبت کی وجہ سے رافضی کہا - اور یہ محبت اہلسنت وجماعۃ کو ایسی بُری معلوم ہوئی کہ اسم مبارک شیعوں سے علحدہ ہو گئے اور اپنا نام بدل دیا - لہذا اہلسنت وجماعۃ کو اس کا عکس یعنی بغض آل رسولؐ پسند ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہلسنت وجماعۃ میں سے اولاً معاویہ نے حضرت علیؑ کے ساتھ پے درپے جنگ کی منبروں پر حضرت کے نام پاک پر تبرا کی بدعۃ قائم کی اور اوسکے بیٹے یزید اور اوس کے تابعین نے آل رسولؐ کو قتل کیا - اونکے گھر کو برباد کیا - اونکے حرم کو اسیر کرکے دیار بہ دیار - کوچہ بہ کوچہ تشہیر کیا تو یہ اونکو بُرا نہیں معلوم ہوا اور اُسی نام اہلسنت وجماعۃ میں داخل ہیں - اور اوسی نام سے پکارا جانا پسند کرتے ہیں جس نام سے آل رسولؐ کے دشمن یعنی یزید شمر - عمر ابن سعد - ابن زیاد و دیگر یزیدی پکارے جاتے ہیں - حالانکہ یزید اور یزیدیوں سے متبرا کرکے اگر اپنے لئے دوسرا نام پسند کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا اور قیامت میں اہلسنت وجماعۃ کے نام سے پکارے جانے سے بچتے اور یزیدیوں سے الگ رہتے -

یہ سب گفتگو اس بنا پر ہے کہ میں شاہ صاحب کے افسانہ کو قبول کروں کہ اہل سنت و جماعۃ پہلے شیعہ علیؑ کہے جاتے تھے . مگر اہلسنت وجماعۃ کے نام کی ایجاد اور شروع کو تواریخ اور احادیث سے ملاحظہ کیا جاوے تو شاہ صاحب کے بیان کی کوئی اصلیت و بنیاد نہیں معلوم ہوتی - اسمیں شک نہیں کہ رسولخداؐ کے شروع زمانہ میں سب مسلمان ہی کہے جاتے تھے لیکن جب حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ

سے معاہدہ کیا کہ آپ حیات رسولخداؐ میں حذیر رہیں گے اور بعد کو خلیفہ ہونگے اور رفتہ رفتہ دیگر فضائل حضرت علیؑ کو بیان فرمایا تو جن لوگوں نے بخوشی و رضا حضرت علیؑ اور آپکی اولاد کے بارے میں ارشاد فرمان رسالت پناہی مانا اور قبول کیا یعنی دنیا کی ہوس و سرداری سے باز آکر آل محمدؐ کی سرداری قبول کرکے اونکا مطیع و فرمانبردار رہنا قبول کیا وہ شیعۂ علیؑ کہلائے۔ کہیں اونکو مومن کہا اور کہیں اونکو شیعۂ علیؑ کہا۔ چنانچہ سورہ الحجرات رکوع میں ہے:۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ** اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یعنی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اے رسول کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لائے اور ایمان تو ابھی تمہارے دلمیں داخل بھی نہیں ہوا ہے۔۔ مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے پھر اونھوں نے کبھی شک اور انکار نہیں کیا اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔

پس جن لوگوں نے اپنی جانوں سے جہاد اس طرح کیا کہ ہمیشہ جنگ سے فرار کیا گئے۔ مال سے جہاد اس طرح کیا کہ ذرہ برابر خیرات کے خوف سے رسولخداؐ کی صحبت ہی ترک کردی۔ جن لوگوں کو جنگ احزاب میں حضرت عباسؓ نے اے اصحاب شجرہ کہکر پکارا اور جنکے فرار پر رسولخداؐ کو کہنا پڑا کہ میں رسول ہوں یہ بات جھوٹ نہیں ہے۔ پھر کیوں شک کرکے مجھکو تنہا چھوڑتے ہو اور جو صلح حدیبیہ کے وقت یہ کہیں کہ رسولخداؐ کی رسالت میں آج ایسا شک ہوا جو کبھی نہیں ہوا تھا جو رسول خداؐ کی عدول حکمی کریں اور جیش اسامہ کے ساتھ نہ جائیں۔

اور لعنت سینق اور جو رسو لخدا ؐ کو آخری وصیت لکھنے نہ دیں جس سے امت محمدی
گمراہی سے بچتی وہ لوگ اور جو لوگ فضائل علیؑ سنکر رسولخدا ؐ کو کہتے کہ حضرت رسول صلعم
حضرت علیؑ کی محبت میں گمراہ ہو جاتے ہیں[1] - اور جتنے فرمان آل رسول ؐ کی
سرداری اور امامت کے نازل ہوئے سب کو پس پشت ڈال کر اپنے دلوں میں
ہوس سرداری و حرص حکمرانی کو باقی رکھا اور بعد وفات رسولخدا صلعم حضرت علیؑ
کے فضائل سے انکار کرگے اور جو خلافت کا معاہدہ رسولخدا ؐ نے فرمایا تھا
اوس کو شکست کرکے عوض اونکے ساتھ تولا کرنے اور اونکو خلیفہ ماننے اور
اونکی اطاعت کرنے کے خود اونکو اپنا مطیع بنانے کی کوشش کرنے لگے - وہ
نہ کبھی مومن تھے اور نہ شیعہ علی اور نہ اونکا شمار شیعہ اولیٰ میں ہو سکتا ہے - بس وہ
مسلمان رہے اور اونکا اسلام پر باقی ہی رہنا غنیمت تھا - ایسوں کے اسلام
کی حالت ایک شخص کے نمونہ سے سمجھ جائیے - بالاتفاق راویوں کا بیان ہے
کہ جب رسولخدا صلعم نے غدیر خم میں منبر پر جاکر اور حضرت علیؑ کو بلند کرکے فرمایا
کہ میں جس کا مولا تھا اب علی اوسکے مولا ہیں - تو حضرت عمر نے فرمایا کہ مبارک
ہو مبارک ہو تم کو اے علیؑ کہ آج تم میرے اور کل مومن مرد و عورت کے مولا ہو گئے
(دیکھو ص ۳۴۳ رسالہ ہذا) - اس موقع پر رسولخدا صلعم کے سامنے منہ دیکھی
بات کہدی - اور حضرت علیؑ کو اپنا اور کل مومن اور مومنہ کا مولا ہونا قبول کرلیا
اور پوری طور سے اظہار تولا کیا - لیکن رسولخدا صلعم کا آنکھ بند کرنا تھا کہ یہ مبارکبادی
بھول گئے اور سب سے پہلے حضرت ابوبکر کی بیعت کرکے اونکو اپنا مولا بنالیا اور

---

[1] جسکی وجہ سے سورہ النجم کے شروع میں خدا نے عالم کو کہنا پڑا ما ضل صاحبکم وما
غوی وما ینطق عن الھوی یعنی تمہارے صاحب محمد نہ گمراہ ہوئے
ہیں اور نہ بہکے ہیں - اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے تو کچھ بولتے
ہی نہیں الخ

آگ لکڑی لیکر آئے کہ اگر حضرت علیؑ اور اونکے ہمراہی جاکر حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کرتے تو حضرت فاطمہؑ کے گھر کو مع حسنینؑ اور دیگر ساکنین کے جلا دینگے ایسے مسلمان کبھی شیعہ علیؑ نہیں ہو سکتے اور نہ وہ لوگ شیعہ علیؑ تھے اور نہ اونکے پیرو شیعہ علیؑ ہیں۔ یہ لوگ صرف ویسے ہی مسلمان ہیں جنکی طرف آیت مذکورہ بالا میں اشارہ ہے یعنی رسولؐ کے سامنے سب کچھ اقرار کرلیا اور جب موقع آیا تو سب قول و قرار بھول گئے اور وہ کام کیا جس سے دنیا حاصل ہو۔ جب ایسے مسلمانوں کے مولا و سردار معاویہ کا زمانہ آیا تو اوس نے جناب علی علیہ السلام سے بغاوت کرکے لڑنا شروع کیا اور بیّن ثبوت اس کا دیدیا کہ وہ شیعہ علی کسی طور سے نہیں ہو سکتا اور نہ اوس کے پیرو شیعہ علیؑ ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان اور نیز حضرت علیؑ کے زمانہ میں جو شیعہ علیؑ تھے وہ تھے باقی سب مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ ہاں جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے۔ اور جن لوگوں نے اونکی خلافت سے انکار کیا اور آل رسولؐ کی محبت پر باقی رہے اونکو طنزاً رافضی کہا یعنی خلیفہ برحق سے انکار کرنے والے جسکے جواب میں شیعوں نے پیروان و حامیان خلافت کو ناصبی کہا یعنی غلط اور خلاف حق خلیفہ نصب و مقرر کرنیوالے لیکن کسی ناصبی اور پیروان خلفاء کو اسکی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ شیعہ علیؑ کے مقابلہ میں دوسرا نام و خطاب اپنے لئے ایجاد کریں۔ یا اپنے لئے مسلمان کے سوا کوئی دوسرا فرقہ بندی کا نام تجویز کریں۔

شیعیان علیؑ پر ظلم و جور ہوا کیے مثلاً حضرت عمار بن یاسر کے شکم پر حضرت عثمان نے ایسی لات ماری کہ فتق کا عارضہ ہو گیا۔ حضرت ابوذر غفاری کو بے کس کر کے مدینہ سے جلا وطن۔ اور دوسرے جلیل القدر اصحاب کو جلا وطن کیا۔ لیکن اسم مبارک شیعہ کے ساتھ کچھ تعرض نہیں کیا۔ سب مسلمان ہی مسلمان تھے جنکے چند نفوس حضرت علیؑ کے ساتھ وابستہ رہے جن کو گویا شیعہ

علیؑ ابا یا رافضی۔ لیکن جب معویہ کا دور آیا تو اوس نے اسم مبارک شیعہ کو مٹانیکی کوشش کی اور اسکے متعلق جو اوس نے اور اوسکے عمال نے کارروائی کی ہے وہ اوسکے فرمان مذکورہ صفحہ ۱۸۱-۱۸۲ رسالہ ہذا سے ظاہر ہے۔ جسکے آخر میں یہ تاکید ہے "کہ جب کوئی شخص امت اسلام میں کوئی حدیث یا روایت ابوتراب کی شان میں بیان کرے تو اوسی وقت اس کے مقابل حدیث صحابہ کی شان میں تیار کر لیجاوے۔ کیونکہ یہ امر مجھکو سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس سے میری آنکھوں میں ٹھنڈک پہونچتی ہے۔ انکو بیان فضائل ابوتراب سے سخت منع کرو اور ان فضائل کا بطلان کرو یا اوسکا دوسرا مقصود بنادو" الخ۔ اس حکم سے امام شافعی صاحب کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ رفض بس فضائل علیؑ کو بیان کرنا تھا جس سے معویہ کو نفرت تھی اور اون فضائل کی تردید کرنا اور اوسکے مقابلہ میں صحابہ کی غلط تعریف کرنا ناصبیت تھی جس سے اوسکی آنکھوں میں ٹھنڈک پہونچتی تھی اور چاہتا تھا کہ حضرت علیؑ کے فضائل کا کوئی ذکر تک نہ کرے اور وہ سب دنیا سے غائب ہوجاویں اور کوئی شخص شیعہ علی ہونے کا نام بھی نہ لے۔

یہ وہ فرمان ہے جکی ڈر سے جو واقعی چند شیعے تھے وہ اپنے کو ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ لیکن بمصداق شعر ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد　　ہر آنکس پف زند ریشش بسوزد

فضائل علی ابن ابیطالب سے دنیا گونج رہی ہے۔ کفار تک اس نام کے فدائی ہیں اور شیعہ علیؑ کا نام تاباں و درخشاں ہے۔ انکے خلاف صحابہ کا ذکر اور انکی فضیلت کے بیان کرنے والے سب دنیا سے غائب ہو گئے۔ یہاں تک کہ اون کا نام تک لوگ نہیں دھرتے نہ اونکی تاریخ ولادت کوئی جانتا ہے

اور نہ تاریخ وفات۔ نہ فاتحہ ہے نہ درود۔
تحریر فرمان مذکورہ بالا کے وقت تو وہ اپنے پیرو کو شیعہ عثمان کہتا ہے۔
اسلئے کہ ابھی تک کوئی دوسرا نام وخطاب اونکے لیے تجویز نہیں ہوا تھا مگر
جب اوسکے فرمان کی تعمیل میں خلاف قرآن واحادیث رسول اللہ موضوعات کا
انبار ہو گیا تو ان موضوعات کا نام سنت رکھا اور بخلافت فرمان خدا ورسول
اور خلاف سنت خلفائے سابقین شیعہ کے مقابلہ میں اپنے پیرو کا نام سنت
وجماعۃ رکھا (اسکی تفصیل میرے رسالہ رد الوسواس میں دیکھو) - اور پیروان
معاویہ اور یزید نے اپنے کو ملقب باہل سنت وجماعۃ کر لیا اور ان آرافیات
انعامات اور اموال دنیا کو حاصل کیا۔ جنکا معاویہ نے وعدہ کیا تھا اور وہ
اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں شیعہ علیؑ کے ساتھ مشتبہ ہو کر خاندان بنی امیہ کے
انعامات سے محروم نہ ہو جاویں۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ سے اوس وقت تک
شیعوں کے عمل میں کوئی فرق نہیں ہوا تھا۔ اور شیعہ رافضیوں کا بھی کوئی
قصور سوائے محبت آل رسولؐ کے دوسرا کچھ نہیں بتایا جاتا۔ نہ امام شافعی
رافضیوں کا کوئی جرم سوائے محبت آل رسولؐ کے بیان کرتے ہیں اور نہ معویہ
کوئی دوسرا قصور اونکا ٹھہراتا ہے۔ شیعوں کی جو بات اوس کو ناپسند تھی
وہ فضائل ابو تراب کا بیان کرنا تھا اور اوسی کی تاکید اپنے فرمان مذکورہ بالا
میں کرتا ہے کہ انکو فضائل ابو تراب کے بیان کرنے سے سخت منع کرو۔ اگر
شیعوں پر تبرا کا الزام لگایا جاوے تو ابھی شیعہ تبرا کہتے بھی نہ تھے۔ اگر ایسا
کرتے ہوتے تو سب سے پہلے اسکی ممانعت ہوتی۔ بلکہ اسکی ایجاد کا باعث بھی
معویہ ہی ہوا ہے۔ جب بغض علیؑ میں اوس نے منبروں پر حضرت علیؑ پر تبراء

کی بدعة قائم کی اور باوجود صلح حضرت امام حسنؑ اس بدعة کو اوس نے بند نہیں کیا تو اوسکی پاداش میں اور جواب میں شیعوں نے بھی تبراء کی سنت اختیار کی معویہ کو تو اسکی پرواہ بھی نہ تھی کہ لوگ اوس کو کیا کہتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اوس کو بہت سخت و سست کہا تو اوسکے مصاحبوں میں سے ایک نے کہا کہ اے امیر آپ کیونکر اس قدر برداشت کرتے ہیں تو جواب دیا کہ جب تک کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے اوسکی سلطنت و بادشاہت میں خلل پڑے وہ دوسری باتوں کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ غرض جس نے دنیا حاصل کرنے کے لئے اللہ و رسولؐ کا بھی پاس نہیں کیا اوس کو کسی کا تبراء کرنا کیا برا معلوم ہوتا۔ لہذا شیعوں نے تبراء کیلئے اونکو چنا جن پر خدا اور رسول نے تبراء کیا ہے اور جن کے سبب سے اوسکی سلطنت و بادشاہت قائم ہوئی تھی۔ اور جنکے غلط فضائل بیان کرنیکی وہ اپنے فرمان میں تاکید کرتا ہے۔ غرض معویہ کی بدعة کے مقابلہ میں شیعوں نے سنت خدا اور رسولؐ کو اختیار کیا۔ چنانچہ کوئی ایک شخص کا بھی نام نہیں بتا سکتا جسپر شیعہ تبراء کرتے ہیں اور اوسپر رسول صلعم نے برملا تبراء نہ کیا ہو یا قرآن سے اوس پر تبراء ثابت نہ ہو۔ غرض شیعوں کا کوئی عمل معویہ کے زمانہ تک نہیں بتایا جا سکتا جس کو کوئی مسلمان برا کہے یا کوئی عقل سلیم رکھنے والا برا کہے۔ بلکہ صرف افتراق پیدا کرنے کے لئے معاویہ نے اپنے پیرو کا نام اہلسنت وجماعة رکھا یعنی جو لوگ صحابہ کے دلدادہ اور غلط تعریف کرنے والے اور فضائل آل رسولؐ کو مٹانے والے تھے اونکا نام اہلسنت وجماعة ہوا باقی فرقہ زیدیہ و اسماعیلیہ تو معاویہ کے زمانہ میں انکا وجود بھی نہ تھا قریب ایک صدی بعد معویہ کے یہ فرقے ظہور میں آئے۔

لہذا ان فرقوں کو لقب اہلسنت وجماعۃ کے اختراع کا سبب بتانا اور شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ چونکہ یہ فرقے اپنے کو شیعہ کہنے لگے اس لئے بخوف تلبیس الحق عن الباطل انھوں نے اسم مبارک شیعہ کو ترک کر کے اپنے کو ملقب بہ اہلسنت وجماعۃ کیا بالکل تلبیس ہی تلبیس ہے۔ اگر اونکے اسلاف واقعی شیعہ علیؑ ہوتے تو معاویہ کے حکم سے وہ خطاب عطا کردہ خدا و رسول صؐ سے باز نہ آتے اور نہ اپنے کو انعامات خداوندی و بشارہائے رسالت پناہی سے محروم کرتے لیکن شیعوں پر ظلم اور خصوصاً معویہ کے زمانہ کے شدائد اور اونکے مخالف پر انعام و جاگیر کی تقسیم کو دیکھکر رسول خداؐ سے منہ موڑ لیا اور اللہ سے بھی نہ ڈرے اور فضائل آل رسولؐ کو مٹانے اور فضائل صحابہ کو گڑھنے میں سرگرمی کے ساتھ مشغول ہو گئے۔

معویہ کے اس عمل کی مثال مسجد ذوالقبلتین سمجھئے کہ جب یہود۔ نصاریٰ اور کفار عرب مسلمان ہوئے تو کچھ لوگ تو خالص نیت سے مسلمان ہوئے اور فرمان رسول خدا صلعم کو وحی خداوندی مانا کرتے اور کچھ لوگوں نے صرف دکھانے کے لئے اسلام ظاہر کیا اور رسولؐ کے فرمان میں شک و شبہ کیا کرتے تھے چونکہ سب مسلمان بیت المقدس کیطرف سجدہ کرتے تھے جس طرف یہود و نصاریٰ کا قبلہ ہے اسلئے اونکے دلی جذبات پوشیدہ تھے۔ لہذا اونکا امتحان کرنیکے لئے کہ کون مومن صادق ہے اور کون نمائشی مسلمان ہے خداوند عالم نے رسولخداؐ کو حکم دیا کہ بیت المقدس جو مدینہ منورہ سے اوتر ہے اوسکی طرف سے منہ پھیر کر خانہ کعبہ کیطرف جو مدینہ سے دکھن ہے نماز میں منہ کرلو۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوا چند شخصوں کے جنھوں نے رسولخدا صلعم کے ساتھ خانہ کعبہ کیطرف منہ کرلیا سب کے سب بیت المقدس کیطرف رخ کئے رہگئے جسکی خبر خداوند عالم سورہ البقر رکوع ۱۷ میں یوں دیتا ہے وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ

الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ
یعنی جس قبلہ پر تم اے رسولؐ پہلے تھے اوس کو قبلہ اس واسطے بنایا تھا کہ وقت تبدیلی قبلہ سچا پیرو رسول اولٹے پیر پھر جانے والوں سے پہچان لیا جاوے جیسی یہ تبدیلی قبلہ سچے مومن کی شناخت کیلئے تھی ویسا ہی معویہ کا ساختہ خطاب اوسکے خالص پیرو اور آلِ رسولؐ سے اُلٹے پیر پھر جانے والوں کی شناخت کیلئے تھا۔ یعنی جو لوگ رسولِ خداؐ کی اطاعت سے اولٹے پیر پھر جانے والے تھے اور نہ کبھی مومن کہلائے نہ شیعہ علیؑ اون لوگوں نے معویہ کی خوشنودی کے لیئے اپنے کو ملقب باہل سنت و جماعۃ کرلیا اور اون احادیث اور سنت کے اجرا میں سرگرم ہوئے جو بخلاف قرآن و احادیث صحیحہ بتعمیل فرمان معاویہ مذکورہ بالا تیار کیگئی تھیں۔ اوںھوں نے خلافۃ کی طرفداری میں اولادِ علیؑ اور شیعیانِ علیؑ پر ظلم و جور کرکے دنیا کو دکھادیا کہ وہ نہ کبھی شیعہ علیؑ تھے اور نہ اس خطاب مبارک سے اونکو کبھی سروکار رہا۔

رسولِ خدا صلعم نے دو چیزوں گوراں بہا فرما کر وصیت کی تھی کہ ان دونوں چیزوں یعنی قرآن اور آلِ اطہار کو ہرگز مت چھوڑنا اور جو ان دونوں سے تمسک کریگا وہ ہرگز گمراہ نہ ہوگا۔ پس اگر رسولِ خداؐ کی وصیت کا پاس ہوتا تو وہ لوگ اہل قرآن و آلِ اطہار اپنا نام رکھتے لیکن اہلسنت نام رکھکر قرآن سے انکار ظاہر کیا اور جماعۃ کہکر آلِ اطہار سے انحراف کیا۔

اب شیعہ علیؑ کے متعلق بشارتوں کو دیکھکر اونکے منہ میں پانی آتا ہے لیکن تعصب قدیمانہ و پاسداری کنبہ و قبیلہ قبول حق سے مانع ہوتا ہے اور انکو مجبور کرتا ہے کہ اپنے کو شیعہ علیؑ نہ کہیں۔ بلکہ بتقلید قدما حضرتؑ کی اور حضرتؑ کی اولادِ اخیار کی تحقیر و توہین میں کوشاں رہیں اور اب بھی وہ لوگ فضائل علیؑ

کو سنکر جلتے ہیں۔

اس توضیح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ شیعہ علی مسلمانوں کی وہ جماعت ہے جو رسولخدا صلعم کے زمانہ میں موجود تھی اور جو بشارتوں کی مورد ہوا کرتی تھی اور اہل سنت وجماعۃ وہ فرقہ ہے جن کا امتحان کر کے خداوند عالم نے دکھا دیا کہ یہ اونٹ سیر بھر جلنے والے ہیں۔ یہ ذرہ برابر خرات کی ڈر سے رسولخدا کا ساتھ چھوڑنے والے ہیں۔ یہ تنہا رسولخدا صلعم کو جنگ میں چھوڑ کر فرار کرنے والے ہیں۔ یہ رسولخدا کی عدول حکمی کر کے لعنت سننے والے ہیں۔ یہ حکمران بنکر دنیا میں فساد کر کے خدا کی لعنت سننے والے ہیں۔ اور معاویہ کی خوشنودی کے خیال سے خداوند عالم اور رسولخدا کے عطا کردہ خطاب شیعہ کی مخالفت میں معاویہ کے پسند کردہ خطاب اہل سنت وجماعۃ قبول کرنے والے ہیں اور بعوض شیعہ علی ہونے کے حضرت علی پر برملا منبر دل پر تبرا کرنے والے ہیں اور ان کی اولاد کو قتل و غارت کرنیوالے ہیں اور فضائل صحابہ میں موضوعات کا انبار لگانے والے ہیں۔

کیا اس توضیح کے بعد بھی اہلسنت وجماعۃ میری عرض کو قبول کر سکتے ہیں کہ فرقہ بندی اور طرح طرح کے القاب وخطاب کو ترک کر کے خطاب شیعہ عطا کردہ خداوند عالم ورسول اللہ کے تحت میں آجاویں۔ اور جتنے مسلمان ہیں خواہ شیعہ خواہ سنی خواہ رافضی خواہ ناصبی خواہ خارجی سب کے سب شیعہ ہی کہلائیں اور اپنے کو رسولخدا صلعم کی بشارتوں کا مورد سمجھیں۔ خواہ پنجتنی شیعہ ہوں خواہ چار یاری شیعہ ہوں۔ ایسا کرنے سے اہلسنت وجماعۃ کا اب کوئی نقصان نہیں ہے۔ اب نہ وہ حکمران ہیں جو شیعوں پر ظلم وجور کرتے تھے اور نہ وہ حکمران ہیں جو شیعہ عثمان واہلسنت وجماعۃ کے نام پر انعامات

وجاگیر تقسیم کرتے تھے۔ پس اب اسم مبارک شیعہ کو قبول کرنے سے نہ کوئی خوف ہے اور نہ اوس کے ترک سے کوئی انعام ملتا ہے۔ پھر اللہ ورسولؐ کے عطاکردہ خطاب سے انکار کرکے دین کیوں خراب کیجئے۔ یہ کوئی نئی استدعا نہیں ہے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اور حضرت اسماعیل کے لئے دعا فرمائی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ سورہ البقرہ رکوع ۱۵ یعنی خداوندا ہم لوگوں کو مسلمان بنا اور یہ دونوں مسلمان ہوئے لیکن جب بنی اسرائیل نے یہودیت اختیار کی تو حضرت ابراہیمؑ کو عوض مسلمان کہنے کے یہودی کہا۔ اور جب عیسائیوں کا دور ہوا تو حضرت ابراہیمؑ کو نہ مسلمان کہا نہ یہودی بلکہ نصاریٰ لیکن قرآن پاک نے اِن جدید خطابوں کی تردید کرکے فرمادیا کہ مَا کَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ یعنی حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ سچے مسلمان (سورہ آل عمران رکوع ۷)

پس میری عرض بھی یہی ہے کہ سچے مسلمان شیعہ ہی تھے۔ نہ اہلسنت وجماعۃ نہ خوارج نہ ناصبین۔ نہ حنفی نہ مالکی۔ نہ شافعی نہ حنبلی وغیرہ وغیرہ پس آپ حضرات ان نوایجاد خطابوں کو ترک کرکے اپنے کو شیعہ کہنا قبول کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ باوجود ان دلائل و اظہار حق کے اسم مبارک مبشرہ شیعہ کو نہیں اختیار کریں گے نہ کرسکتے ہیں۔ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ یعنی سب چیزیں اپنی اصلیت کیطرف جاتی ہیں مشہور مقولہ ہے لہذا جنکی اصلیت شیعہ سے جداگانہ ہے وہ ہمیشہ اوس سے جُدا۔ اور جن سے اونکو اتفاق واتحاد ہے اون سے وہ وابستہ ہیں اور قیامت تک وابستہ رہیں گے لیکن شیعہ کسی حالت میں اس مبارک اسم کو ترک نہیں

کر سکتے جب قبل میں خلفاء کے ہر طرح کے ظلم و شدائد کو برداشت کیا اور اس
اسم مبارک سے باز نہ آئے تو اب کیسے اس کو ترک کر سکتے ہیں۔ یہ اسم مبارک
تا قیام قیامت دنیا میں باقی رہیگا اور قیامت میں اسی نام والے حسب فرمودہ
رسولخداؐ جنت میں ہونگے۔

کیا تماشا ہے کہ بیچارے اہلسنت وجماعۃ کی ایسی ہستی ہوگئی کہ جو جاہے جیسا نام
اونکا رکھدے اور وہ اونکو منظور ہی کرنا پڑے۔ شیخ سعدی نے سچ کہا ہے

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت ہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

یعنی جب خدا اور رسولؐ کے عطا کردہ خطاب نام کو اون لوگوں نے چھوڑ دیا تو پھر
جس کا جو جی چاہا ویسا نام اونکا رکھدیا اور مجبوراً وہ نام اونکو قبول ہی کرنا پڑا۔
اس زمانہ میں بھی یہ بات روزمرہ تجربہ میں آتی ہے کہ اگر کسی جولاہے دھنیے
کا نام کسی بڑے بزرگ کے نام کے ایسا رکھا تو لوگ اوس کا دوسرا چھوٹا
نام رکھکر پکارتے ہیں۔ جیسے محمد کو محمدوا۔ رسولؐ کو غلام رسولا اور بعض
موقع پر پورا نام ہی بدل دیتے ہیں۔ جیسے حسین بخش کو چھیدی کہہ دیا وغیرہ
وغیرہ۔ اوسی طرح جب خلفاء کے پیرووں نے اسم مبارک شیعہ سے احتراز
کیا تو اون کا نام ناصبی پڑا۔ اوسکے بعد جب معویہ سے ملکر وہ لوگ حضرت علیؑ
سے برملا جنگ و پیکار کرنے لگے تو اونکا نام خوارج رکھا گیا۔ بعدہ معویہ نے
اونکا نام اہلسنت وجماعۃ رکھا جب خلفاء بنی عباس کا زمانہ آیا تو احکام
قرآنی کی مخالفت کرکے اولاً اونکو فرقہ فرقہ کیا اور ہر فرقہ کا نام علحدہ علحدہ
حنفی، مالکی، شافعی حنبلی رکھا اور سب بیچاروں نے قبول کرلیا۔ خداوند
عالم سورہ الانعام رکوع ۲۰ میں فرماتا ہے:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ
وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ یعنی بے شک جن لوگوں نے

اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا ہے اور فرقہ فرقہ بن گئے ہیں۔ تمہیں اے رسول اون سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ پس خلاف حکم خدا ورسول ؐ یہ لوگ حنفی۔ مالکی شافعی حنبلی۔ مقلد۔ غیر مقلد۔ وہابی۔ قادری چشتی بنکر رسولخدا ؐ سے علحدہ ہوگئے اور رسولخداؐ کو اونسے کوئی سروکار نہیں ہے اور وہ دنیا میں ایسا گرے کہ جس کا جو جی چاہے اونکا نام رکھدے اور وہ بیچاروں کو قبول ہی کرنا پڑتا ہے۔ آپ کہیں گے کہ شیعوں میں بھی فرقہ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ فرقہ شیعہ کو رسولخدا نے قائم فرمایا اور اوس کو اطاعت و فرماں برداری علیؑ واولاد علی علیہم السلام کی تعلیم دی جو اس پر باقی ہیں وہی حق پر ہیں اور جو فرقے اس سے علحدہ ہوتے گئے خواہ بہ شکل اہلسنت وجماعت خواہ بہ شکل زیدیہ واسماعیلیہ وہ سب غلط اور برسر ناحق ہیں۔ لہذا شیعے جو خطاب عطا کردہ رسول ؐ پر باقی ہیں اور اوس سے علحدہ ہونے والے اور تفرقہ کرنے والوں کو برسر خطا کہتے ہیں وہ حق پر ہیں اور جو فرقہ در فرقہ قائم کرتے ہیں اور سب فرقہ کو حق بھی کہتے ہیں وہ برسر خطا ہیں اور حسب آیت مذکورہ بالا امت محمدی سے خارج۔ جب یہ لوگ امت محمدی سے خارج ہوئے تو خانہ کعبہ کے مقام ابراہیم کے مصلے اور بیت المقدس کے مسجد اقصی سے بھی خارج ہوگئے اور اون سے علحدہ مثل ہندوؤں کے چٹائی کے الگ الگ چھوٹا مصلےٰ قائم کیا اور فرقہ بندی کی نظیر دنیا کے سامنے پیش کردی۔ لیکن شیعوں نے نہ اپنا نام بدلا۔ اور نہ مصلے۔ وہ جیسے خدا اور سول ؐ کے عطا کردہ خطاب پر قائم ہیں ویسا ہی خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے مصلے پر اور بیت المقدس کی مسجد اقصی پر قائم ہیں۔

جو لوگ ان واقعات سے واقف ہیں اور عوام کو دھوکہ دینے کے لئے کہدیتے ہیں کہ رسولخدا صلعم کی بشارتوں میں شیعہ علیؑ سے اہلسنت وجماعۃ مراد ہیں وہ سورہ البقرہ کے رکوع ۱۹ کی آیت کو پڑھیں اور خدا سے ڈریں:۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ یعنی جو لوگ روشن دلیلوں اور ہدایتوں کو جنھیں ہم نے نازل کیا ہے اور کتاب میں اوس کو صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کردیا ہے اس کے بعد بھی ادسے چھپاتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔
اس آیہ مبارکہ سے شیعہ تبرائیہ کا بھی پتہ چل گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ان ہی لوگوں پر لعنت کرتے ہیں جن پر خداوند عالم لعنت کرتا ہے اور انسانی پاسداری میں خداوند عالم کی عدول حکمی نہیں کرتے۔
غرض جب اہل سنت وجماعۃ نے بہ پاسداری معاویہ مسلمانوں سے علحدہ ہو کر اور اسم مبارک و بشرہ شیعہ سے احتراز کر کے ایک نیا فرقہ قائم کیا اور اس کا نیا نام رکھکر ایک مستقل فرقہ قرار دیا تو اعمال میں بھی تفرقہ اندازی کرنے لگے تاکہ کبھی اتفاق نہ ہونے پاوے اور بہ ایمائے معویہ یہ اہتمام کیا کہ نماز سے سجدہ گاہ کو غائب کردیا۔ سورہ الحمد سے بسم اللہ کو غائب کردیا۔ اور نماز کے قیام وقعود سے تکبیرات کو غائب کردیا۔ اور آل رسولؐ اور اُنکے شیعہ رسولخدا صلعم کی مخالفت نہ کرسکے اور تفرقہ پڑ ہی گیا اور ایسا تفرقہ پڑا کہ اب ہزار سُلجھایئے اتفاق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اذان ہوئی معلوم ہوگیا کہ شیعہ ہے یا سُنی۔ نماز کے قیام وقعود

پر نظر کیجیے اور فرق موجود ہے۔ غرض جیسا نماز میں تفرق کا موجب معویہ ہے (دیکھو ص رسالہ ہذا) ویسا ہی حج میں تفرق کا باعث بھی وہی جس نے معو عملی میں اشارہ رسول کی مخالفت کی اور اپنے تابعین کو اوس مخالفت پر غریب و ترغیب دی۔ چنانچہ کنز العمال سنن بیہقی میں ہے

عَنْ سَعِیْدٍ کَانَ ابْنُ الْعَبَّاسِ بِعَرَفَةَ فَقَالَ یَا سَعِیْدُ مَا لِیْ لَا اَسْمَعُ النَّاسَ یُلَبُّوْنَ فَقُلْتُ یَخَافُوْنَ مُعَاوِیَةَ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ فُسْطَاطِهٖ فَقَالَ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ مُعَاوِیَةَ اَللّٰھُمَّ الْعَنْھُمْ فَقَدْ تَرَکُوا السُّنَّةَ مِنْ بُغْضِ عَلِیٍّ یعنی حضرت ابن عباس نے سعید سے عرفہ کے روز پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں لوگوں کو تلبیہ کہتے ہوئے نہیں سنتا پس سعید نے کہا لوگ معاویہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ سنکر ابن عباس اپنے خیمہ سے نکلے اور پکار کر کہا لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اور کہا اگرچہ علی الرغم معویہ ہو خدایا ونداا لعنت کر اون پر تحقیق کہ اون لوگوں نے علیؑ کی عداوت سے سنت رسولؐ ترک کر دی ہے۔

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ معاویہ کی پاسداری اور حضرت علیؑ کے بغض میں لوگوں نے کس طرح حج وغیرہ میں رسولخدا صلعم کی سنت کی مخالفت کی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر رسولخداؐ کی سنت کا کسی کو پاس تھا تو حضرت ابن عباس اور بنی ہاشم ہی کو پاس تھا۔

المختصر قرآن پاک حضرت علی۔ فاطمہ۔ حسن اور حسین علیہم السلام کو صادق بتا کر فرماتا ہے کہ جیسا خدا سے ڈرنا واجب ہے ویسا ہی صادقین کا ساتھ دینا واجب ہے۔ انکو طیب طاہر کہتا ہے۔ انکی محبت امت محمدی پر واجب کرتا ہے۔ اور مانند لہ عشیرتک الاقربین کی تعمیل میں

رسولخدا حضرت علیؑ کے ساتھ معاہدہ فرماتے ہیں کہ رسولخداؐ کی زندگی میں وزیر اور بعد وفات خلیفہ ہونگے اور آخر وقت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرماکر حضرت علیؑ کو اپنی جگہ پر خلیفہ مقرر فرماتے ہیں۔ پس جن لوگوں نے اس انتظام خدا و رسولؐ کو بطیب خاطر قبول کیا اور حضرت علیؑ کو خلیفہ وجانشین رسولؐ سمجھا اور اطاعت کی وہ سچے مومن اور شیعہ تھے اور اونکے ہم خیال و ہم مذہب شیعہ ہیں۔ اور جن لوگوں نے فرمان رسالت مآب کو پس پشت ڈالا۔ عوض اطاعت کے نافرمانی کی اور عوض حضرت علیؑ کو خلیفہ اور جانشین رسولخداؐ ماننے کے خود خلیفہ بن بیٹھے اور حضرت علیؑ کو اپنا تابع اور مطیع بنانے کی کوشش کی وہ اور اونکے ہم خیال و ہم مذہب اہلسنت وجماعۃ ہیں اور چونکہ خلاف مرضی خدا اور رسولؐ اس فرقہ کو قائم کیا ہے۔ اس لئے خود یہ فرقہ ایسا تتر بتر ہوا کہ شاخ در شاخ ہو کر واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کی مخالفت کا نمونہ بن گیا حنفی۔ مالکی شافعی۔ حنبلی سب ایک دوسرے کو کافر بھی کہیں۔ ایک ساتھ نماز پڑھنا ناجائز بھی کہیں اور پھر سب کو حق بھی کہیں۔ مقلد۔ غیر مقلد۔ قادری۔ چشتی۔ وغیرہ وغیرہ پیدا ہو کر اس فرقہ کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر دیا اور حسب فرمودہ قرآن پاک رسولخدا صلعم کو اون سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

تقریر بالا سے یہ امر بھی بالکل واضح ہو گیا کہ کون فرقہ عامل بر قرآن اور کون فرقہ منحرف از قرآن ہے۔ یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآرا ہے کہ اسلامی فرقوں میں کون فرقہ معتقد صحیح قرآن پاک کا ہے۔ ہر فرقہ اپنے کو معتقد ثابت کرنے کے لئے لمبے لمبے لفظوں سے دعویٰ کرتا ہے اور اپنے اسلاف کے اقوال پیش کرتا ہے اور دوسروں کو

منحرف بتاتا ہے حالانکہ قرآن کا واقعی معتقد وہ فرقہ ہے جو فقط زبانی وقولی قرآن کی عظمت و راستی نہیں ثابت کرتا بلکہ اسکی ہر آیت کی عملی تصدیق کرتا ہے جسکی قرآن نے تعریف کی ہے اوسکے دامن سے متمسک ہو کر جنت کا متوقع ہے اور جسکی مذمت کی ہے اوس سے علحدہ رہکر جہنم سے بچنا چاہتے ہیں (دیکھو صفحہ ۳۵۷-۵۸ ۳۲ رسالہ ہذا) کہا جاتا ہے کہ اہلسنت وجماعۃ اور اون کے بزرگوں نے قرآن کو جمع کیا اور اوسکے معتقد ہیں - اگر شیعوں کو بھی قرآن پاک کا پاس ہوتا تو اس قرآن کو ناقص نہ کہتے - اور اگر اس قرآن کو ناقص ہی کہنا تھا تو اپنے لئے دوسرا نسخہ کامل حاصل کئے ہوتے -

الجواب :- قرآن کو ناقص کہنے میں شیعونکی کوئی خصوصیت نہیں ہے خلافت نے قرآن جمع کرنے کے لئے اونکو منتخب کیا جو اوس سے نابلد تھے اور خود خلفاء کی اولاد اور ہمدم کا بیان ہے کہ سورہ احزاب سے ۲۷ آیتیں غائب ہیں - قرآن کا بہت حصہ جاتا رہا - ستر منافقین کے نام مع ولدیت کے تھے وہ ساقط کر دیئے گئے اور خود قرآن کی آیتیں کہ رہی ہیں کہ نظم قرآن اولٹ پلٹ دیا گیا ہے - اسکے بعد کہنا کہ قرآن کامل ہے اور اسکی ترتیب ویسی ہی ہے جس طرح یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے قرآن پہلوی یعنی مثنوی روم کی تعلیم کی تقلید ہے کہ جو چاہو سو کرو اور قرآنی احکام کی تکذیب کر کے فسق و فجور کو خدائی تعلیم اور الہام غیبی وغیرہ بتاؤ - الحمد للہ کہ خداوند عالم نے شیعوں میں خدا ترسی دیکی ہے اور وہ خداوند عالم کے آیات کی تکذیب نہیں کر سکتے - اونکو تمیز دی ہے کہ وہ کجروی کو صراط مستقیم نہیں کہ سکتے - خداوند عالم کے فرمان کی کہ یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ کلام خدا کو بدل دینگے - شیعے تصدیق کرتے ہیں کہ ایسا

عمل، قرآن کے ساتھ کیا گیا ہے جسکی تائید خود قرآن کے جامعین کی اولاد اور اونکے تابعین اور خود قرآن پاک کر رہا ہے۔

غرض شیعے ایک بات بھی قرآن پاک کے متعلق دوسرے فرقوں سے زائد نہیں کہتے۔ ایک قول بھی ان کا قرآن کے نقص کے متعلق ایسا نہیں مل سکتا جس کو دوسرے فرقوں نے نہیں کہا ہو۔

لہذا اس بنا پر صرف شیعوں کو ناقص ماننے والا اور اپنے کو اوس کو کامل ماننے والا کہنا انصاف وایمان کی داد دینی اور اس مثل کا مصداق ہونا ہے ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

دوسرا اعتراض کہ شیعوں نے اپنے لئے دوسرا نسخہ کامل کیوں نہ حاصل کر لیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ارشاد تفرقہ اندازی کا مشورہ ہے۔

اگر شیعے ایسا کئے ہوتے تو پھر اسلام کا کہیں ٹھکانا نہ ملتا اور قرآن بھی مثل احادیث کے فرقہ بندی کا نشانہ بنکر اعتبار سے گرجاتا چنانچہ شیعوں نے احادیث بہ دل جمع کیں اور اونکے مقابلہ میں اہل سنت وجماعت نے احادیث معاویہ شاہی کو جمع کیا اور چونکہ احادیث صحیحہ سے ایک دم چشم پوشی نہیں کیجا سکتی اس لئے سابقین نے اونکو بھی مجبوراً اپنے موضوعات میں جگہ دیا اور جب اہلسنت وجماعۃ دیکھتے ہیں کہ شیعوں کی کتب احادیث سے مذہب شیعہ کی توثیق اور مذہب اہل سنت کی تردید ہوتی ہے تو ان احادیث رسول اللہ کو اختراعات شیعہ کا خطاب دیا۔ اور جب اپنی کتب احادیث میں بھی ایسی احادیث دیکھی جس سے خود اونکے مذہب کی تردید ہوتی ہے تو یہ بات بنائی کہ اونکے بعض مصنفین شیعہ تھے اور اونھوں نے اپنے مطلب کے مطابق احادیث کتب اہلسنت

میں داخل کردی ہیں یا شیعوں نے اہلسنت وجماعۃ کے جمع کردہ احادیث میں اپنی احادیث کو داخل کردیا ہے۔ اب یہ بیچارے نہ کتب احادیث شیعہ کو مانتے ہیں نہ اپنی کتب احادیث پر اعتبار کرتے ہیں (دیکھو رسالہ ردالوسواس اشکال اول) اور سنت رسولؐ سے بے بہرہ ہوکر اپنا نام اہلسنت رکھ کر مصداق برعکس نام نہند زنگی کافور کے ہورہے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ اہل سنت نہیں ہیں۔ اگر اہلسنت ہوتے تو کتب احادیث شیعہ مانتے یا نہ مانتے کم سے کم اپنی ہی کتب احادیث کو معتبر کہتے۔ لہذا یہ خالص اہل جماعۃ ہیں (یعنی ان کا مذہب پنچایتی ہے) مگر یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے کہ اہل جماعۃ کہے جانیکے اوس وقت مستحق ہوتے جب تفرقہ اندازی سے پرہیز کرتے اور جماعۃ میں پھوٹ نہ ڈالتے مگر حضرت علیؑ کی اتحاد و یکجہتی کی ہر طرح کی کوششوں کو بالائے طاق رکھکر اون سے اور اون کے تابعین سے الگ ہوگئے اور اہل سنت وجماعۃ کا فرقہ قائم کرلیا۔ اگر اسی فرقہ پر بس ہوجاتا تو خیر کہنے کی بات بھی لیکن تفرقہ اندازی کے جوش میں مقام ابراہیمؑ و مسجد اقصیٰ کو چھوڑ کر خانہ کعبہ و بیت المقدس کو تفرقہ اندازی کا نشانہ بنا کر چار چار ٹکڑے کرڈالا اور اسکے بعد کتنے فرقے پیدا ہوئے۔ اوسکی تعداد خدا کو معلوم ہے۔ لہذا یہ اہل سنت وجماعۃ کے عوض اہل بدعت وافتراق کہے جائیں تو صحیح ہے۔

بہر کیف اگر شیعے قرآن کو جمع کرتے تو اسکی بھی وہی گت ہوتی جو حدیثوں کی ہوئی اور اہل سنت کہتے کہ شیعوں نے اپنے جمع کردہ قرآن میں اصحاب کی مذمت اور آل اطہار کی مدح بھردی ہے۔ حالانکہ اس میں مدح اصحاب و مذمت آل اطہار تھی جسکو اونھوں نے حذف کردیا۔ اور جب اسکے خلاف اپنے مجموعہ قرآن میں آیات مطابق مذہب شیعہ پاتے تو کہتے کہ شیعوں نے ان آیات کو اس مجموعہ میں

داخل کر دیا ہے۔ اور جیسا احادیث سے ہاتھ دھو بیٹھے آج قرآن سے بھی
ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اور قرآن بھی ایک ذریعہ فرقہ بندی کا ہو جاتا۔ اور اوسکے
نام لیوا صرف گنتی کے چند شیعے رہ جاتے اور دنیا کو یہ کہنے کا موقع نہ رہتا
کہ قرآن پاک تمام اسلامی دنیا کا ایک معتبر جامع قانون ہے۔
چنانچہ ملاحظہ کیجئے کہ حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں کا ایک مجموعہ ہے جس کا
نام نہج البلاغہ ہے اوسکی عبارت کے متعلق عرب کا قول ہے تحت کلام الخالق
و فوق کلام المخلوق یعنی نہج البلاغہ فصاحت و بلاغۃ میں قرآن پاک سے
کم ہے لیکن کلام مخلوق سے بالا تر ہے۔ اسکے مثل دوسری کوئی کتاب نہیں
پیش کر سکتا۔ لیکن چونکہ شیعے اس کتاب سے متمسک ہیں اس لئے اہلسنت
وجماعۃ اس کتاب مبارک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اگر ان میں حق کی تلاش ہوتی
اور صرف نہج البلاغہ ہی کے خطبوں سے سبق لیتے تو وہ صراط مستقیم پر آجاتے
اور بھٹکنے سے محفوظ رہتے۔ مگر چونکہ یہ مجموعہ شیعوں کی طرف منسوب ہے اس لئے وہ اس سے
کنارہ کشی کرتے ہیں۔ اوسی طرح اگر کوئی مجموعہ قرآن پاک کا شیعے تیار کرتے تو
اہلسنت والجماعۃ اوس سے پرہیز کرتے اور مثل احادیث کے اوسکو افتراءات شیعہ
کہکر اوسکی تحقیر و تکذیب کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے یہ انتظام کیا کہ سوا
اہلسنت وجماعۃ کے مجموعہ کے دوسرا قرآن دنیا کے سامنے نہ رہنے پائے تاکہ
اس سے انحراف و انکار کرنے کے لئے قیامت تک کوئی حیلہ وحوالہ کرنے کی گنجائش
نہ رہے۔ پس اتمام حجت کیلئے حضرت علیؑ کو مامور کیا کہ قرآن کا ایک مجموعہ کامل و مکمل
مرتب کرکے امت کے سامنے پیش کریں۔ اگر امت نے بلا اختلاف
بمصداق واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کے قبول کر لیا تو بہتر ورنہ
امت کو چھوڑ دو کہ وہ خود ایک مجموعہ اپنے طور پر بنالیں تاکہ اوس سے انحراف کا

اونکو کوئی حیلہ نہ رہے۔ اور اگر بمصداق آیہ کریمہ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ یعنی یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ کلام خدا کو بدل دیںگے تو میں اوس مجموعہ کا محافظ ہوں تاکہ دین حق و صراط مستقیم غائب نہ ہونے پائے۔ لہذا اوسکے مقرر کردہ بارہ اماموں نے بھی اپنے تابعین کو حکم دیا کہ اس مجموعہ سے اختلاف نہ کرنا اور دین تم کو اس سے ہی حاصل ہوگا۔ اسی خدائی ترکیب کا یہ نتیجہ ہے کہ کوئی فرقہ اسلامی اس کی ایک آیت سے بھی انکار نہیں کرسکتا۔ دل سے مانیں یا نہ مانیں۔ زبان سے ہر مسلمان کو یہ کہنا ضرور ہے کہ قرآن حق ہے اور اوسکی ہر آیت صحیح ہے اور کوئی یہ کہکر بات نہیں بنا سکتا کہ یہ شیعہ کا مجموعہ ہے یا شیعوں نے اپنے مطلب کے آیات اسمیں بھر دیئے ہیں۔

بہرکیف صحیح پیرو قرآن کا وہی ہے جو اسکے آیات کا صحیح ترجمہ صرف ونحو ومحاورۂ عرب کے مطابق کرکے اوس پر عامل ہو۔ چنانچہ اس رسالہ میں بہت واضح طور پر دکھایا گیا ہے کہ کون فرقہ آیات کے صحیح معنے بتاکر قرآن پاک کے ممدوحین کو اپنا پیشوا مانتا ہے۔ اور وہ کون فرقہ ہے جو منافقین و کذابین و مفسدین کو قرآنی آیات کی تکذیب کرکے یا غلط معنے ومفہوم بتاکر اپنا پیشوا مانتا ہے۔ اور اسی پر اس فرقہ نے بس نہیں کی ہے بلکہ ایک مسلم قرآن اپنے لئے گڑھ لیا ہے جس کا نام قرآن پہلوی ہے اور جسکے مطالب و تعلیم قرآن سے کوسوں دور ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اگر اہل سنت وجماعۃ کا دعویٰ ہے کہ وہ پیرو قرآن پاک ہیں تو قرآن پاک کی کسی آیت سے حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان کی ایک بات بھی قابل تعریف ثابت کردیں۔ یا یہ بتادیں کہ انذر عشیرتک الاقربین کی تعمیل میں حضرت علیؑ سے خلافت کا معاہدہ ہوا تھا کہ نہیں۔ کونوا مع الصادقین کے مصداق سواء حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے کون ہے

وغیرہ وغیرہ - اور پھر ان حضرات کو چھوڑ کر دوسروں کی اطاعۃ قرآن کے کس آیت کے مطابق کی گئی -

المختصر تبدیل اسم مبارک شیعہ کے متعلق آپ شاہ صاحب کی توجیہ و تاویل کو مانیں یا احادیث و تواریخ پر اعتبار کریں - یہ امر مسلم ہے کہ رسولخدا صلعم کے زمانہ ہی میں کچھ مسلمان ایسے تھے جن کو شیعہ علی کہکر رسولخدا صلعم نے جنت کی بشارت دی تھی صـ۱۰۶ تحفہ اثنا عشری میں شاہ صاحب شیعہ علیؑ کے معنی تابعان علی لکھتے ہیں - بس یہ بالکل موٹی بات ہے کہ جو لوگ مطیع اور تابعدار علیؑ تھے اور حضرت کے مقابلہ میں کبھی دنیا کی سرداری و حکومت کا خیال بھی دل میں نہ لائے - وہ شیعہ تھے اور حسب فرمودہ رسولخدا صلعم جنتی - لیکن جو لوگ حضرت علیؑ کے تابع نہ تھے یا ظاہراً تابعداری اور اطاعۃ کا اقرار کیا لیکن موقع ملنے سے خود حکمراں بن گئے اور حضرت علیؑ ہی کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے کی کوشش کرنے لگے - وہ اور اونکے طرفدار نہ کبھی شیعہ تھے اور نہ شیعہ کہلا سکتے ہیں - بلکہ اونکو اس خطاب پاک سے ایسی نفرت تھی کہ وہ اس کے وجود ہی کو نہیں دیکھ سکتے تھے اور اسکی مخالفت میں جہاں سب ظلم و جور کیا - ایک یہ ظلم بھی کیا کہ اسکے مقابلہ میں اپنے پیرو کا نام اہلسنت و جماعۃ رکھا اور خدا و رسولؐ سے منہ موڑ لیا -

قصہ مختصر اسلام میں ہر طرح کی تفرقہ اندازی اہلسنت و جماعۃ نے کی ہے حضرت علیؑ کی خلافۃ سے انکار کرکے اپنے لئے دوسروں کو خلیفہ مقرر کیا اور اونکی ہوا خواہی میں رسولخداؐ کے عطا کردہ خطاب سے باز آئے اور آل رسولؐ کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھنے سے پرہیز کیا - اور اونکے خلفاء نے ایسا نام رکھا کہ آل رسولؐ کو کیا پسند ہوتا خود اونکے تابعین کو ناپسند

ہوا۔ اور وہ سب نام دنیا سے غائب ہو گئے۔ ان سب توضیحوں کے بعد بھی چونکہ دنیا میں ہٹ دھرمی بہت ہے اور خصوصاً تعصب بھی۔ لہذا بات بنانے کے لئے کہ دیکھئے کہ میں نے بہت ثابت کیا تو صرف حضرت علیؑ کی خلافت اور حسن و حسین علیہم السلام کی عصمت اور صداقت۔ اونکی امامت اور اونکے بعد نو اماموں کی امامت کیسے ثابت ہوتی ہے۔ خداوند عالم کو معلوم تھا کہ قرآن پاک ایسے لوگوں کے ہاتھ میں پڑیگا جو کلام خدا کو بدلنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اولاً صاف صاف تین معصوموں کو صادق بتا کر اون کا ساتھ دیتے کا حکم فرمایا اور ایک بزرگ کو صاف صاف برادر رسولؐ۔ وزیر رسولؐ خلیفہ رسولؐ جانشین رسول۔ نفس رسولؐ۔ قرآنی احکام کی تبلیغ اور جاری کرنے کا اہل بتادیا اور باقی نو اماموں کی طرف صرف اشارہ و کنایہ پر اکتفا کیا۔ اگر ان صادقین کی تفسیر و قول کو قبول کیا جاوے تو بارہ اماموں کی امامت ویسی ہی ثابت ہوتی ہے جیسے پنجگانہ نمازوں کا قیام۔ قعود و سجدہ۔ رکوع و تعداد رکعت۔ یعنی اگر قرآن اور رسول صلعم کے ارشاد کے مطابق حضرت علیؑ کی خلافت مان لیجائے تو قرآن کے مطابق حضرت حسن اور حسین علیہم السلام کی صداقت مان کر اون کا ساتھ دینا واجب ہے اور حضرت علیؑ کے ارشاد کے مطابق حضرت حسنؑ اور حسینؑ کی امامت ثابت ہوتی ہے۔ اور ہر صادق اپنے قبل کے صادق سے سند پاکر قابل اعتماد و وثوق ہوا کیا ہے۔

ان بارہ اماموں کی امامت ایسی مستند و مستحکم ہے کہ ساری دنیا اونکو پہچانتی ہے۔ اب اونکے لئے کسی پیشین گوئی کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ جو شخص بنظر انصاف احادیث اہلسنت وجماعۃ و تواریخ میں ان بزرگوں کی سوانح دیکھے اوس کو ذرہ برابر اونکے ولی اللہ و امام برحق ہونے میں شک و شبہ باقی

نہیں رہ سکتا۔ یہ سب عرض صرف اس بنا پر ہے کہ میں اپنے استدلال کو صرف قرآن کی آیات اور اوسکی تفسیر کے درمیان محدود رکھنا چاہتا ہوں ورنہ دوازدہ ائمہ کے متعلق حضرت رسولخدا صلعم کی بکثرت حدیثیں کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔ اس پر بھی اگر کسی کو آل رسول اور اصحاب رسول میں فرق نہ معلوم ہو تو وہ مصداق اس آیہ کریمہ کا ہے:۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا کَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یعنی جب اوسکے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو گھمنڈ میں منہ پھیر لیتا ہے۔ گویا کہ اونکو سنا ہی نہیں گویا کہ اوسکے کانوں میں ٹھیٹی ہے اے رسول تم اوسکو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ سورہ لقمن رکوع ۱

اس پر دو اور اعتراض ہیں کہ جعفر امام نے اپنے بعد کے امام کی خبر صاف ارشاد نہ فرمائی جسکی وجہ سے اونکی اولاد اور اصحاب میں اختلاف پڑا اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس اعتقاد کی بنا پر بہت لوگوں نے امامت کے مدعی بن کر اسلام میں فرقہ در فرقہ پیدا کردیا ہے۔ الجواب ان سب کا باعث بھی حضرت ابوبکر۔ عمر اور عثمان کی چال تھی جسکی طرف جناب امیر علیہ السلام نے اپنے خطبہ شقشقیہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ "حیات خداوندی کی قسم ہے کہ لوگ اسکے سبب سے خبط میں مبتلا ہوگئے ہر اہل و نا اہل دینی اور دنیوی امور میں رائے زنی کرنے لگا متلون مزاجیاں دامنگیر ہوگئیں۔ اعتراضوں کی بوچھار ہونے لگی۔ خیر میں نے ان صدمات پر صبر کیا۔ اس محنت کی شدت کو بھی برداشت کیا۔ یہاں تک کہ یہ شخص بھی اپنے رستہ پر گزر گیا"۔ پھر جب حضرت عثمان نے انتقال کیا اور لوگوں نے حضرت پر بیعت کے لئے ہجوم کیا تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اوسمیں یہ ارشاد ہے "بیشک کہ ابر جہالت آفاق پر چھایا ہوا ہے

اور شاہ راہیں متروک و ناپید ہوگئی ہیں"۔ اس کے عربی الفاظ یہ ہیں:- ان الافاق قد اغامت والمحجۃ قد تنکرت۔

غرض جب لوگ خبط میں مبتلا ہو گئے اور متلون المزاجیاں امت میں آگئیں اور شاہ راہ یعنی صراط مستقیم ناپید اور مجہول ہو گئی تو پھر سوائے بھٹکنے اور مختلف و متفرق راستہ اختیار کرنے کے کیا چارہ ہے ہر شخص کو دعویٰ نبوت اور امامت کا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بعض یزید کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ اور ابھی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت تو پھیلی ہی ہوئی ہے۔ اور یحییٰ عبد اللہ کی نبوت کا بھی دار دورہ ہے۔ اگرچہ قرآن میں صاف لفظوں میں ہے کہ محمد مصطفےٰ صلعم خاتم المرسلین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ مگر خلاف قرآن واحادیث رسولؐ ہر روز نئے نئے نبی کا دعویٰ ہوا کرتا ہے۔ تو کیا اس طرح کے دعوے دروغ وغیرہ کی وجہ سے انسان نبی برحق سے انکار کرسکتا ہے یا اوسکی ذات پر کوئی اعتراض ہوسکتا ہے۔ اگر مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا کیا نقصان ہوا؟ اگر نمرود شداد فرعون وغیرہ وغیرہ نے دعویٰ خدائی کیا تو خدائی میں کیا بٹہ لگا جو کسی کے غلط نبوت اور امامت کا دعویٰ کرنے سے امامت اور نبوت میں بٹہ لگ سکتا ہے انسان تو انسان۔ بندر۔ درخت۔ پتھر خدا بنکر اپنے کو پجوانے لگے تو کیا ان کے خوف سے کوئی وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ سکتا ہے۔ جھوٹے نبی ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں تو آنکے خوف سے کوئی رسولؐ برحق سے انکار کرسکتا ہے؟ اوسی طرح اگر لوگ امامت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اپنے کمانے کے لئے فرقہ قائم کرتے ہیں تو امامت غلط نہیں ہوسکتی اور سچے امام سے انکار کرنے والوں کا وہی حشر ہوگا جو سچے نبی اور رسولؐ کے انکار کرنے والوں کا

وحدہٗ لاشریک کے سوا دوسروں کے پوجنے والوں کا ۔ پس جیسے انصاف پسند انسان معبود برحق اور پتھر و درخت میں تمیز کرتا ہے اسی طرح لازم ہے کہ نبی و رسولؐ برحق کو پہچانے اور امام ہدایت اور امام نار میں تمیز کرے نہ کہ کاذب کے خوف سے صادق سے بھی انکار کردے ۔

دوسرا اعتراض کہ خود اماموں نے اپنے بعد کے اماموں کا بعض موقع پر صحیح اوصاف پتہ نہیں تبلایا ہے ۔ اس کا باعث بھی وہی خلفاء کا ظلم و جور تھا جسکی مثال خود قرآن پاک میں موجود ہے ۔ سورہ یوسف پڑھیئے تو اوسکے آغاز ہی میں ہے ۔ جب حضرت یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ "میں نے گیارہ ستاروں ۔ سورج اور چاند کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں تو حضرت یعقوب نے فرمایا کہ اے بیٹا کہیں اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ ذکر کرنا ورنہ وہ تمہارے ساتھ مکر کریں گے اور تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارا پروردگار تم کو برگزیدہ کریگا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائیگا" اور جب اونکے بھائیوں نے حضرت یعقوب کی محبت اور رجحان حضرت یوسف کی طرف دیکھا تو اونکو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور شکار کے بہانے سے لیجاکر کوئیں میں ڈال دیا ۔ یہ سب کیا لیکن آخر حق ثابت ہو کر رہا اور آخر کار اونھی بھائیوں نے آپ کی فضیلت کو تسلیم کیا ۔ جس کا ذکر سورہ یوسف کے رکوع ۱۱ میں ہے :۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۔ یعنی حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہا کہ قسم خدا کی تمہیں خدا نے یقیناً ہم پر فضیلت دی ہے اور بیشک ہم ہی یقیناً خطاوار تھے ۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا اب آج سے

تم پر کچھ الزام نہیں ہے ۔ خدا تمہارے گناہ معاف فرمائے وہ تو سب سے زیادہ رحیم ہے ۔

دیکھا کہ حضرت یوسف ؑ کی حفاظت کے خیال سے حضرت یعقوب نے اونکی فضیلت اون کے بھائیوں سے نہ خود ارشاد فرمائی اور نہ حضرت یوسف کو ظاہر کرنے کی اجازت دی لیکن صرف حضرت یعقوب کا رجحان اونکی طرف دیکھکر اونکے بھائی سب اونکے دشمن ہو گئے اور کنویں میں ڈال دیا ۔ اور بالآخر جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا حضرت یوسف کی فضیلت کا خود بخود اقرار کیا ۔

اوسی طرح خلفاء کے خوف سے یا بعض اولاد کے خوف سے بعض امام نے اپنے بعد کے امام کے لئے صاف صاف ارشاد فرمایا جسکی وجہ سے کبھی شبہ ہوا لیکن وہ شبہ اوسی طرح رفع اور دفع ہو گیا جیسے حضرت یوسف ؑ کے بھائیوں کی غلط فہمی دور ہو گئی اور وہ راہ راست پر آکر مغفور ہو گئے ۔ اور بارہ اماموں کی امامت ویسی ہی تاباں اور درخشاں ہے جیسی رسول ؐ کی رسالت ۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ اماموں میں بڑا اختلاف ہے ۔ تقیہ کرتے تھے ۔ ایک سوال کا مختلف جواب دیتے تھے وغیرہ وغیرہ ۔ یہ سب وساوس شیطانی ہیں ۔ ہرگز کسی امام نے دوسرے امام کے خلاف کوئی جواب نہیں دیا ۔ جو اختلاف سمجھتا ہے اپنی لاعلمی اور کم فہمی کی وجہ سے ۔ جیسے قرآن پکار پکار کر کہتا ہے کہ ہم میں اختلاف نہیں ہے لیکن مفسرین اختلاف کرتے ہیں ۔ ایسے شبہوں کا مفصل جواب رسالہ "ردالوسواس" میں دیا گیا ہے ۔ جس کو تحقیق منظور ہو مطبع اصلاح سے طلب کر کے ملاحظہ کرے ۔

پس اگر برادران یوسف اب بھی حق کو پہچان کر راہ راست پر چلے آویں تو

انشاء اللہ اونکے بھی سب گناہ معاف ہوجاویں گے اور اہل اسلام کے نیک دن پھر پلٹ سکتے ہیں۔

بعض حضرت امام آخرالزمان کے وجود پر معترض ہوتے ہیں۔ حالانکہ نہ معلوم مسلمانوں کو اس امر پر کیا اعتراض ہے حضرت خضرؑ کی حیات کے قائل حضرت الیاسؑ کو زندہ مانتے ہیں جو سب حضرت موسیٰؑ سے پہلے پیدا ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسےٰؑ کو بھی زندہ تصور کرتے ہیں جنکی عمر قریب دو ہزار برس کے ہوئی تو پھر حضرت محمد مصطفیٰؐ کی اولاد اخیار میں اگر خداوند عالم نے ایک فرد کو طول عمر عنایت فرمائی تو کیا عذر ہے۔ پہلے قرآن سے انکار کرکے اونکے بڑوں کی طولانی حیات سے انکار کریجئے اوس کے بعد حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی طولانی زندگی میں شک کیجئے۔

افسوس قرآن کے نظائر کو بھول کر لوگ طعناً کہتے ہیں کہ یہ کیسا امام ہے کہ نہ دوست کو منہ دکھاتا ہے اور نہ دشمن کو۔ اور صدیاں گزر گئیں ظاہر ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ بھلا حضرت خضر۔ حضرت الیاس۔ حضرت عیسیٰؑ نے کسی کو منہ دکھلایا ہو تو کہدیجئے پھر حضرت آخرالزمان پر کیا اعتراض ہے۔ اولاد رسول میں حضرت کی مثال ویسی ہی ہے جیسے سابقین میں نامبردہ انبیاء کی مثالیں موجود ہیں۔ پس اگر کوئی مسلمان قرآن سے انکار کرکے اون انبیاء سے انکار کرلے تب آخرالزمانؑ سے انکار کرنے کی جرأت کرے۔

لیکن انسان اپنی فطرت اور نفسانیت سے مجبور ہے اوسکی عجیب حالت ہے۔ کہ وہ صرف غیب اور جو بات اوس کو نظر نہیں آتی اوس سے تمسخر اور انکار نہیں کرتا بلکہ انبیاء و مرسلین کو بچشم خود دیکھکر اون سے انکار و تمسخر کیا کرتا تھا جسکی خبر سورہ یٰسین رکوع ۲ میں یوں ہے۔ یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْھِمْ

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ یعنی افسوس ہے بندوں کے حال پر کہ کبھی اونکے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر لوگوں نے اوسکے ساتھ مسخرا پن ضرور کیا۔ پھر سورہ الزخرف رکوع ۱ میں فرماتا ہے:۔ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ٥ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ فَاَهْلَكْنَا اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی ہم نے اگلے لوگوں میں کتنے پیغمبر بھیجے اور کوئی پیغمبر اونکے پاس نہیں آیا جس سے ان لوگوں نے ٹھٹھے نہیں کیے ہوں تو اونیں سے جو زیادہ زور آور تھے اونکو ہم نے ہلاک کردیا اور اونکے افسانہ رہ گئے۔ پس ایسا نہ ہو کہ آخرالزمان سے انکار کرنے والوں کا بھی وہی انجام ہو۔ لہذا خدا سے ڈرنا چاہیے ورنہ آخرالزمان کے وجود سے اور اللہ کے وجود سے انکار کرنے والونکا حشر وہی ہوگا جو قیامت اور قبر سے زندہ اوٹھنے کے وعدے پر ابنیاء سے تمسخر کرنے والوں کا ہوا جسکی خبر سورہ الجاثیہ رکوع ۴ میں ہے:۔ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ٥ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ یعنی جب تم سے کہا گیا کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے ہم تو بس ایک خیالی بات سمجھتے ہیں اور ہم اوس کو نہیں باور کرتے۔ اور اونکے کرتوتوں کی برائیاں ظاہر ہوگئیں اور جس چیز کی یہ لوگ ہنسی اوڑایا کرتے تھے اوس اونکو ہر طرف سے گھیر لیا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

نتیجہ

الحمد للہ کہ قرآن پاک کی بے شمار آیتوں میں سے صرف چند آیتوں کو لیکر میں نے آل واصحاب کے فرق کو ثابت کردیا کہ بروے قرآن پاک امت پر واجب ہے کہ آل اطہار کی پیروی کریں اور اُن ہی کے طریقہ کو ذریعہ نجات قرار دیں اور اصحاب نے دین میں جو احداث کیا ہے اوس سے پرہیز کریں۔ افسوس ہے کہ قرآن کیطرف متوجہ کرنے کو لوگ کہتے ہیں کہ یہ زمانہ نہیں ہے کہ اس طرح کی تحریر و تقریر کیجائے اور فرقہ بندی کو زور دیاجائے۔ بھلا کوئی زمانہ مسلمانوں کے لئے ایسا آسکتا ہے جس میں قرآن کی طرف متوجہ کرنا اوسکے احکام پر عمل کرنیکی ترغیب و تحریص کرنا ناجائز سمجھا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو کچھ زوال وادبار ہے وہ قرآن سے مخالفت کی وجہ سے ہی ہے۔ اور قرآن کی پیروی کی تاکید کرنے والا اوسکی طرف ترغیب و تحریص کرنے والا محسن قوم ہے ہاں اگر کوئی شخص مثل شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور دیگر مناظرہ کرنے والوں اور لکھنے والوں کے بات بناکر اپنے فرقہ کی تعریف اور دوسرے فرقہ کی تردید کرے تو وہ تفرقہ انداز کہا جاسکتا ہے۔ اور اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی نے حد ضرورت ہے اُسکی سعی نامشکور ضرور ہو گی اور میں نے کہیں بات بناکر حق و باطل کو مشتبہ نہیں کیا ہے اور نہ اپنے فرقہ کی بے جا تعریف کی ہے اور نہ دوسرے فرقہ کی بے موقع مذمت کی ہے۔ صرف قرآن کی آیات کی طرف قوم کی توجہ کو مبذول کیا ہے۔ چنانچہ اس رسالہ کی تحریر سے یہ امر بخوبی ثابت ادر

واضح ہو گیا کہ خداوند عالم نے آیہ نجویٰ سے اصحاب کی بخالت ثابت کر کے اونکے نفاق
کی خبر دیدی۔ نماز میں رسولخدا کو کھڑا چھوڑ کر کھیل تماشہ۔ خرید و فروخت کی طرف
دوڑ جانے کو بیان فرما کر حکم دیا کہ جو لوگ نماز کو کھیل تماشہ کے برابر سمجھیں اون کا
ساتھ نہ دینا۔ جنگ احد میں جو حضرت عمر و ابوبکر وغیرہ پہاڑ پر چڑھ گئے بتر نایا کہ
پہچان لو کہ یہ سب منافق ہیں۔ اور دیگر جنگ سے بار بار فرار کا ذکر کر کے بتا دیا
کہ یہ باؤ بالغضب و عذاب الیم کے مستحق ہیں اور جنگ حنین میں جب فرار
کیا تو "اے اصحاب شجرہ" اور "اے بیعت رضوان" کرنے والے کہ کر بتا دیا کہ اصحاب
کبار کسی طور سے فرار کے عیب سے پاک نہیں ہو سکتے اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے
اور نہ اونکے عیب پر پردہ پڑ سکتا ہے۔ اور یہ جتلا کر میں نبی ہوں میں جھوٹ نہیں
کہتا یہ ظاہر فرما دیا کہ فرار کرنے والوں کا نہ ایمان ہے نہ اونکو نبوت پر اعتقاد ہے
اور نہ رسول کو سچا سمجھتے ہیں۔ ورنہ رسالت اور صداقت بتانے کی ضرورت نہ تھی
اور بالآخر یہ پیشین گوئی فرما کر کہ "عنقریب اصحاب رسول حاکم بنکر دنیا میں فساد کرینگے
قطع رحم کرینگے اور ان پر خدا کی لعنت ہے"۔ بتا دیا کہ اونکے راستہ کو کبھی صراط مستقیم نہ سمجھنا
اور نہ انکے راستہ پر چلنا ان سب اخبار و اوصاف کے بعد بھی جو شخص انکی پیروی کرے
اور انکو امام ملنے اوس پر خدا کی حجت ختم ہے اور وہ اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں۔

اونکے خلاف آل رسول کی زبانی جھوٹوں پر لعنت کرا کے یہ ثابت کر دیا کہ یہ لوگ
یعنی حضرت علی۔ فاطمہ۔ حسن۔ حسین علیہم السلام ایسے صادق و راست باز ہیں کہ انکے
سوا دوسرے کی حیثیت نہیں کہ خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہو کر جھوٹوں پر لعنت کرے۔
انکی طہارت و عصمت کی خبر دیدی کہ ان سے خطا و نسیان نہیں ہو سکتا اسکے بعد انکی
محبت واجب کر کے لوگوں کے قلوب کو انکی طرف مائل کیا۔ صادقین کا ساتھ دینے کا
حکم دیکر انکی اطاعۃ واجب فرمائی۔ جیسا خدا اور رسول مومنین کے ولی ہیں ویسا ہی

والی حضرت علیؑ کو فرما کر لوگوں کا حاکم و سردار مقرر فرمایا۔ سورہ براءت کی دس آیتیں حضرت ابوبکر کو دیکر واپس لے لیا اور امت کو بتا دیا کہ انہیں دس آیت کی تبلیغ کی بھی اہلیت نہیں ہے اور اسکے سزاوار صرف رسولخدا صلعم اور آپ کے اقربا ہیں بالخصوص حضرت علیؑ۔ اور بالآخر حضرت رسولؐ نے یہ کہکر کہ جس کا میں مولا تھا اب علیؑ اوسکے مولا ہیں آپکو اپنی جگہ پر خلیفہ اور وصی مقرر فرمایا۔ اب جو شخص ان سب احکام قرآنی اور ارشاد خداوندی سے چشم پوشی کرکے آل رسولؐ کا ساتھ چھوڑکر دوسروں کا ساتھ دے اور اونکے دشمنوں سے ملکر آل رسولؐ کو اونکے حق سے محروم کرے۔ اور ان پر ظلم وجور کرے۔ انکو تباہ و برباد کرے وہ اس کا ذمہ دار ہے۔ اور خدا کی حجت اوس پر ختم ہے۔ قیامت میں کوئی بات بنائے نہ بنیگی۔

یہ ایسی واضح اور بیّن باتیں ہیں کہ اہلسنت والجماعۃ کے پیشواؤں نے دیکھا کہ اگر یہ سب امور عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو جائیں گے تو کوئی بھی اوس دین پر باقی نہیں رہ سکتا لہذا یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق بنکر طرح طرح کے افتراء اور اصول قائم کیئے تاکہ عوام پر حق ظاہر نہ ہونے پائے۔ مثال کیلئے یہ چند مفتریات اور اختراعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ کہ اس غرض سے کہ شیعوں کے ساتھ میل جول ہوکر اونکی بات بہ رغبت کوئی سُنی نہ سُن سکے یہ افترا کیا کہ شیعوں کے ساتھ کھانا پینا حرام ہے اس لئے کہ شیعہ کھانے میں نجاست ملاکر اہلسنت والجماعۃ کو کھلاتے ہیں۔ کیا تماشا ہے کہ خداوند عالم جن مشرکین کو قرآن پاک میں نجس فرماوے اور جو کفار و مشرکین اپنے پیشاب۔ پائخانہ کی صحیح طہارت نہ جانیں اور محتلم ہونے کے بعد پاک نہ ہوں اونکا کھانا پینا پاک اور حلال۔ اونکے ہاتھ کی مٹھائی سے مولود اور پیر صاحبان کا فاتحہ جائز لیکن شیعہ جو آل رسولؐ کو دوست رکھتے ہیں مسلمان ہیں۔ نجاست

اور طہارت کی تمیز رکھتے ہیں۔ اونکے ہاں کا کھانا پینا اہلسنت والجماعۃ کیلئے نجس وحرام۔ یہ اصول کچھ قیمیوں کی کفایت اور رفاہ کے خیال سے نہیں قائم کیا گیا ہے۔ بلکہ عوام کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے ورنہ اسکی کوئی اصل نہیں ہے۔

۲۔ جب دیکھا کہ یہ غلط بیانی اور افترا پردازی کام نہیں دیسکتی اور شیعوں کی شرافت طہارت۔ صداقت وغیرہ دنیا کو اپنا فریفتہ بنا ہی لے گی اور شیعہ دسنی میں میل ہو ہی جائیگا اور ایک دوسرے کی باتیں ضرور سنیں گے تو بیچارے عوام کو یوں بہکایا کہ شیعوں کی مذہبی کتاب دیکھو ورنہ تمہارے ایمان میں خلل پڑیگا اور عموماً مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے اپنی پیروی کرنے والوں کو روکا۔

(۳) جب دیکھا کہ ان دو اصولوں سے بھی کام نہ چلا اور جہاں اہلسنت والجماعۃ کا سمجھدار آدمی اوصاف صحابہ اور سلوک آل رسولؐ سے خبردار ہوا وہ اپنے دین آبائی کو خیرباد کہکر شیعہ ہوگیا تو اور بھی باتیں بنائی گئیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ "کوئی گھر نہیں ہے جسکی کچھ نہ کچھ فرد میں شیعہ ہوگئی ہیں اور یہ دین پھیلتا جاتا ہے"۔ لہذا شیعوں سے تنفر کرنے کے لئے اونکو کچھ اور بھی ایجاد اور افتراء کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ شاہ صاحب کا افترا ہے کہ ابن سبا یہودی نے مذہب شیعہ کو ایجاد کرکے اسلام میں پھوٹ ڈال دیا۔ اس میں شک نہیں کہ رسولخداؐ کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت نے اسلام میں اختلاف پیدا کردیا اور اسمیں ایسی فرقہ بندی ہوگئی کہ اب کسی کے مٹائے نہیں مٹتی۔ اگر ابن سبا ہی اس پھوٹ کا باعث قرار دیا جاوے تو یہ غور و فکر کی بات ہے کہ وہ کس مذہب کا موجد ہوسکتا ہے۔ شیعہ کا جو آل رسولؐ کی محبت اور پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں اور جنکے عقائد کی قرآن پاک کی بے شمار آیتیں تائید کرتی ہیں جنکے چند کا ذکر اس رسالہ میں ہوا ہے۔

یا اہلسنت والجماعۃ کا جو اصحاب کے عیوب پر پردہ ڈال کر اونکو امام اور ہادی مانتے ہیں اور اونکی تقلید میں آل رسولؐ پر وہ ظلم کیا جو تواریخ سے ثابت ہے اور جنکے عیوب قرآن پاک کی آیتوں سے ظاہر و ثابت ہوتے ہیں اور جن کا ایک وصف نیک بھی قرآن پاک کی کسی آیت سے نہیں ثابت ہو سکتا۔

قبل بعثت رسولؐ ابن سبا۔ ابن قحافہ۔ ابن خطاب۔ ابن عفان۔ ابن ابی سفیان وغیرہ وغیرہ سب ایک ہی تھے۔ عرب میں یا بنی اسمٰعیل تھے یا بنی اسرائیل۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیل کی اولاد حجاز میں آباد تھی اور حضرت اسحٰق کی اولاد جو حضرت یعقوب سے ہوئی وہ بنی اسرائیل کہلائی وہ سب فلسطین و شام وغیرہ میں آباد تھی انھیں میں سے کفار۔ مشرک۔ بت پرست۔ یہود و نصاریٰ تھے اور سب ملے جلے تھے۔ جب رسولخدا صلعم پیدا ہوئے اور انکو اسلام کی دعوت دی تو رسولخداؐ کو ستانا شروع کیا اور ان سے اس قدر بغض وعناد کیا کہ قتل پر آمادہ ہوگئے اور رسولخداؐ کو ہجرت کرنی پڑی۔ المختصر اونھی بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ تو سچے دل سے ایمان لاکر رسولخداؐ اور آپکی آل کے فدائی ہوگئے۔ کچھ لوگ ظاہری ایمان لاکر اسکے منتظر رہے کہ اگر رسولؐ قتل ہوگئے تو اپنے آبائی دین پر پلٹ جاوینگے اور اگر زندہ رہکر کامیاب ہوئے تو اونکے زیر سایہ دنیا حاصل کیجائیگی۔ ایسے لوگوں کو سچے دین سے کوئی سروکار نہ تھا اور یہی منافق تھے۔ اور کچھ لوگ اپنے کفر پر باقی رہگئے اب یہ غور کرنے کی بات ہے کہ ابن سبا جو اپنے آبائی دین پر باقی رہا یا ظاہراً دین اسلام قبول کیا۔ اوسکی تعلیم کیا ہوگی۔ رسولخداؐ اور آل رسولؐ کی محبت اور اطاعت یا اونکی عداوت۔ اونکے ساتھ حسد و بغض اور اونکی تباہی اوسکی تعلیم قرآن کی پاسداری اور قرآن کی اطاعت ہوگی یا اوس سے سرتابی اور اوسکو اولٹ پلٹ کر اسکو

خراب کرنا۔

یہودیوں کی تو یہ عادت قدیم تھی کہ ہمیشہ احکام خداوندی کی مخالفت کرتے اور نبی وامام کو قتل کیا کرتے چنانچہ سورہ البقرہ رکوع ۷ میں خداوند عالم فرماتا ہے:۔ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ یعنی یہود خدا کی آیات سے انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو بے وجہ قتل کیا کرتے تھے۔۔ اس طرح کی خبر دوسری سوروں میں بھی موجود ہے۔

ایک تو یہودیوں کی یہ قدیم عادت دوسرے یہ کہ جب رسولخدا کے وعظ وپند سے کچھ لوگ مسلمان ہوئے اور علی مرتضیٰؑ کی تلوار سے اوسکے سردار اور نبی اعمام قتل ہوئے تو اپنے دین کی خرابی اور گھروں کی بربادی دیکھکر اونکی فطرتاً تعلیم یہی ہوگی کہ رسولخداؐ کو قتل کرو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اونکی آل واولاد کو کبھی چین نہ لینے دو۔ اور قرآن کی آیات کی تکذیب کرو۔ اور کہو کہ اسلام میں نہ کوئی منافق تھا نہ مرتد اور نہ آل رسولؐ کی کوئی تعریف وتوصیف ہے۔ اور اگر صاف وصریح آیات ایسی ہوں جنکی تکذیب نہیں ہوسکتی تو اونکو اولٹ پلٹ کر اونکے مقصود ومراد کو مجہول کردو۔ اور تفاسیر واحادیث میں ایسی ایسی روایات اور حکایات نقل کردو کہ آل رسولؐ کی تعریف وتوصیف پر پردہ پڑے اور منافقین کی مدح ہو۔ اور آل رسولؐ کو اونکے حقوق سے اس طرح محروم کردو کہ کبھی وہ باغ اسلام سے جس کو رسولخداؐ نے لگایا تھا ایک پھل بھی نہ کھاسکیں۔ اور یہی تعلیم اپنے اون نبی اعمام کو دینگے جو ظاہر میں مسلمان ہوئے تھے لیکن دل میں رسولخداؐ کی رسالت اور آپ کی تبلیغ کی کامیابی اور حضرت علیؑ کے کارناموں اور فضیلت پر جلتے تھے۔

چنانچہ اس رسالہ میں دیکھا گیا ہے۔ آیہ انذر عشیرتک الاقربین اور

کو نو امع الصادقین کی کس طرح تکذیب کرکے کہا جاتا ہے کہ "آل رسول کا قرآن پاک میں ذکر تک نہیں ہے"۔ کوئی تحریف اور کوئی تخصیص کیسی اور کہا جاتا ہے کہ اسلام میں نہ کوئی منافق تھا اور نہ کوئی رسالت میں شک کرنے والا۔ حضرت ابن عباس حضرت عائشہ۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر کا بیان ہے کہ قرآن سے بہت حصہ غائب کر دیا گیا۔ ستر منافقین کے نام مع ولدیت تھے اونکو حذف کر دیا گیا۔ اور آل محمد۔ آل یسین۔ ان علیا مولی المومنین علی وغیرہ قرآن سے غائب کر دیا گیا۔ یا زیر و زبر دیکر مجہول کر دیا گیا۔ خود قرآن پاک کہتا ہے کہ (۱) یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ (۲) الیوم اکملت لکم دینکم (۳) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (۴) قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی وغیرہ کو انکی جگہ سے ہٹا کر بے موقع اور بے محل رکھکر قرآن کے معنی بدلنے کی کوشش کیگئی ہے اور معاویہ کا فرمان بتا رہا ہے کہ کیسے حضرت عثمان اور دیگر اصحاب کی تعریف میں موضوعات کا انبار کر دیا گیا ہے۔ اور کس طرح اوسکے حکم سے ایسی روایتیں تصنیف کی گئی ہیں جو آل رسول کی ثنا و صفت کی مناقض ہیں اور جو اونکی ثنا و صفت کی احادیث کے معنی و مقصود کو مشتبہ کرتی ہیں۔

اور دنیا کی تواریخ بتا رہی ہیں کہ کس طرح آل رسول کو اونکے حقوق سے محروم کیا۔ کس طرح اونکو قتل و غارت کیا اور کس طرح تباہ کیا۔ انکی سیاسی تعلیم ہرگز ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ قرآن کی تصدیق کرکے مسلمانوں میں مومن کو پہچانو۔ اور اونکا ساتھ دو اور منافق کو پہچانو۔ اور اون سے تبرا کرو۔

حسب آیات مذکورہ رسالہ ہذا آل رسول کے ساتھ محبت کرو اونکو صادق

جان کر اون کا ساتھ دو اور حسب آیت انذر عشیرتک الاقربین اور
یا ایھا الرسول بلغ حضرت علیؑ کو خلیفہ و وصی و جانشین جان کر آپ کی
اطاعت کرو اور آپکی اولاد میں گیارہ پشت تک اپنا ہادی و پیشوا مانو اور جو
لوگ اونکے بھائی بندوں یعنی بنی اعمام میں سے رسولخداؐ کے اثر میں پڑ کر
مسلمان ہو گئے اون سے عداوت کرو اور اونپر لعنت کرو۔ نہ اوسکی یہ تعلیم
ہو سکتی ہے کہ رسولخداؐ کی یہ حدیث القرآن مع علی والعلی مع القرآن کی
تصدیق کرو۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ قرآن کا سچا معنی جاننے والا حضرت علیؑ کی
ولایت سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ علیؑ کے ماننے والوں سے قرآن کا سچا معنی
پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

پس اب شیعہ اور اہل سنت و جماعۃ کے اصول و اعمال کو مقابلہ کرنا چاہیئے
اور تواریخی واقعات پر انصاف سے نظر کرنی چاہیئے کہ کون مذہب پیرو
ابن سبا ہو سکتا ہے۔ شیعہ تو آل و اولاد رسولؐ پر جان فدا کرتے ہیں۔ اونپر
جو ظلم و جور ہوا اوس پر خون کا آنسو بہاتے ہیں اور بحکم قرآن پاک ظالموں پر دن رات
لعنت کرتے ہیں۔ لیکن اہلسنت والجماعۃ کے خلفا نے مثل یہود کے کتاب اللہ کو الٹ
پلٹ دیا اور آل رسولؐ کو اُنکے حق سے محروم کیا۔ اونکو قتل و غارت کیا اور اگر
کوئی اون ظالموں سے تبرا کرتا ہے تو اون سے جنگ جدل کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں
لہذا اگر ابن سبا کوئی شخص تھا اور اوس سے کسی فرقہ اسلامیہ نے اثر لیا ہے تو وہ
فرقہ اہلسنت والجماعۃ کا ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ شیعہ اس کا کوئی علحدہ ذکر نہیں کرتے
تھے اور نہ ابن سبا کو ابن قحافہ اور ابن خطاب سے علحدہ سمجھتے تھے اس لئے شاہ صاحب
اسکی یاد قائم کر کے مصداق اس شعر کے بنے ؎

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

واقعاً شیعہ تو تفرقہ انداز اونہی کو کہتے ہیں جنہوں نے حسب فرمودہ قرآن پاک حکمراں بنکر دنیا میں فساد کیا اور آل رسولؐ کو اونکے حقوق سے محروم کر کے اونکو تباہ و برباد کیا۔ خواہ یہ امر اونھوں نے خود اپنی نفسانیت سے کیا خواہ ابن سبا کے بہکانے سے۔ وہ سب ایک ہی لفظ منافق میں شامل ہیں۔

بہر کیف اسلام میں پھوٹ ڈالنے والا اور تفرقہ انداز جو بھی ہو یہ ممکن نہیں ہے کہ رسولخداؐ اون لوگوں سے خوش ہوں جنہوں نے آپکی آل کو خراب و برباد کیا۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اوسکے بعد اوسکی اولاد پھولے پھلے اور اگر کسی پر اپنی حیات میں احسان کیا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ اوسکے بعد اوسکی آل و اولاد پر احسان کیا جاوے۔
چنانچہ جن لوگوں نے رسولخداؐ کی آل و اولاد کے ساتھ محبت کیا اونکے واسطے اپنی جان دی اور اونکے اوپر ظلم و ستم کا حال سنکر اگر اور کچھ ممکن نہیں ہوا تو افسوس و واویلا کرتے ہیں اور ظالموں سے تبرّا، وہ یقینی حضرت کی شفاعت کے مستحق ہیں اور اونکے متعلق رسولخداؐ کی بشارتیں موجود ہیں۔ کہیں حضور انور نے فرمایا کہ شیعہ علیؑ فائز ہیں۔ جنتی ہیں۔ اور کہیں فرمایا کہ شیعہ کامیاب ہیں اور جنتی ہیں۔ یہ ایسی مستحکم اور متواتر حدیثیں ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی ان سے انکار نہ کر سکے اور منہ میں پانی بھر آیا کہ کیسے وہ ان بشارتوں کو اپنے اور اپنے فرقہ سے چسپاں کریں۔ لہذا یہ فسانہ ایجاد کیا کہ یہ سب بشارتیں شیعہ اولین کے متعلق ہیں اور وہ شیعہ اولین اہلسنت والجماعۃ ہیں۔ لیکن جب مذہب اثنا عشری کا نام بھی شیعہ پڑ گیا تو ابہام و شبہہ سے بچنے کے لیے شیعہ اولین نے اس اسم مبارک و مبشرہ کو ترک کر کے اپنا نام اہلسنت والجماعۃ رکھا۔ غالباً اسی اصول پر آپ لوگوں نے اپنے لئے حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی۔ قادری۔ مرزائی وغیرہ نام پسند کیا ہے اور علوی حسینی جعفری وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں اور ان ناموں اور نسبتوں کو شیعوں کیلئے

چھوڑ دیا ہے۔
اگر ایسا ہے تو پھر آپ جو ہر نماز میں دعا کرتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم اسکے کیا معنی ہیں۔ اس دعا کے معنی یہی تو ہیں کہ خداوندا ہم کو سیدھی راہ یا طریقہ کی ہدایت کر۔ یعنی اون لوگوں کی راہ اور طریقہ پر جن پر تو نے نعمت نازل کی ہے یا جنکو تو نے اپنی نعمات سے متمتع کیا ہے۔ کسی ایک امام۔ ہادی پیشوا یا سردار کا نام بتایئے جو اجماع۔ استخلاف۔ شوریٰ قہر و استیلا سے مقرر ہوا ہو اور اوس پر خدا کی نعمت نازل ہوئی ہو۔ آپ چلیں اُس راستہ اور طریقہ پر جسمیں اجماع استخلاف۔ شوریٰ۔ قہر و استیلا کا کانٹا اور خار ہو اور دعا کریں کہ آپکو گلزار اور نعمات الٰہی میسر ہوں۔ اسی کو جَو کاشتن اور گندم توقع کردن کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس رسالہ میں مذکور ہے خدا بھی یہی کہتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اوس راستہ پر لے چلنا چاہتا ہے جس پر اگلے اچھے لوگ چلے۔ اور آپ بھی دعا کرتے ہیں کہ اون اگلے لوگوں کے راستہ کی ہدایت کر جن پر تو نے نعمت نازل فرمائی ہے اور واقعی آپ چلتے ہیں اور مصر ہیں اوس رستہ پر جو کبھی اگلوں کا راستہ اور طریقہ ہی نہ تھا اونپر نعمت نازل ہونا کیسا۔ خداوند عالم نے نعمت اونپر نازل کی جن کو خود اوس نے نبی۔ امام و سردار و خلیفہ مقرر و منتخب کیا اور اونکی اولاد اخیار پر اور پیرو صادق پر جیسے حضرت ابراہیمؑ اور آپکی اولاد حضرت اسمعیل و اسحق پر نعمت نازل کی۔ جیسا حضرت نوحؑ اور آپکی ذریت اور مومنین صادقین پر نعمت نازل کی ہے اور جیسا حضرت موسیٰؑ اور ہرون اور اونکے پیرو بنی اسرائیل پر نعمت نازل کی اور جیسا آپ خود دعا کرتے ہیں اللھم صل وبارک علی محمدؐ و آل محمدؐ کما صلیت وبارکت علی ابراھیم و آل ابراھیم یعنی خداوندا محمدؐ و آل محمد پر رحمت اور برکت نازل فرما جیسا تو نے حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر رحمت اور برکت نازل کی۔ آل کے معنی آپ پیرو

ہیں جو اس اسم مبارک و بشرہ کو چھوڑ کر اب اہلسنت والجماعۃ کہلاتے ہیں۔
میری غرض یہ ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ شیعہ اور سُنی کے نام پر کوئی جاگیر اور انعام ملے یا کسی کی سزا ہو۔ لہٰذا ہر فرقہ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ رسول خدا صلعم کی خوشنودی کے خیال سے سب اپنے کو شیعہ کہیں اور اپنے کو رسول کی بشارت کا مستحق سمجھیں۔ اور اس شرط کے قبول کر لینے سے کل مسلمان ظاہرا ایک ہو جاوینگے اور بہت کچھ فرقہ بندی میں کمی ہوگی۔

(۲) شرط دوئم:۔ جو اصحاب نیکوکار تھے وہ جنتی ہونگے اور جو بدکار تھے وہ جہنمی۔ اونکا معاملہ سب اب خداوند عالم کے سامنے ہے۔ اب ہم کو اون سے کوئی سروکار نہیں ہے اور اب وہ ہمارے ہادی اور رہنما ہیں اور نہ شفیع ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کوئی فرقہ اصحاب کا ذکر نہ کرے۔ نہ اونکے عیب کو بیان کرے اور نہ کوئی ایسی فضیلت اونکی بیان کرے جس سے قرآن کی مخالفت ہو۔ غرض اصحاب کے متعلق ہر فرقہ کف لسان کرے۔ اور اپنا اپنا اعتقاد اونکے متعلق اپنے دل میں رکھے تاکہ باہم کی نزاع اور مناظرہ بند ہو۔

(۳) شرط سیوم:۔ جیسا اس رسالہ میں دکھایا گیا ہے رسول خدا کی نماز کا ایک مقررہ اور معروف طریقہ تھا اوسی ایک طریقہ پر ہر فرقہ والے مسلمان نماز پڑھیں اور جس کا جی چاہے جس مسجد میں نماز پڑھے کوئی مانع اور مخالف نہ ہو۔

(۴) شرط چہارم:۔ روزہ ایسے وقت افطار کیا جاوے جو اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ کے مصداق ہو۔

(۵) شرط پنجم:۔ میراث حسب ارشاد قرآن پاک تقسیم کیا جاوے نہ مثل بعض علماء شیعہ زوجہ کو ترکہ دینے سے انکار کیا جاوے۔ اور نہ مثل اہل سنت والجماعۃ عصبات کو مستحق ترکہ کا قرار دیا جاوے۔

بتادینگے لیکن آل ابراہیم سوائے آپ کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل اور اسحٰق کے کسی دوسرے کا نام بتادیجئے توجانوں ۔ آپ ایک شخص کا بھی نام ایسا نہیں بتا سکتے جو صرف کسی نبی یا رسولؐ کا صحابی ہو اور اونکی اولاد سے نہ ہو اور اوس پر خدانے رحمت وبرکت یا نعمت نازل کی ہو ۔ پس نعمت والوں کے راستہ پر چلنے کی دعا کرنا اور اوسکے لئے ہر نماز میں گڑگڑانا اور باصرار اونکے خلاف راستہ پر چلنا اس شعر کا مصداق ہے ؎

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کایں رہ کہ تو میروی بترکستان است

مزید تفصیل کیلئے ص ۲۹۲-۲۹۶ رسالہ ہذا ملاحظہ ہو

پیغام صلح

میں جانتا ہوں اور تمامی دنیا جانتی ہے کہ اپنا آبائی دین ترک کر کے راہ حق پر آنا نہایت دشوار ہے ۔ اگرچہ راہ حق کتنا ہی واضح اور صاف ہوجاوے ۔ اولاً خود اپنی قلبی اور اخلاقی کمزوری اجازت نہیں دیتی کہ خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے آبائی دین ترک کیا جاوے ۔ اگر کوئی ایسا قوی القلب اور قوی الدماغ شخص ہو بھی تو اوس کو اپنے ۔ پرائے ۔ کنبہ ۔ قبیلہ وغیرہ کا خیال ہوتا ہے ۔ جیسا قرآنی آیات سے ثابت ہے ۔ لہٰذا میں یہ چند شرائط صلح کے پیش کرتا ہوں تاکہ اپنے اپنے اعتقاد وخیال پر باقی رہتے ہوئے ظاہرا اہل اسلام میں یکجہتی پیدا ہوجاوے اور تفرقہ مٹے ۔ ورنہ اہل اسلام کو بہت برے دنوں سے سامنا ہے ۔

(۱) شرط اولی ۔ جناب رسولخداؐ نے فرمایا ہے کہ شیعہ جنتی ہیں شیعہ فائز ہیں اور بھی بشارتیں مثل اسکے درباره شیعہ کے ہیں ۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ میں فرماتے ہیں کہ ان سب بشارتوں سے مراد شیعہ اولیٰ ہیں ۔ اور یہ وہی لوگ

اگر ہر فرقہ کے مسلمان ان پانچ شرطوں کو قبول کر کے کاربند ہو جاویں تو انشاء اللہ انمیں فوراً اتفاق پیدا ہو جاویگا اور پھر انکو عروج حاصل ہو جاویگا۔ اور کفار سے ڈرنے اور دبنے کی ضرورت نہ ہو گی۔ فقط

والسلام علی من اتبع الھدی

